

خون کا دلچسپ

اپریل 2015

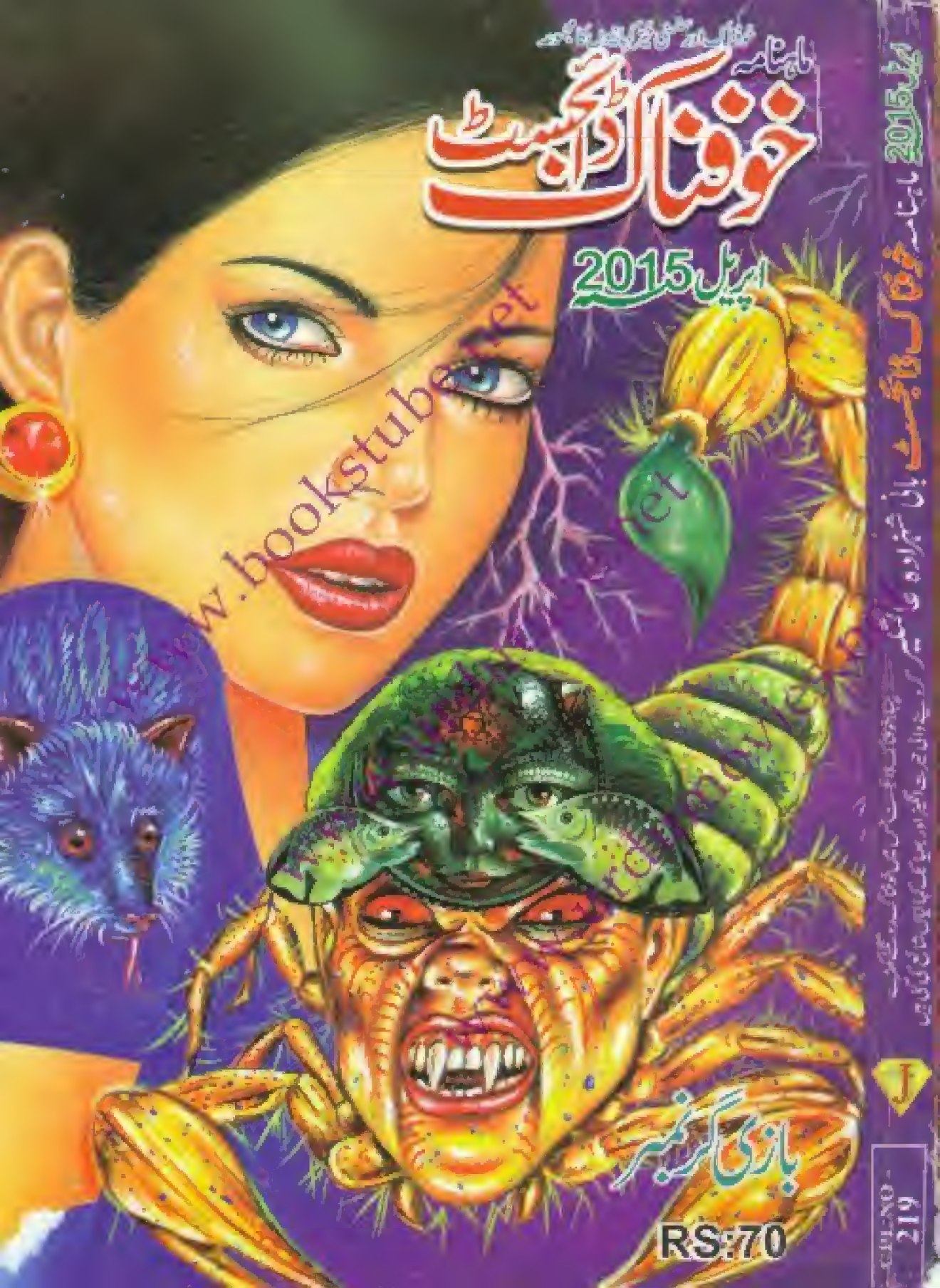
اپریل 2015

خون کا دلچسپ

بانی شہزادہ علی شکیب
چونکہ خونا بہت کم ہے اس میں خون کا دلچسپ



CP-NO-219



بازی گرنیئر

RS:70

— حیرت انگیز میٹک خوفناک کہانوں کا ماہنامہ —

خوفناک ڈائجسٹ

لاہور

بازی گر نمبر

ماہ اپریل 2015

جلد نمبر 18 شمارہ نمبر 11

قیمت 70 روپے

بانی۔ شہزادہ عالمگیر
نصران علی۔ شہلا عالمگیر
چیزمین۔ شہزادہ انجمن
مینیجنگ ایگزیکٹو۔ شہزادہ فیصل

آفس منیجر۔ ریاض احمد

سرپرست۔ جمال الدین

مارکیٹنگ

کران۔ ماہاب نور۔ فاطمہ

رابعہ۔ سارا زار



پتہ: خط و کتابت کیلئے: یہاں خوفناک ڈائجسٹ پی۔ او۔ بکس 3202 گلبرگ۔ لاہور

خوفناک ڈائجسٹ اپریل 2015 کے شمارے بازی گرنمبر کی جھلکیاں

خوبصورت چڑیل
معاویہ غبر وٹو

50

پراسرار موتی
قیصر جمیل پروانہ

16

بکھرے موتے
کاغذ عبد

62

بے قرار

خرم شہزاد آزاد کشمیر

6

طلسمی جادوگر
از میر اعوان

12

محرم مجرم

انتہا زاحمد کراچی

162

پراسرار قیدی
ایس انتہا کراچی

82

کون چاند رکھ میری شام پر
خوبصورت مہم گو دھا

104

اسلامی صفحے

بازی گرنمبر

اپریل 2015

بازی گرنمبر

وارث آصف خان

30

کتابوں کی سہولت پر غور ہے۔ ہمارے ہوتے ہیں انہی تمام کتابوں کے تمام نام، اساتذہ کرام، تعلیمی اداروں اور یہ جانتے ہیں کہ یہ حالات کیسے تھے
یہ ادارے کیا تھے۔ اس کا ایک طریقہ ہے۔ اس کے نام اور۔ یا علیشیر زوردار اور۔ (علیشیر) (شیر اور) (علیشیر)۔ یہ سب زوردار اور۔ یہ سب زوردار اور۔ (یہ سب زوردار اور)

پاگل سوہنو

محمد شفیق سوہاوہ

158

کوئی چاند رکھ میری شام پر

خواجه عاصم سرگودھا

جادوی محل

آئندہ ماہ

جلد نمبر ۱۸

شمارہ نمبر ۱۱

تلاش

اگلے ماہ سے

مجھے یہ شعر پسند ہے

طلسمی پتلا

آئندہ ماہ

اسلامی صفحہ

آپ کے خطوط

قیمت 70 روپے

اسلامی صفحہ

آپ کا نام حسن کنیت ابو محمد لقب ریحانۃ البی رسول اللہ ﷺ کی سب سے چھوٹی بیٹی سیدہ فاطمہؑ کے بیٹے ہیں مشہور روایت کے مطابق رمضان تین ہجری کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے حضرت حسنؑ کی ولادت کی خبر جب حضور کو ہوئی تو آپ سیدہ فاطمہؑ کے گھر تشریف لے گئے اور حضرت حسنؑ کے کان میں اذان کہی حضور ﷺ نے اپنے لعاب دہن سے حضرت حسنؑ کو کھنی دی حضرت علیؑ نے آپ کا نام حب رکھا اس کو بدل کر حضور ﷺ نے حسن رکھا صدیقہ کائنات ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ حضرت حسنؑ کی ولادت پر دو کمریاں ذبح کی گئیں ویسے تو نبی کریم ﷺ اپنے نواسوں سے محبت فرماتے تھے لیکن سیدہ حسنؑ سے خاص محبت کرتے تھے اس کی شاید ایک وجہ یہ تھی کہ حضرت حسنؑ کی جسمانی مشابہت حضور ﷺ سے تھی جس کی شفقت کا یہ نتیجہ تھا روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے بھی کبھی محبت سے سیدنا حسنؑ کو اپنے دوش مبارک پر اٹھالیا کرتے تھے اور پھر فرماتے تھے۔ اے اللہ میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر جب حضور ﷺ ان سے اتنی محبت فرماتے تھے صحابہ کرامؓ ان سے کیوں نہ محبت کرتے ایک روایت میں عبید بن اسحاق ہے ہیں کہ ایک دفعہ میں سیدنا حسنؑ کے ساتھ تھا کہ اتفاق سے ہماری ملاقات سیدنا ابو ہریرہؓ سے ہو گئی میں آپ کے جسم کے اس مقام پر بوسہ دینا چاہا جہاں نبی کریم ﷺ بوسہ دیا کرتے تھے حضرت سیدنا حسنؑ نے اپنے پیٹ مبارک سے میض اٹھایا سیدنا ابو ہریرہؓ نے ناف کو بوسہ دیا سیدنا حسنؑ بہت عبادت گزار تھے چپیں حج پیدل کے تین مرتبہ گھر کا سارا سامان اللہ کے ستے میں خرچ کیا حضرت حسنؑ کو حضرت علیؑ کی عبادت کی نزاکت محسوس کرتے ہوئے حضرت امیر معاویہؓ سے منع کر دی اور نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کو پورا کر لیا جو نبی کریمؐ نے فرمایا تھا حسن میرا بیٹا سردار ہے مسلمانوں کی دینی جماعتوں میں صلح کروائے گا (بخاری) حضرت امیر معاویہؓ کو حضرت حسنؑ کے صلح والے سال کا نام عام الجماعہ ہے حضرت معاویہؓ سے حضرت حسنؑ کی صلح کرنے پر اہل کوفہ حضرت حسنؑ کے مخالف ہو گئے اور آپ پر قاتلانہ حملہ کیا آپ کا سارا سامان لوٹ لیا اور آپ کی ران مبارک پر برہنہ چھامار کر ڈھی کر دیا۔ چار ۱۲ ہجری حضرت معاویہؓ سے صلح کرنے کے بعد حضرت حسنؑ اور حضرت امیر معاویہؓ مدینہ منورہ میں رہائش پزیر ہو گئے اور حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ اچھے تعلقات رہے پانچ ۵ ربیع الاول ۹۳ یا ۹۴ ۵۰ ہجری میں وفات ہوئی اور اپنی داوی سیدہ فاطمہ بنت اسدؓ کے پہلو میں جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

اللہ وہ جو بان پنڈ کی بھڑیاں
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ایک روایت ہے کہ پیارے نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ نکل بنائی اور اس کے درمیان ایک لکیر کھینچ دی جو اس مربع سے باہر نکل گئی اور ایک طرف سے چھوٹی چھوٹی لکیریں درمیانی لائن کی جانب چھپچھپیں پھر فرمایا یہ انسان سے جیسے موت ٹھیرے ہوئے ہے اور درمیان میں لکیر اس کی امید ہے جو اس کی زندگی سے بھی زیادہ ہے اور چھوٹی لکیریں اس سے پیش آنے والے حالات ہیں۔۔۔۔۔ اور ارادہ نہیں ٹھکومتی

شہزادہ عالمگیر ہسپتال

شہزادہ عالمگیر صاحب کی دیرینہ خواہش کی تکمیل پوری ہونے جا رہی ہے

قارئین کرام آپ حضرات کے تعاون سے ہم عالمگیر ہسپتال کا سنگ بنیاد رکھنا چاہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ شہزادہ عالمگیر صاحب کے خوابوں کو پورا کیا جائے۔ یہ فیصلہ ہم نے بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے امید ہے کہ آپ قارئین ہمارے اس فیصلہ کو دیکھ کر کہیں گے اور اپنے تعاون سے نوازیں گے اس ہسپتال کی تعمیر کے لیے ہمیں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں روپوں کی ضرورت ہے آپ کے تعاون سے ہم اس ہسپتال کی بنیاد میں انشاء اللہ کامیاب ہو جائیں گے۔ آپ سے جو بھی ہو سکتا ہے اس ہسپتال کی تعمیر میں ہماری مالی مدد میں آپ کی مدد سے ہی ہم اس کام کو سرانجام دے سکتے ہیں۔ آپ کا ایک ایک روپیہ اس ہسپتال کی تعمیر کے لیے ہمارے لیے بہت اہم ہوگا۔ بہت جلد ہم اس کا سنگ بنیاد رکھنا چاہتے ہیں آپ حضرات سے مالی تعاون کی پرزور اپیل کرتے ہیں امید ہے کہ آپ اس نیک مقصد کو پورا کرے ہیں ہمارا بھرپور ساتھ دیں گے۔ چاہے سو روپے ہی کی بھی آپ ہمارے اس اکاؤنٹ میں ڈال سکتے ہیں آپ کے ایک ایک روپے کی حفاظت کی جائے گی اس ہسپتال میں نہ صرف غریبوں کا فری علاج کیا جائے گا بلکہ ان کے لیے کھانے کا بھی بندوبست کیا جائیگا۔ یہ ہسپتال آپ کا ہسپتال ہوگا۔ آپ کے تعاون سے بننے والے اس ہسپتال کا کام جلد شروع کر دیا جائے گا۔ تمام قارئین کو ام اپنی رقم اس اکاؤنٹ میں جمع کروا کر ہمیں شکریہ کا موقع دیں اور دعا کریں کہ ہم اس نیک کام میں جلد کامیاب ہو جائیں۔

شہزادہ امتش عالمگیر

اکاؤنٹ 01957900347001 حبیب بینک کمرشل ایریا کیولری گراؤنڈ لاہور

بے قرار

--۔۔۔ تحریر: خرم شہزاد مغل۔ بھمبر آزاد کشمیر۔

آپ نے مجھے دنیا جہاں کی تمام خوشیاں دے دی ہیں جس کے لیے میں آپ کا جتنا شکریہ ادا کروں کم ہے آپ کا یہ احسان۔ ابھی نہیں بھول سکتی ہوں میں آپ کی دنیا میں اس لیے آئی تھی کہ دیکھ سکوں کہ انسانوں کی دنیا میں واقعی انسانیت موجود ہے یا نہیں۔ اسلام آج انسانوں کی دنیا میں تم کو دیکھ کر میرا دل بہت خوش ہوا ہے۔ آپ بہت اچھے انسان ہیں اسکی باتیں اسلام کے دل میں اترتی جا رہی ہیں۔ میں آپ کو کبھی بھی بھول نہیں پاؤں گی میں آپ کو اس احسان کے بدلے میں اتنا کچھ دے جاؤں گی کہ آپ زندہ کی بھر بھی پریشان نہ ہوں گے ایک لمحے کے لیے بھی نہیں۔ آج میں پوری رات آپ کی ہونٹوں میں واپس چلی جاؤں گی کیونکہ جس مقصد کے لیے میں آئی تھی وہ آج پورا ہو گیا تھا میں کسی انسان سے شادی کی خواہش نہ کرتی تھی اور وہ خواہش میری پوری ہو گئی ہے۔ میں نے سمجھیں بہت قریب سے آزمایا ہے کہ محکوم میرے جسم کی خواہش نہیں تھی اگر محکوم میرے جسم کی خواہش ہوتی تو اس روز صبح تم میرے گھر میں آئے تھے تو اس روز میرے حسن میں کھو کر کچھ بھی کر سکتے تھے لیکن تم نے اس کچھ بھی نہیں کیا بلکہ میرے کہنے کے باوجود بھی تم لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تھے مجھے تمہاری وہ اداسی بھی بھائی تھی میں تم اس حرکت سے دور نہ ہونی تھی بلکہ تمہارے اور قریب ہو گئی تھی انسانوں سے میری بہت بڑھ گئی تھی تم لا جواب انسان ہو۔ واقعی جتنی محبت کے قابل ہو۔ ایک سنسنی خیز کہانی۔

کرتے تھے۔ شفیق سامنے لگے صوفے پر بیٹھ گیا۔ اور اسلام کے آنے کے بعد تیزی سے ہاتھ چلا کر جلدی جلدی سامان سینے لگا تا کہ ہر ممکن تک اب گھر کی راہ اختیار کی جائے۔ اسلام یار تمہیں پتہ ہے میری ڈانٹ آتا لیٹ جانے سے ہمیشہ برا مانتی ہے لیکن میں پھر بھی ہر روز تمہاری وجہ سے لیٹ ہو جاتا ہوں۔ شفیق نے ایک آکر اپنے دل کی بات اسلام کو بتا دی۔

چلو یار نکلتے ہیں۔ اسلام کی آواز سنتے ہی شفیق صوفے پر سے کھڑا ہوا اور دونوں تیز تیز قدموں سے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ شفیق اور اسلام دونوں بہت گہرے دوست تھے اور شروع سے ہی اکٹھے کام پر جایا

اسلم جلدی نہایت دیر ہو گئی ہے تم ہر روز دیر کر دیتے ہو آج رات کے دس بج چکے ہیں اور تم ابھی تک دکان پر براجمان ہو۔ اسلام کی موبائل شاپ کے اندر داخل ہوتے ہی شفیق کے منہ سے یہ الفاظ نکلے۔ آؤ شفیق یار آؤ ہمیں تھوڑا سا کام باقی ہے دن کو لائٹ سنس ہوتی ہے جس کی وجہ سے سارے کاروبار کا سنیاس ہو گیا ہے۔ رات کو ورنیک کام کر کے تمام کاروبار اپنی جگہ پر قائم رکھتا ہوں۔

شفیق اپنے آفس میں کام کرتا تھا اور اسلام کی اپنی موبائل شاپ تھی دونوں عرصہ تین سال سے روزانہ پیدل گھر تک اکٹھے سفر کیا



سے انہیں سنائی دے رہی تھی۔ دونوں آج ایک بار پھر حیرانی اور کوف سے بھری نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے جیسے کہہ رہے ہوں کہ یار آخر یہ ہے کیا چیز آج اس بات کا پتہ چلا کر رہی رہیں گے کہ کیا ماجرا ہے۔

اسلم گھر چلو پار بہت لیٹ ہو گئے ہیں۔ شفیق کے بات سن کر اسلم خیالوں کی دنیا سے باہر اٹھ آیا اسلم اس طرف قدم بڑھاتے بڑھاتے رک گیا اور دونوں اسی سوچ میں گھر چلے گئے۔ اور یہ فیصلہ بھی کر لیا کہ کل ضرور اس بات کا پتہ چلا کر رہیں گے۔ کہ یہ کیا بات ہے اسلم کے دل میں مین یہ بہت رنج بس گئی تھی اور اسلم بار بار یہی سوچ رہا تھا کہ آخر وہ آواز کس کی تھی اور کون ہر روز ہمارے وقت ہی ہمیں آواز دیتا ہے۔ جیسے وہ ہمارا ہی منتظر ہو پھر یہ سوچ کر اس بات کو جھٹک دینا کہ کل اس حقیقت کا پردہ فاش کر کے ہی رہوں گا یوں یہ بات سوچ کر وہ اپنے خوابوں کی دنیا میں گھو گیا۔

دوسرے دن معمول کے مطابق صبح سویرے اٹھ کر اسلم اور شفیق اپنے اپنے کام پر چلے گئے دن بھر کام میں مصروف رہنے کے بعد شام کو دونوں جلدی ٹیڈر ہو گئے لیکن وہ رات کا انتظار کرنے لگے کیونکہ وہ آج اس بات پر سے بردہ اٹھانا چاہتے تھے جو ان کو ہر روز رات گوسنائی دیتی تھی۔ آج ایک بار پھر رات ہو گئی دونوں دوست رات کے دس بجنے کے منتظر تھے کہ اس ٹائم پر جا کر دیکھا جائے کہ وہ دے کے پیچھے کون ہے۔ آج مجھے سارا دن سکون نہیں آیا میرے خیال میں بس یہی داستان رہی ہوگی جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا تھا میرے دل میں تجسس بڑھتا

کرتے تھے شفیق کی شادی کو پانچ سال ہو گئے تھے لیکن ابھی تک اس کے گھر میں کوئی اولاد نہیں تھی اسلم اور شفیق کے درمیان اکثر یہی بات زیر بحث رہتی آج بھی اسی موضوع پر بات کرتے ہوئے جب دونوں ہستی کے قریب موجود ویران جگہ پر پہنچے تو پیاس کی شدت نے انہیں سناٹا شروع کر دیا۔

شفیق یہاں تو بہت گرمی ہے میرے ہونٹ پیاس کی شدت کی وجہ سے خشک ہو رہے ہیں اسلم دھیمے لہجے میں شفیق سے مخاطب ہوا۔ ہاں یار واقعی یہاں تو مجھے بھی بہت گرمی محسوس ہو رہی ہے چلو وہ سامنے نکلے پر چلتے ہیں شفیق کے کہنے پر اسلم نے بھی ہاں میں ہاں ملائی اور وہ دونوں سامنے لگے نکلے کی طرف روانہ ہو گئے اتنے میں اسلم کے موبائل کی گھنٹی بجی اسلم نے موبائل نکالا اور دیکھنے لگا اور پھر بولا۔

ابو کی کال سے یار تم ٹھیک کہتے ہو یہ بات جاسے کی وجہ سے تو مجھے بھی روزانہ ڈانٹ پڑتی ہے اور اب مجھے کتنی دفعہ کہہ چکے ہیں کہ حالات بہت خراب ہیں جلدی گھر آ جایا کرو کام کی وجہ سے۔ آج پھر یہ بات ہو گیا ہوں ان دونوں تو میری شادی کی بات بھی چل رہی ہے۔ ابو سے وعدہ کر کے آیا تھا کہ آج جلدی آؤں گا لیکن آج بھی لیٹ ہو گیا ہوں۔ بانی کو رہنے دو گھر چلتے ہیں۔

اسلم کی بات سن کر شفیق بھی تھوڑا پریشان ہو گیا خیر پھر دونوں رات کی تاریکی سے بے خبر گھر کی طرف چل دیے ابھی تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ اچانک ایک سوانی آواز نے انہیں چونکا دیا۔ یہ وہ آواز تھی جو وہ کافی دنوں سے نکلے کی باہر والی طرف موجود مکان کے اندر

جار ہاتھا۔ شفیق اسلم کی دکان پر بیٹھے بیٹھے
اچانک بول اٹھا۔ شفیق تم نے میرے منہ کی
بات چھین لی ہے اسلم نے پریشانی کے لہجے
میں شفیق کی بات کا جواب دیا اسلم جلدی
کر دس بج چکے ہیں اپنا کام ادھورا ہی چھوڑ
باقی صبح کر لینا۔ شفیق کی کھڑی پر نظر پڑتے ہی
فوراً چلا اٹھا۔

انفویار واقعی بہت دیر ہو گئی ہے۔ اور پھر ساتھ ہی اس نے اپنی شہادت کو بند کر دیا اور دونوں اپنی منزلت کی طرف رواں دواں ہو گئے۔ چلتے چلتے بھی شفیق آگے ہو جاتا اور بھی مسلمہ راستے میں چلتے چلتے اچانک اسلام نے شفیق کی کان پی پر پھنسل رہا دیا۔ اور کہا۔ سیدھے ہو جاؤ تم مجھ سے آج نہیں بچو گے۔ شفیق اسلام کی اس حرکت پر نہ صرف حیران ہوا بلکہ اس کے پیسے جھوٹ گئے اور اسلام سے اپنی کھلی پاتی ہوئی آواز میں کہہ ک۔ ک۔ ک۔ کہا کر رہے ہو تم اسلام۔

ایک بار اسلام نے زور سے قہقہہ لگایا اور شیخ کی بات کسی پر مذاق اڑانے لگا۔ یار سوری میں مذاق کر رہا تھا، اسامیں احتیاطاً ساتھ پہل بھی لے رہا تھا کہ کوئی گڑبڑ نہ ہوئی تو ہمارے کام آ سکے۔ اسلام کی بات سکر شیخ کی جان میں جان آئی اور وہ اسلام کو پکڑنے کے لیے اس کے پیچھے بھاگنے لگا چون وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ مذاق کرتے ہوئے اپنی منزل کی طرف بڑھتے جا رہے تھے جو کہ وہ ویران جگہ پر پہنچے تو اور معمول کے مطابق ان کے خلق خشک ہونے لگے پیاس کی شدت ان کو بے بس کرنے لگی آج وہ پھر پانی کے ٹل کے پاس چلے گئے۔ اور یہاں ہی ان کو ہر روز آواز میں سنائی دیتی تھیں۔ ان کی سمجھ

میں نہیں آ رہا تھا کہ یہاں وہ ان جگہ پر پہنچ کر
 ہی ان کو پیاس کی شدت کیوں محسوس ہوئی ہے
 اس میں کیا راز ہے حالانکہ انہوں نے کئی بار
 شاپ سے نکلتے ہوئے پانی بھی پیا تھا لیکن اس
 کے باوجود بھی جب بھی وہ اس ویرانے میں
 پہنچتے ان کو پیاس لگ جاتی تھی۔

شفیق یار آج کوئی آواز سنائی نہیں دے رہا ہے۔
 یہی ہے سبب کہ کیا وجہ ہے کیا معاملہ ہے۔ کافی
 دیر ہاں کھڑا رہنے کے بعد اسلام نے جنگ آ کر
 اپنے لب بلائے اور دونوں ہی آپس میں گفتگو
 شدہ ہو گئی۔

آ جاؤ۔ آ جاؤ۔ آ جاؤ دونوں یہ آواز سن کر چونک گئے اور خوف سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے کہ ابھی سانپوں نے آواز کی بات کی ہی تھی کہ ان کو آواز سنائی دی پھر دونوں اس آواز کی طرف چلنے لگے۔ جس طرف سے آواز سنائی دی تھی۔ چلتے چلتے آدھا ایک مکان کے سامنے جا کر ان کی تلاش ختم ہو گئی اور اسی مکان سے آرہی تھی ڈرتے ڈرتے اسلم نے دروازہ پر دستک دی اور دروازہ کھٹنے کا انتظار کرنے لگا تھوڑی دیر میں دروازہ کھل گیا دروازے کا کھلنا تھا کہ اسلم اور شعیق کا منہ حیرت سے کھلے گا بظاہر وہ گیا نہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسی دنیا میں ہیں کیونکہ سامنے کا منظر ہی کچھ عجیب اور پریشان تھا ایک نہایت ہی خوبصورت ووشیزہ جس کے بال کھلے ہوئے تھے مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی کہ اندر تشریف لائیں میں جی ویڈیو نصیب ہوں جو برقعہ آپ لوگوں کو تنگ کرتی تھی۔ ساتھ ہی وہ اپنے سر پر دوپٹہ سیٹ کرنے لگی اسلم اور شعیق ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہی تھے ان کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ کوئی خواب دیکھ رہے ہیں یا

تنت۔ تنت۔ تنت تم کون ہو۔ شفیق نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

میں ایک پری ہوں آپ مجھے پری کہہ سکتے ہیں یہ سب کہنے کے بعد آپ لڑکی نے ایک لمبی آہ بھری اور خاموش ہوئی پھر وہ دھیرے دھیرے سے اسلم کی طرف بڑھنے لگی اسلم اس کی آنکھوں میں شیطا نیت کو دیکھ چکا تھا کہ اس کے دل میں کیا ہے وہ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی جیسے ان دونوں کو کچا کر دیا جائے گی۔ وہ دونوں ہی بھاگنے لگا لیکن اس کے آگے بڑھ کر اس کا راستہ روک لیا اسلم کی زبان اس سے کاٹنے لگی۔

یہ تم کیا کہہ رہی ہو تمہیں شرم آتی چاہیے

شرم۔ اس نے اپنے قہقہہ لگا دیا اور بولی میں تم لوگوں کو جب تک میں چاہنے دوں گی تب تک میں اپنا مقصد پورا نہیں کر سکتی۔ اب تو اسلم اور شفیق کا خوف کے پار سے براہ حال ہو رہا تھا دونوں کی سانسیں رک گئی تھیں وہ دونوں چارہ پیسے تھے لیکن کچھ بھی نہ کہہ پار سے تھے پھر نجانے شفیق کو کیا ہوا کہ اس نے پینٹل نکالا اور اس لڑکی کی فائر کر دیا لیکن اسے فائر کا کوئی بھی اثر نہ ہوا۔ وہ اتنے گانے لگی اچانک اسلم کے ذہن میں خیال آیا تھا اس نے زور زور سے آیت الکرسی پڑھنی شروع کر دی۔ اور پھر دونوں ہی تیزی سے باہر کی طرف بھاگنے لگے لیکن اس مرتبہ اس لڑکی نے دوبارہ ان دونوں کو روکنے کی کوشش نہ کی۔ اور وہ دونوں باہر بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔ بھاگتے بھاگتے دونوں گاؤں کے قریب جا پہنچے ان کے سانس پھولے ہوئے تھے تھکاوے سے ان دونوں کا براہ حال تھا حقیقت میں وہ لڑکی جو رہی

حقیقت کا سامنا ہے ان کے سامنے۔ نجانے کیا بات تھی کہ اس کے کہنے پر وہ دونوں مکان کے اندر داخل ہو گئے۔ وہ بولی۔

تم لوگ نیچو میں تم لوگوں کے لیے کچھ پیسے ولائی ہوں اتنا کہہ کر وہ ایک طرف گھوم چکی جبکہ وہ دونوں ایک دوسرے سے بحث کرنے لگے۔ کہ اتنی خوبصورت لڑکی آج تک ہم نے اس محلے میں نہیں دیکھی تو کیا یہ کہاں سے آگئی تکرار کرتے کرتے وہ دونوں یکدم خاموش ہو گئے کیونکہ ان کو لگا جیسے وہ آگئی ہو۔ پورے گھر۔ میں ان کے پیسے ہونے سے متاثر ہوا تھا یہ تو پھر وہ دھیرے سے ان کے پاس آئی۔ اسلم سے بولی۔

اسلم میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتی ہوں۔ اس لیے آپ کو یہاں بلانے کی تلقین دی ہے۔ اس لڑکی نے خاموشی توڑتے ہوئے اسلم کو مخاطب کر کے بولی۔

جی جی جی کیا بات کرنی ہے آپ نے۔ اسلم نے ایک کرجواب دیا۔

آپ مجھے بہت اچھے لگتے ہیں اور رواز نہ آپ یہاں سے جاتے ہوئے دیکھتی ہوں لیکن بہت بار آواز دینے کے بجائے اپنے آپ کو کون رکھ لیکن کچھ دنوں سے اتنی بے قرار ہوں کہ بتائیں کتنی مجھے آپ دل و جان سے اچھے لگتے ہو بہت بار آواز دینے کے بعد اپنے آپ کو آپ کے سامنے نہیں لاسکی کل رات جب آپ دونوں نے فیصلہ کر لیا کہ آج یہ جان کر رہنا ہے کہ میں کون ہوں پھر مجھے یقین ہو سکا ہوا کہ آپ کے سامنے جا کر بات کرنی ہوں میرا تعلق انسانوں کی دنیا سے نہیں ہے۔

دنیا کی نہیں لگتی ہے۔ اسلام نے کچھ منہ ملتے ہوئے کہا۔

ہاں مجھے بھی ایسا ہی لگا ہے۔ شفیق نے اس کی بات کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ اور پھر دونوں ہی نے اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا اور غائب زیادہ ہونے کی وجہ سے دونوں صبح ملنے کا وعدہ کر کے اپنے گھروں کی طرف روانہ ہو گئے۔

گھر پہنچ کر شفیق اور اسلام کا خوف کے مارے حال ناقابلِ بیان تھا شفیق کی بیوی نے پریشانی کی وجہ پوچھی تو شفیق نے مالِ متول سے کام لیا اور کھانا کھانے کے بعد آرام کرنے لگا لیکن

اس کے ذہن میں وہ بات ڈیرے ڈالے ہوئے تھی کہ جیسے ایک خواب مولدھر اسلام کے گھر والے اس کے لیت آنے کی وجہ سے پہلے ہی اس کے انتظار میں تھے اور اوپر سے اس کی

خوفزدہ حالت اور چہرے پر پریشانی کے اظہار دیکھ کر والدوں کے ذہن بھی پریشانی نے جگہ بنائی اور وہ سب بھی ڈرتے گئے اور اسلام سے اس کے بارے میں پوچھنے لگے کہ اس کو کیا ہوا ہے وہ ڈرا ہوا کیسا ہے لیکن اسلام نے تھکاوت

کا بہانہ بنایا ورکاٹی ادھار کی باتیں کی تاکہ کسی طریقے سے ان کو نہا جا سکے لیکن اس کی ایک نہ چلی اور آخر کار گھر والوں کو تمام داستان سنی پڑھ گئی جس کو سن کر ان کے

گھر والوں کے رونگٹے کھڑے ہو گئے وہ اسلام کو کوٹھنے لگے کہ آخر تم ایسے کیوں آتے ہو اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو یوں اسلام کے

گھر والوں نے ہزاروں باتیں کی لیکن اس کا ذہن مسلسل اسی لڑکی کی طرف اٹکا ہوا تھا اچانک کو ایک خیال آیا تو بولا۔
ابو اس سے چھٹکار کے کا کوئی تو صل ہوگا

ناں۔

بیٹا میں اس کے بارے میں کچھ خاص نہیں کہہ سکتا ہوں اور نہ ہی اتنا جانتا ہوں مجھے کچھ سوچنے دو۔ پھر ان کو کچھ خیال آیا تو وہ بولے بیٹا یاد آیا تھوڑی دیر سوچنے کے بعد اسلام کے ابو کے چہرے پر خوشی کے آثار نمودار ہوئے تھے اور اسلام کو بتانے لگے۔

ایک بزرگ ہیں جو دوسرے محلے میں رہتے ہیں وہی ہمیں اس کے سد باب کے بارے میں آگاہ کر سکتے ہیں ابو کی بات سن کر اسلام کا چہرہ بھی خوشی سے چل اٹھا اور دل میں بے چینی سے جھرو ہونے لگی کہ جتنی جلدی ہو سکے ان سے ملا جاؤں۔

ابو آئیں ابھی چلیں ملنے کے پاس۔
نہیں بیٹا اب تو رات بہت ہو چکی ہے صبح چلیں گے اب تم سکون سے سو جاؤ اور پھر

سب اپنے اپنے کمروں میں سوئے مکمل چلے گئے۔ اسلام کی رات بے چین سے گزری اس پر تھی شفیق کو کال آئی اور اس دساری بات تفصیل سے بتائی اور کہا کہ تم بھی آ جاؤ ابو کے

ساتھ جتنے دن وہ بھی آ گیا اور یوں وہ تینوں بزرگ ملے ملے چلے گئے۔ وہاں پہنچ کر اسلام نے ساری بات بزرگ کو بتائی بزرگ بہت ہی توجہ سے اس کی کہانی سنتے جا رہے تھے پھر وہ بولے۔

بیٹا میں جانتا ہوں اور میں ابھی اس کا حل آپ کو بتاتا ہوں غور سے میری بات سنو۔ دیکھو اسلام کو مردوں کے خون کا ایک نقشہ پڑ چکا ہے اور وہ اس کا ایسا سب کچھ وہ کسی جتنی جوان لڑکے کو دیکھ کر اس پر عاشق ہو جاتی ہے اس کو اپنا حسین جسم دکھا کر اس کو اپنی طرف مائل کرتی ہے

تاکہ انسان اس کے حسن میں کھو کر مدہوش ہو جائے اور پھر وہ اپنی روتوں میں بیٹا اس

کر دو گئے۔ باباجی کی باتیں سن کر ان کے چہروں پر حیرانگی بڑھتی جا رہی تھی کہ باباجی کیا کہہ رہے ہیں لیکن وہ جو بھی کہہ رہے ہیں وہ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں کیونکہ سب وہ دونوں اس کے پاس گئے تھے تو انہوں نے اس کی آنکھوں میں ہوس کے ساتھ شیطانی طلب بھی محسوس کی تھی کہ جیسے وہ ان کو استعمال کرنے کے بعد انکا خون پینا چاہتی ہو۔ وہ بچے نہ تھے سب کچھ سمجھ رہے تھے لیکن پھر وہ بھاگ نکلے۔ باباجی کی تمام باتیں ان کی سمجھ میں آگئی تھیں وہ بہانوں سے اجازت لے کر وہاں سے چلے آئے۔

ابو اب میں کیا کرنا ہوگا۔ اسلم نے ابو سے پوچھا۔

میکے میں سوچ لو۔ باب نے جواب دیا۔ ابھی میں جا رہے ہوں والوں سے بات کرتا ہوں اور ان سب کو اس پر اس کے بارے میں بتاتا ہوں ہو سکتا ہے کہ تمہاری طرح کئی لڑکوں کو وہ دکھائی دی ہو اور ان کے ساتھ اس کے ایسا ہی حال کیا ہو جو وہ تمہارے ساتھ کرنا چاہتی تھی۔ باب نے تفصیل سے بتاتے ہوئے کہا اور پھر سب نے ہی گھر پہنچ گئے۔ اور پھر تمام محلے کے لوگوں کو ہم بات بتا دی جس کو سکر وہ سب بھی حیران رہ گئے اور ان میں سے ایک بزرگ بو لے اسلم بیٹا تم اس لڑکی سے شادی کر لو۔

کیا کیا۔ اسلم نے پوچھتے ہوئے کہا۔ ہاں بیٹا۔ میں سب کو جان گیا ہوں اور اصل آج کل وہ تمہارے خواب دیکھ رہی ہے تمہارا ہی چہرہ اس کی نظروں کے سامنے گھوم رہا ہے اس کو تمہارے علاوہ کوئی اور دکھائی نہیں دے رہا ہے اور یہ کام تم ہی

کے خون سے بچھائے۔ تمہارے ساتھ بھی وہ ایسا ہی کرنا چاہتی تھی وہ تم کو بھی اپنی طرف مائل کر کے تمہارا خون پینا چاہتی تھی۔ لیکن اب کسی کو اپنی قربانی دینا ہوگی۔ جھوٹی محبت کو ڈھونگ رچانا ہوگا اور اس کو اس بات پر قائل کرنا ہوگا کہ وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے اسکے ایسا کرنے سے وہ یہاں سے اپنی دنیا میں چلی جائے گی۔ بابا کی باتیں سکر وہ سب بہت حیران ہوئے کہ باباجی نے کیسا جواب دیا ہے باباجی یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں آپ کو پتہ ہے کہ ہم اس پریشانی کی وجہ سے آپ کے پاس آئے ہیں اور آپ ہمیں کسی طرح کا حل بتا رہے ہیں یہ بات ناممکن ہے بابا کو ان کی باتیں ناگوار گزریں تو ان کو غصہ بھری نظروں سے دیکھتے گئے۔ لیکن پھر بعد میں وہ سکر اوڑھے اور بولے۔

بیٹا میں جو کہہ رہا ہوں وہ بات آپ کی سمجھ سے باہر ہے اور آپ اسے سمجھ نہیں رہے ہیں۔

بابا جی ہمیں ٹھیک طرح سے سمجھا دیں۔ ہم اس پریشانی سے نجات حاصل کر سکیں۔ اسلم بھی درمیان میں بول اٹھا۔

بیٹا تم میری باتوں کو سنو وہ ایک میگ لڑکی ہے اور اس کے والدین کی بہت تڑپ ہے بلکہ وہ انہیں کو اپنے جسم کی پیاس بجھانے کے لیے بڑی ہے اور بعد میں اس کو مددہوشی کے عالم میں مار ڈالتی ہے اس کے جسم کا سارا خون پی جاتی ہے۔ لیکن میں تم کو ایک تعویذ دیتا ہوں تم اس کے پاس جاسکتے ہو لیکن وہ تم کو مارنے سکے گی بلکہ تم اس پر حاوی ہو جاؤ گے اور اس کو یہاں سے جانے پر مجبور

رہتے ہو۔ اہم توان کی پاس میں صبر جمین ہو گیا کہ اب اس کی شامت آنے والی ہے وہ شادی کے چکر میں اس کے خون کی پیاسی بن جائے گی اور پھر ایک دن دھیرے دھیرے وہ اس دنیا سے چلا جائے گا۔ لیکن وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ اگر اس نے ہاں نہ کی تو وہ لڑکی تب بھی اسکو چھوڑے گی نہیں کسی نہ کسی طرح وہ اس کو اٹھا کر لے جائے گی۔ تب اس نے ہاں کر دی اور سب لوگ ہی اس کی ہاں سنکر بہت خوش ہوئے۔

آؤ بیٹا ہم سب تمہارے ساتھ اس مکان میں جاتے ہیں جہاں وہ رہتی ہے تاکہ اس سے بات کر سکیں کہ وہ کیا چاہتی ہے۔ اتنا کہہ کر وہ سب اسلم کے ساتھ اس مکان کی طرف روانہ ہو گئے وہ مکان زیادہ دور نہ تھا کچھ ہی دیر میں وہ اس مکان میں جا پہنچے دروازہ کھلے ہی سے کھلا ہوا تھا۔ وہ سب اس مکان میں داخل ہو گئے۔ اندر کا منظر دیکھ کر سب کی آنکھیں کھلی گئیں وہ سب کیونکہ وہ مکان جو باہر سے عام مکان کی طرح دیکھائی دیتا تھا اندر سے وہ کسی محل سے کم نہ لگ رہا تھا اسلم بھی اور شفیق بھی یہ سب دیکھ کر حیران رہ گئے کیونکہ جو کل شام کو انہوں نے دیکھا تھا وہ کچھ بھی نہ تھا اب سب کچھ بدل گیا تھا وہ محل ایک ایک چیز کو غور سے دیکھ رہے تھے گھر کی حالت ہی بدلی ہوئی تھی لگتا تھا کہ وہ کسی دوسری دنیا میں آ گئے ہوں۔ وہ سب لوگ اندر جا کر ایک خوبصورت کمرے میں جا پہنچے جہاں ہر طرف صوفے لگے ہوئے تھے وہ سب ان صوفوں پر بیٹھ گئے۔ اور ادھر ادھر دیکھنے لگے وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ کیا اسلم لوگوں نے جو جو باتیں کی تھیں کیا وہ سچ تھیں یا پھر دل کا خوف تھا کہ یہاں وہ

لڑکی رہی ہی ہے کہ یا نہیں۔ بہن جلد ہی ان کی تمام سوچوں پر پانی پھر کر رہ گیا کیونکہ کچھ ہی دیر میں انکو وہ لڑکی ایک طرف سے چلتی ہوئی انکی طرف آتی ہوئی دکھائی دی سب ہی اس کو کو دیکھ کر حیران رہ گئے وہ غضب کی خوبصورت تھی یوں جیسے وہ انسانوں میں نہ ہو بلکہ پرستان سے آئی ہوئی ہو۔ کوئی بھی زبان اس کے حسن کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکی۔ ایسے لگ رہا تھا کہ جیسے دنیا بھر کی تمام خوبصورتی اس لڑکی کے اندر سمو گئی ہوئی۔ اسکا رنگ دودھ کی طرح سفید تھا گلابی گال و رخسار سرخ خوبصورت ہونٹ۔ ایک لمحے کو اسلم کو بھی جھٹکا سا لگا کہ وہ کڑ کیا تھا آج کیا بن گئی ہے لیکن وہ خاموش رہا۔ اسنے لوگوں کی موجودگی میں اس لڑکی کی نظریں اسلم پر لگی ہوئی تھیں۔ وہ اسے ہی دیکھے جا رہی تھی اور لوگ سمجھ گئے تھے کہ اس لڑکی کو صرف اور صرف اسلم کی ضرورت ہے اس کے علاوہ وہ کسی کی بھی خواہش مند نہیں ہے۔ اسلم اس کو دیکھ کر ہائے جا رہا تھا۔

آگئے ہو میری جان تم۔ وہ مسکراتے ہوئے ہوئی اس کے لبوں کی مسکراہٹ بہت ہی دیدہ زیب تھی۔ اندر آواز ایسی تھی جیسے پھول جڑ رہے ہو۔

ہاں آ گیا ہوں۔ اسلم نے اسے انداز میں کہا

میں جانتی تھی کہ تم ضرور آؤ گے اور خوش ہے کہ تم وہ خواہش لے کر آئے ہو جو میں چاہتی تھی اسنے لوگوں کی موجودگی میں تم مجھے جو کچھ کہنے آئے ہو وہ کہو میں تمہاری زبانی سننا چاہتی ہوں۔

میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اسلم

اور یہ بات لحوں میں ہی عام ہو گئی کہ اسلام کا نکاح ایک ایسی لڑکی سے ہوا ہے جو انسانوں میں نہیں ہے بلکہ پرستان کی دنیا سے ہے۔ انسان کی عقل اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے قاصر تھی کہ واقعی آج کے جدید دور میں بھی ایسے واقعات رونما ہو سکتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہونے والی اس اہل حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا تھا اس سے انکار کرنا اس بات کی توہین تھی جو اسلام کے ساتھ ہوا تھا۔ شادی کی پہلی رات اسلام جیسے ہی روم میں گیا تو روم کے اندر سے آنے والی مہک نے اسلام کا دل سوا کر دیا۔ اسلام پر ایک عجیب سا نشہ اور سرور چھانٹ لگا۔ لیکن پھر جیسے ہی اس لڑکی پر ان کی نظر پڑی تو وہ بے ہوش ہوتے ہوتے بھاگ گئی۔ کیونکہ وہ جس جن کا شکار ہو کر اسکی طرف مائل ہوا تھا وہ حسن بہت بھلا دکھائی دیا تھا آج تو وہ ایسے دکھائی دے رہی تھی جیسے چاند زمین پر اتر آیا ہو۔ اس کے جسم سے آنے والی مہک دنیا کے تمام خوشبوؤں سے بہتر اور معطر کر دینے والی تھی وہ اپنی قسمت پر رشک کر رہی تھی لگتا تھا اور وہ رشک کرتا بھی جیسے نہ چاند اس کے لیے زمین پر اتر آیا تھا۔ وہ اس کے پاس جا بیٹھا۔

آپ نے مجھے دنیا جہاں کی تمام خوشیاں دے دی ہیں جس کے لیے میں آپ کا کتنا شکر ادا کروں کم ہے آپ کا یہ احسان بھی نہیں بھول سکتی ہوں میں آپ کی دنیا میں اس لیے آئی تھی کہ دیکھ سکوں کہ انسانوں کی دنیا میں واقعی انسانیت موجود ہے یا نہیں لیکن اسلام آج انسانوں کی دنیا میں تم کو دیکھ کر میرا دل بہت خوش ہوا ہے۔ آپ بہت اچھے انسان ہیں اسکی باتیں اسلام کے دل میں اترتی جا رہی

نے ابد سے کہہ دیا۔ وہ لڑکی مسکرا دی۔ اور مسکراتی رہی جیسے اس کی خوشی کی انتہا نہ ہو۔ واقعی اسلام نے اس نے بے یقینی سے کہا۔

ہاں واقعی۔ اور اس بات کے گواہ یہ سب لوگ ہیں اسلام نے وضاحت دیتے ہوئے کہا۔ لڑکی نے اپنا خوبصورت ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا جسے اسلام نے تھام لیا۔ اسکا مطلب ہے کہ تم مجھ سے شادی کرنے پر رضامند ہو۔ ہاں۔ میں یہی تو چاہتی ہوں کہ تم سے میری شادی ہو بس اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں چاہتی ہوں جو تمہارے دل میں اس کے آگے کا خوف ہے اس کو ختم کر دو میں جانتی ہوں کہ تمہارے اندر بہت خوف ہے کہ میں تم سے شادی کے بعد تمہارا خون پیوں گی ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ کیونکہ تم مجھے دل سے پسند آئے ہو اور جو چیز مجھے دل سے پسند ہو میں کا خون نہیں پیتی ہوں بلکہ اس سے چھپا کر پیوں اور انتہائی حد تک کرتی ہوں۔ لوگ اس کی کہتے ہیں سحر حیران ہو رہے تھے کہ وہ کسی سے بھی کبھی نہیں رہی تھی اور نہ ہی کسی بات کرنے سے وہ شرمیلی بنی تھی بلکہ وہ ایسے اسلام سے باتیں کر رہی تھی جیسے وہ اسے صدیوں سے جانتی ہو۔ اسے پہچانتی ہو۔

اسلم کو بھی آج سے اس سے پیار ہو گیا تھا اس کے دل میں اس کے لیے جگہ بن گئی تھی کیونکہ جو اس نے اسکے بارے میں سوچا تھا آج اس لڑکی نے اس کی باتوں کی نفی کر دی تھی کہ وہ اس کا خون نہیں کرنا چاہتی ہے بلکہ وہ اس سے پیار کرتی ہے اور پیار میں سب کچھ کر سکتی ہے۔

تمام لوگوں نے ان دونوں کا نکاح کر دیا

تھیں۔ میں آجکو بھی بھی بھول نہیں پاؤں گی
میں آپ کو اس احسان کے بدلے میں اتنا کچھ
دے جاؤں گی کہ آپ زندگی بھر بھی
پریشان نہ ہوں گے ایک لمحے کے لیے بھی
نہیں۔ آج میں پوری رات آپ کی ہوں صبح
میں واپس چلی جاؤں گی کیونکہ جس مقصد کے
لیے میں آئی تھی وہ آج پورا ہو گیا تھا میں کسی
انسان سے شادی کی خواہش لے کر آئی تھی
اور وہ خواہش میری پوری ہو گئی ہے۔ میں نے
تمہیں بہت قریب سے آزما یا ہے کہ تمکو میرے
جسم کی خواہش نہیں تھی اگر تمکو میرے جسم کی
خواہش ہوتی تو اس روز جب تم میرے گھر
میں آئے تھے تو اس روز میرے حسن میں کھو کر
کچھ بھی کر سکتے تھے لیکن تم نے ایسا کچھ بھی
نہیں کیا بلکہ میرے کہنے کے باوجود بھی تم لوگ
بھاگ گھرے ہوئے تھے مجھے تمہاری وہ ادا
دل کو بھاگتی تھی میں تم اس حرکت سے روکنا
ہوئی تھی بلکہ تمہارے اور قریب ہو گئی تھی
الٹانوں سے میری محبت بڑھ گئی تھی تم لا جواب
انسان نہ ہو۔ واقعی سچی محبت کے قابل ہو۔ اسلم
اس کی باتیں غم سے سنتا رہا اس کو یقین
نہیں آ رہا تھا کہ ایک حسینہ اس کے پیار میں
پاگل ہو گئی تھی لیکن اس کو کچھ بھی ہو رہا تھا کہ صبح
وہ اس کو نہیں بھی دکھائی دیں دے کی وہ چلی
جائے گی۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کو چھوڑ کر
۔ اس کو تو اس سے محبت ہو گئی تھی اور وہ چاہتا تھا
کہ وہ اب ہمیشہ اس کے پاس ہی رہے لیکن
شاید اس کی یہ خواہش پوری نہ ہوئی کیونکہ صبح
جب ہوئی تو سب کچھ وہاں موجود تھا لیکن وہ نہ
تھی وہ جا چکی تھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کو
چھوڑ کر جا چکی تھی۔ اس نے ایک سرد آہ بھری
اور ان خوشبوؤں کو محسوس کرنے لگا جو اس کے

جسم سے اٹھ رہی تھیں۔
قارئین کرام اگر اسلم اس سے شادی نہ
کرتا بلکہ کچھ غلط کام کر دیتا تو شاید وہ اس دنیا
میں نہ ہوتا دوسرے لوگوں کی طرح اس کی
لاش بھی کسی جگہ خون میں لت پت پڑی ہوئی
دکھائی دیتی لیکن اس نے غلط نہ کر کے اس لڑکی
کے دل میں اپنی جگہ بنائی تھی یہی وجہ تھی کہ وہ
جاتے جاتے وہ سب کچھ اس کو دے گئی تھی کہ
پوری زندگی وہ عیش سے زندگی گزار سکتا تھا۔
اور اسلم کو یہ سب ایک خواب دکھائی دیتا ہے وہ
آج بھی سوچتا ہے کہ کیا واقعی کوئی پرہیزگار
زندگی میں آئی تھی لیکن اس کی دی ہوئی دولت
دیکھ کر اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ ہاں وہ اس کی
زندگی میں آئی تھی اور اس کو یہ سب کچھ دے کر
گئی ہے۔
قارئین کرام کیسی گلی میری کہانی اپنی
رائے سے مجھے ضرور نوازے گا مجھے آپ کی
رائے کا شدت سے انتظار رہے گا۔

غزل

زندگی میں تو میں پیار کیا کرتے ہیں
میں تو سر کر بھی میری مٹاں تجھے چاہوں گا
تو ملا ہے تو یہ احساس ہوا ہے مجھ کو
یہ میری عمر محبت کے لئے تھوڑی ہے
اک ذرا سا غم دوراں کا بھی حق ہے جس پر
میں نے وہ سانس بھی میرے لئے رکھ چھوڑی ہے
تجھے پہ ہو جاؤں گا قربان تجھے چاہوں گا۔
میں تو سر کر بھی میری مٹاں

نامعلوم

--- تحریر: قیصر جمیل پروانہ۔ ماموں کا بھجن

پروفیسر سعید نے مجھے مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا اور وہ کسی بھی طرح اپنے ہونٹ میری بوتلی پر رکھ کر ہاتھ میرے جسم میں داخل کرنا چاہتے تھے اور میں کسی بھی طرح ان کو ایسے کرنا نہیں دے رہی تھی میری تمام ہمتیں جواب دے چکی تھیں پھر میں ایک شخص سے ان سے الگ ہو گئی اور اپنی ہی جھونک میں چھپنے کی طرف رکتے میز پر پشت کے بل جا گری میرے جسم سے ٹکرا کر میز پر رکھی ہوئی مورتی نیچے زمین پر جا گری پروفیسر سعید جو نہایت خونخوار انداز میں میری جانب بڑھ رہے تھے یکدم رک گئے ان کے چہرے پر شدید کرب کے آثار موجود تھے میری نظر ان کے پاؤں پر جا پڑی جسے وہ ہلکے ہلکے ہتھکڑے پہنے تھے اور انکے ہی لمحے میں نے ایک غیر یقینی منظر دیکھا ان کا پاؤں ایک جسم سے الگ ہو کر نیچے جا گرا تھا بالکل ایسے جیسے وہ انکے وجود کا حصہ ہی ہو پھر موسم کی طرح پھیل کر ایک ملفوفے کی شکل اختیار کر گیا۔ وہ گیا جس نے بہت برا کیا بہت ہی برا کیا پروفیسر لڑا کھڑا اپنے بوسے میری طرف بڑھے لیکن اب ان کا دوسرا پاؤں بھی ان کے جسم سے الگ ہو چکا تھا اور وہ بھی کھڑکھار عجیب سی شکل اختیار کر رہا تھا۔ بن پاؤں کے پروفیسر کے لیے اپنے وجود کو توازن میں رکھنا ناممکن ہو گیا تھا اتنی بلند آواز کے ساتھ وہ زمین بوس ہو گئے ان کے حلق سے گریب چیخیں بلند ہو رہی تھیں یوں جیسے کئی بدروحیں زمین کر رہی ہوں ان کا وجود بچ رہا تھا یوں جیسے کالج کا بنا ہوا ان کا بے حد قریب وہ منحوس مورتی پر کی تھی عجیب اسرار تھا مورتی کے وجود سے ایک پاؤں غائب تھا ان کی جگہ زمین پر کالے رنگ کا سیال پڑا تھا اس کا ایک جزا الگ ہو چکا تھا اور پورے وجود پر زلزلہ پڑ رہی تھیں میں اپنی دیگر گوں حالت بھول کر اپنی مورتی کو اور کبھی پروفیسر سعید کو دیکھنے جاری تھی مورتی کا سارا وجود یوں جنبش کر رہا تھا جیسے نواز اینیو دیکھے ہاتھ پاؤں جلاتے ہیں لیکن اس کے حلق سے بھی وہی آوازیں برآمد ہو رہی تھیں جیسی پروفیسر کے ہاتھ سے آہستہ آہستہ پروفیسر کا جسم اٹکے سڑے گئے اور خون کے ملفوفے کی شکل اختیار کر رہا تھا اور مورتی کا وجود گاڑے سیاہ سیال کی صورت اختیار کر گیا تھا وہی بدروح بعد وہاں چھٹی تھیں تھا شخص ایک گاڑ خاں ملفوفہ تھا جو قاتل پر بکھرا ہوا تھا میں نے ایک نظر بے وقوفی پر اس کا سر، ہڈیاں اور تیزی سے اسٹڈی روم سے نکل کر کوڑی روپے ہوئی مین روڈ پر آ گئی زمین اسی طور پر یہ سب تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا۔ جو کچھ آگاہیں دیکھ چکی تھیں بھل کی بدروح نے پروفیسر صاحب کے وجود پر قبضہ جما کر اپنے ناپائاد ادوس کی تکمیل چاہی تھی وہ اپنی اس کوشش تو ناکام رہی لیکن اس نے پروفیسر سے اپنی آزادی کا خراج ضرور وصول کر لیا تھا بے چارے پروفیسر سعید ایک بدروح کا نشانہ بن گئے تھے۔ ایک سنسنی خیز اور دلچسپ کہانی۔

اس نیاگوں سمندر جیسی ہے پایاں گہرائی لیے
 کی آنکھیں بہت خوبصورت تھیں گہری گہری
 خیر اور دلچسپ کہانی۔
 ہونے اور جب دم کا جل اگاتی تھی تو یوں گلستا تھا
 سمندر پر گہرے بادل سایہ قلین جو جسے یوں پری



اور اس کی ملاقات بھی بڑے عجیب حالات میں ہوئی تھی کالج کی سیرھیوں سے اترتے ہوئے میرا اس سے ٹکراؤ ہوا تھا اور ہم دونوں کے ہاتھوں سے کتابیں نکل کر دور جا گری تھیں چند لمحوں کے بعد دوسرے کو دیکھتے رہے اور پھر نجانے کہاں کے تحت اس کے لبوں پر غنیمت چمکی اگلے ہی پل میں وہ مسکرا دی۔

مجھے سارہ کہتے ہیں اور آپکو۔ اس کی آواز بھی اس کی طرح خوبصورت تھی۔

انہم۔ میں نے صرف نام بتانے پر اکتفا کیا۔

آپ کس ڈیپارٹمنٹ میں ہیں۔

میں میا سے فائنل کی سٹوڈنٹ ہوں۔

اور آپ

میں یہاں پڑھتی نہیں بلکہ کسی کام سے آئی ہوں آئی ایم میریڈ۔

واؤ۔ مجھے متوجہ تھا اس جیسی نازک کم عمری کی لڑکی پر حیرت ہوئی تھی۔

میں نے ہسپتال کو اب سعید آکر کیا لو جسٹ ہیں اور یہاں ٹیچنگ اسٹوڈنٹ کی ایک کلاس لیتے ہیں۔

آپ پر ایسا سعید کی سسر ہیں۔ تعجب سے زیادہ میرے لہجے میں انہوں کی آیمیشن نے اسے

مسکراتے پر مجبور کر دیا۔ حقیقت تھی پروفیسر سعید بچپن کے بہننے ہوں گے سسر کے بانی کچھڑی نما

آنکھوں پر مونے عدسوں کی عینک پہنائی گہرا سانوالا رنگ بڑی بڑی آنکھیں جن میں جلد وقت

ایک پر اسرار سی چمک رہتی تھی ان کا اور سارہ کا کوئی جوڑ نہیں تھا ہر حال دنیا میں بہت سے بے

جوڑ جوڑے دیکھنے میں آتے ہیں اس جوڑے کا شمار بھی انہی میں ہوتا ہے۔ لیکن حیرت انگیز بات جو

میں نے نوٹ کی وہ یہ تھی کہ سارہ کے لہجے میں کسی قسم کا تاسف مایوسی یا دیگر خفگی نہیں تھی یوں لگتا تھا کہ جیسے وہ اپنی موجودہ زندگی سے اور شریک سفر

سے مکمل طور پر مطمئن اور آسودہ اور خوش ہے۔

او کے انہم۔ ابھی تو میں کچھ جلدی میں ہوں

ٹیکسٹ ناٹم جب بھی آئی انشاء اللہ تمہارے ساتھ طویل گفتگو ہوگی۔ سارہ نے الوداعی مصافحہ کے

لیے میری طرف اپنا خوبصورت ہاتھ بڑھایا۔ او کے۔ میں نے کہا تو دو تیزی سے

سیرھیاں اتر کر اور نیچے پڑی ہوئی کتابیں اٹھا کر آکر کیا لوجی ڈیپارٹمنٹ کی سمت چل پڑیا اور میں اس

کی پشت پر دراز زلفوں کی بل کھانی ہوئی ناگن کو دیکھتی رہی چلائیے وہیں کھڑے رہنے کے بعد

میں نے بھی کتابیں اٹھا کر اپنی کلاس کا رخ کیا۔ لیکن سارہ کیسے صبر سے زہن پر نقش ہو کر رہ گئی تھی وہ سرتاپا حسن و زینت کا ایک ایسا شاہکار تھی کہ

جو ایک بار اسے دیکھ لیتا وہ جیسا اسے بآسانی بھلا نہیں سکتا ہوگا۔

اگلی بار سارہ مجھے لاہوری میں ٹیچنگ میں مونی ہوئی کتابیں اپنے ارد گرد پھیر کئے وہ ہونے دو

جینے سے جانے کیا لکھ رہی تھی ایک لمبے لمبو میں نے سوچا کہ اسے ڈسٹرب نہ کروں لیکن

دوسرے ہی لمحے غیر ارادی طور پر میرے قدم اسکی سمت بڑھنے لگے اس کے قریب جا کر میں نے ہلکا سے ٹیبل پر ٹاک کیا تو اس نے اپنی مصروفیت کے

عالم پر سر اٹھا کر میری جانب دیکھا اس کی آنکھوں میں شناسائی کی چمک ابھرائی۔

او ہو ہیلو۔

ہیلو۔ کیا حال ہے۔ میں نے تکلفی سے کہتے ہوئے اس کی قریبی نشست سنبھال لی۔

ٹھیک ہوں اور انتہائی مصروف بھی۔ وہ دھیرے سے مسکراتے ہوئے بولی۔

تم کہاں کم تھی میں مسلسل تین روز سے آرہی ہوں اور آج تم سے ملاقات ہو رہی ہے

میں جھپٹے دو دن سے کانٹا نہیں آئی ہوں لیکن

بہت خوبصورت مورتی ہے لیکن سائرہ کیا
تمہیں اس میں کچھ عجیب نہیں لگا کچھ ایسا جو
غیر معمولی ہو سوچ سے ہٹ کر اس کی آنکھیں
تصویر میں تو زیادہ نمایاں نہیں لگ رہی تھیں۔
اگر تم اور بیکل مورتی دیکھ لو تو اس کی آنکھیں
دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاؤ اس قدر چاندرا اور بولتی
ہوئی آنکھیں ہیں۔
میں بھی بس کہی کہنا چاہتی تھی آج کل یہ
مورتی کس کی تحویل میں ہے۔

سعد کے اسڈی روم میں ہے وہ اس پر
تحقیقات کر رہے ہیں مجھے بتا رہے تھے کہ اس
مورتی سے متعلق بہت سے انکشافات انتہائی سسٹنی
نیز ہوں گے ان کے خیال میں یہ مورتی محض
تصویری نہیں ہے بلکہ یہ واقعی غور سے کو پتھر پر نقش
کیا گیا ہے خیر ابھی تو تحقیق جاری ہے۔

سائرہ تمہاری باتیں سن کر مجھے اس سارے
معاملے میں بہت دلچسپی ہو رہی ہے امید ہے کہ تم
مجھے بھی اپنی اس تحقیق کے بارے میں بتاؤ گی۔
بھری بات کے جواب میں سائرہ نے اثبات
میں سر ہلا دیا۔ اور کہتا میں اور کاغذات کا پلندہ نہیں
گئی یہ میری سائرہ سے دوسری ملاقات تھی لیکن ہم
دونوں ہی طبیعتاً ہی تظلف والی ہوئی تھی مجھے نہیں
لگتا تھا کہ ہم محض دو دو دلیلیں ہیں۔

اگلا دن سائرہ مسٹری کی میری آتی رہی لیکن
میری محض اس سے رسمی ہی ملاقات رہی کیونکہ وہ
بھی انتہائی مصروف تھی اور ہمارے بھی سینڈ ٹرم
انگزامز ہو رہے تھے کسی ہی مصروفیت تھی لیکن ذہن
کے کسی گوشے میں مجس کا مادہ متحرک تھا اس مورتی
کے متعلق مزید جاننے کا مجس کچھ سائرہ کے بتانے
کا انداز ایسا تھا کہ خواہ خواہ ہی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔

سے آئی آتم ان سر میں آ کر لالو جی ڈیپارٹمنٹ

تم کیا کر رہی ہو۔
میں نے اس کے گرد کتابوں کے ڈھیر
اور کاغذوں کے پلندوں کی طرف اشارہ کیا۔

سعید آجکل ایک ایسا نمٹ پر کام کر رہے
ہیں میں بالکل فارغ تھی سو اپنی خدمات پیش
کر دیں انہیں بالکل فارغ بھی انہیں واوی کی تلاش
کی پرانی تہذیب سے وابستہ ایک انتہائی
خوبصورت مورتی ملی ہے وہ کہتے ہیں ایک طویل
عرصہ کی تلاش بیسار کے بعد انہیں ایک نادر نمونہ ملا
ہے سو اب وہ اس مورتی کے دور کی ہسٹری جاننے
کی ٹلگ ہو رہی ہیں مجھے سائرہ کی باتوں میں دلچسپی
محسوس ہو رہی تھی

کیا تم مجھے اس مورتی کی تفصیلات بتاؤ گی۔
میں نے سوال کر دیا۔
ہاں کیوں نہیں۔

اس نے ٹیبل پر دھرا ہوا اپنا جینڈ بک اٹھایا
اور اس میں سے ایک لفافہ نکال کر میری محنت
پر چلایا اس میں اس مورتی کی ریسٹ تصاویر
چیں انہیں دیکھ کر تم خود فیصلہ کرو کہ یہ کس قدر
دلچسپ اور خوب طلب کام ہے۔ میں نے لفافے
میں سے تصاویر نکالیں ایک تصویر کے پیچھے اس
مورتی کی بابت تفصیلات لکھائی گئی تھی۔

یہ آج مجھے تقریباً دو سال پرانی تہذیب کی
نشان دہی کرتی تھی جب واوی کی تلاش ایک سنسان
واوی تھی جہاں بسنے والے انسان بالکل
کٹے ہوئے تھے زمانہ جاہلیت کی طرح جہاں بہت
سی طاقتور چیزوں کو دیوتا مان کر ان کی پوجا کرنے کا
رواج تھا یہ مورتی ایک عورت کی تھی ایک انتہائی
خوبصورت عورت اس کا چہرہ بالکل بے تاثر تھا لیکن
آنکھیں انتہائی چاندرا تھیں اس کی تصویر دیکھ کر
ذہن میں بہت عجیب قسم کے خیالات جاگتے تھے
میں نے تصویر میں سائرہ کے حوالے کر دیں۔

کے آفس کے دروازے پر کھڑی تھی۔

آگاہ کریں گے میں نے تفصیلی بات بتائی۔

یہ اسائنمنٹ میرے لیے ایک چیلنج کی منبیت
رہتی ہے بہت سا کام تو مکمل ہو چکا ہے چند نقطے
ایسے ہیں جو قابلِ تجزیہ ہیں بہت جلد کی یہ عقدے
بھی کھل جائیں گے میں سائرہ سے کب دوں گا کہ وہ
آپ سے رابطہ کرے آپ نمبر نوٹ کروا دیں۔

پروفیسر سعید اپنی ظاہر شخصیت کے بالکل
متضاد ثابت ہوئے تھے ظاہری طور پر دیکھتے ہیں
بمقام انہیں مغرور بہ دماغ اور بخفی قسم کا انسان سمجھ
سکتا تھا لیکن درحقیقت وہ انتہائی ملنسار اور عظیم الطبع
انسان تھے میں اپنا فون نمبر نوٹ کر دیا کہ ان کا
شکر یہ ادا کرے ہوئے آفس سے نکل آئی۔

درحقیقت میری طبیعت میں بحس کا مادہ کچھ
زیادہ ہے پھر ہنسری سے میرے لگاؤ کو میرے حلقے
کے تمام لوگو بہت اچھی طرح جانتے ہیں سو اس
مورتنی کے متعلق اصل حقیقت اس کے انسان تھے
اس لیے بھی مجھے توقع تھی کہ میں بہت جلد اس کے
ساتھ وہ معلومات حاصل کر لوں گی جو واقعی
ہوں ان کے چند دن تک میں سائرہ کی کالج آمد کی
شدت سے متاثر رہی لیکن نہ دو کالج آئی اور نہ ہی
اس نے کسی قسم کا رابطہ کیا میرے ذہن میں یہ خیال
آیا کہ شاید وہ بھول ہی گئی ہو ہماری کلاسز شروع
ہو چکی تھیں جب ایسا ہوا چانگ گھر پر سائرہ کا فون
آ گیا۔

اس نے مجھے بتایا۔ پروفیسر سعید اس مورتنی
کی اصل حقیقت جاننے میں کامیاب ہو گئے ہیں
میں نہ صرف یہ بلکہ وہ اس کے بارے میں چند ایسے
مشائعات سے بھی روشناس ہوئے ہیں حقیقتاً ایسے
مشائعات کجب و کجیر ثابت ہوئے ہیں پروفیسر
سامب نے کہا ہے کہ اتوار یا جمع کی شام کو وہ اس
مورتنی سے متعلق تمام شواہد بے نقاب کریں گے
لیکن فی الحال یہ تمام معلومات ہم تینوں کے

لیس ام ان پروفیسر سعید رات کی بھاری آواز
سنائی دیتے ہی میں آفس کے اندر داخل ہوئی
اور آفس کیا تھا عمارت کی دنیا آباد تھی وہ تمام
تہذیبیں جو ہم سے کئی کئی سال پہلے دم توڑ چکی تھیں
پروفیسر سعید کے آفس میں موجود تھیں۔
سر کیا آپ مجھے کچھ وقت دیں گے۔

آپ۔۔۔۔۔

سر میرا نام انعم ہے بی اسے فائنل کی
اسٹوڈنٹ ہوں چند دن قبل آپ کی مسز سے
ملاقات ہوئی تھی انہوں نے مجھے ایک انتہائی
دلچسپ اسائنمنٹ کے بارے میں بتایا گو کہ یہ
میری فیلڈ سے متعلق نہیں تھی لیکن اس میں کچھ ایسی
وضاحت طلب باتیں تھیں جن سے میری توجہ
اور دلچسپی بڑھ گئی ایک بحس نے بے چمن کر رکھا
ہے۔

آپ کون سی اسائنمنٹ کی بات کر رہی ہیں
میں نے حد موئے عدسوں کی ٹینک کے پیچھے سے ان کی
پر اس پر چمکی جا مل آنکھیں مجھ پر ٹیک ہوئی تھیں۔
سر وہی کپڑا ہے ملنے والی اس مورتنی کی
اسائنمنٹ بحس نے آپ تحقیقات کر رہے ہیں۔

اوہ تو سائرہ نے آپ کو اس کے بارے میں
بتا دیا ہے دراصل ابھی میں اسے تحقیق کو خفیہ راز میں
رکھنا چاہتا تھا اس میں کوئی شک نہیں کہ اس تحقیقات
کے سلسلے میں سائرہ میری بہت راست خدمت ہوئی
میں کیا آپ ان کی دوست ہیں۔

نہیں سر کچھ عرصہ تک تو ہم دونوں ایک
دوسرے سے بالکل ناواقف تھیں اتفاقاً ملاقات
ہوئی تو وہ اس اسائنمنٹ پر کام کر رہی تھیں میرے
پوچھنے پر انہوں نے سرمری سا بتایا اور جب
میں نے وہ عجیبی ظاہر کی تو انہوں نے بتایا کہ جب ہی
تحقیقات مکمل ہوئی وہ مجھے اس کی تفصیل سے خبردار

درمیان رہیں گی میں نے اتوار کی شام ساڑھ کے گھر جانے کا پرہیز کر لیا۔ ایک مجلس اور سستی کی سی کیفیت طاری ہوئی تھی میں یہ تو نہیں جانتی تھی کہ وہ انکشافات کی نوعیت کے ہوں گے لیکن اتنا ضرور جانتی تھی کہ وہ بھائی دلچسپی کے حامل ہوں گے۔

آج صبح ہی سے موسم کچھ ابر آلود تھا ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھی شام کے دھند لگے پھیلے لگے اور سورج کی قنارت دم توڑ رہی تھی۔ وقت میں پروفیسر سعید رانا کے بیٹے کے گیت پر کھڑی تھی انٹرکام سے کسی عورت کے بولنے کی آواز آئی جو یقیناً ملازمہ ہوگی مین نے اپنا تعارف کر دیا چند لمحوں کے توقف کے بعد گیٹ میکانیکی انداز میں کھل گیا ٹیڑھے کے چاروں اطراف کوئی موجود نہیں تھا میں حیرت زدہ رہ گئی اس قدر جدید سسٹم یقیناً پوری کوٹھی میں ہی الیکٹریک سسٹم رکھا گیا ہوگا گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے میں نے چاروں طرف نظر ڈورائی لیکن کوئی ذی روح نظر نہیں آیا پورچ سے ملحقہ تین چار میز چیاں چڑھتے ہوئے تھے میں نے سامنے دیکھا پوری کوٹھی کا سامنے کا حصہ نظر آرہا تھا لیکن سوائے ایک دروازے کے اندر اور باہر جانے کا کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا میں اسی دروازے کے قریب جا کھڑی ہوئی میرے قریب پہنچنے میں وہ دروازہ بھی خود بخود وا ہو گیا پر ایک غیر فطری ستانہ اس کے جمائے ہوئے تھا پوری کوٹھی ہی اسرار میں ڈوبی ہوئی محسوس ہو رہی تھی میں نے دروازے کے اندر قدم رکھا ہی تھا کہ دائیں طرف سے آواز آئی دیکھ تو آدراہم میں نے آواز کے تعاقب میں نظریں دور میں دائیں طرف ایک کھلے دروازے کے بیچ بیچ ساڑھ اور پروفیسر سعید رانا کھڑے تھے میں خود ایک دست و عریض لاؤنج میں کھڑی تھی۔

آپنے مس انکم۔ اندر تشریف لائے۔ پروفیسر صاحب کے اندر کمرے کے جاتے ہوئے بولے جبکہ ساتھ اس تمام درمیانی عرصہ میں خاموش کھڑی رہی تھی۔ اس کی خوبصورت آنکھیں حلقوں کے بھنور میں ڈوبی ہوئی تھیں شاداب چہرے پر زرویاں کھنڈی ہوئی تھیں اور چال ڈھال میں ایک عجیب طرح کی سستی اور مردنی تھی میں نے خاص طور پر یہ بات نوٹ کی کہ وہ پروفیسر صاحب کی قربت اور موجودگی سے خوفزدہ نظر آرہی تھی اور اس وقت جو وہ یہاں ہمارا استاد دے رہی تھی تو بحالت مجبوری۔

ساڑھ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں میں نے افسانہ نگار میں اس کی جانب دیکھا۔ آں۔ ہاں ہاں میں ٹھیک ہوں۔

وہ جیسے گڑبڑ کر رہی تھی ساتھ ہی اس کی خوفزدہ نظریں پروفیسر کی سمت اٹھ گئیں جو اپنی مونے مونے عدسوں کی عینک کے عقب میں سے اسے عجیب انداز میں گھور رہے تھے یا شاید مجھے ہی ایسا محسوس ہو رہا تھا خیر میں نے اپنی توجہ ان دونوں کی طرف سے ہٹا کر اپنے اطراف کا جائزہ لیا وہ بالکل بالکل جیسے سنڈی روم کے طور پر استعمال کیا جا رہا تھا۔ دیواروں کے ساتھ دیوار گیر الماریاں کتالیوں سے بھری پڑی تھیں کمرے کے ایک جانب خوبصورت صوفہ پیٹ رکھا ہوا تھا جبکہ ایک کونے میں رائٹنگ ٹیبل تھی ایک دیوار کے ساتھ اندر بہت بڑی الماری بنائی گئی تھی جو دنیا بھر کے خوبصورت نوادرت اور قدیم تہذیبوں کے نمائندوں سے بھری ہوئی تھی اس قدر خوبصورت اور ڈیکوریشن سنڈی روم اس سے پہلے میری نظروں سے نہیں گزرا تھا اسنڈی روم کے وسط میں ٹیبل پر وہی مورتی موجود تھی ہم دونوں کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے وہ خود ٹیبل کے عقبی جانب

دھرے کا درج کی طرف بڑھ گئے میں اور سارے آگے بڑھ کر صوفے پر بیٹھ گئیں۔

مس انعم اس مورتی کے بارے میں کسی بھی قسم کی تفصیل بنانے سے پہلے میں چند باتیں ذہن نشین کروادوں پہلی بات یہ کہ اس کمرے میں ہونے والی گفتگو کمرے سے باہر نہیں جائے گی دوسری بات یہ کہ کسی بھی قسم کا سوال پوچھنے کی بھی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ کیا۔ کیوں۔ اور کیسے۔ سب دھیرے دھیرے خود بخود واضح ہوتے چلے جائیں گے سو قبل از وقت کسی تفصیل کو جاننے کی کوشش فضول سے مجھے یقین ہے کہ آپ سمجھ گئی ہوں گی کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں ٹینک کے پیچھے سے بھاگتی ہوئی پرستار نظروں نے مجھے اپنے احاطہ بصارت میں لے رکھا تھا مجھے اپنے سارے وجود میں جھرجھری سی محسوس ہوئی۔

ایس سر میں سمجھ چکی ہوں۔
او کے اب ہم اپنا اسائنمنٹ کی طرف متوجہ ہیں پروفیسر نے آگے بڑھ کر مورتی ہاتھ میں اٹھالی اس مورتی کو ہاتھ میں لے کر غور سے دیکھیں اور جانیں کہ اسی میں ایسی کیا خاص بات ہے جو عام جسموں میں نہیں ہوتی پروفیسر سعید نے مورتی میرے ہاتھ میں دے دی برف کی طرح سرف مورتی کو چھوتے ہی میرے ہاتھ کچھ نرم سے ہو گئے دل کو پتہ نہیں کیا ہوا عجیب بے ہنگم انداز میں دھڑکنے لگا بغیر جائزہ لے کر ہمیں میں نے مورتی کو بہت غور سے دیکھا اور پھر سرور کی ایک چیز لہر بڑھ کی ہڈی کو سنسنائی ہوئی دماغ کی گھنٹی جھانگی مورتی کے جسم پر جا بجا جوڑے تھے جیسے انسانی جسم میں جوڑے ہوتے ہیں اور ہر جوڑے کو کسی سرخ چیز کی مدد سے جوڑا گیا تھا۔ مثلاً ہٹ آئیز سفید رنگ کی مورتی میں جا بجا سرخ لکیریں بہت عجیب لگ رہی تھیں

سر اس مورتی کو دیکھ کر یوں لگتا ہے جیسے انسان کے وجود کو جادوئی طریقے سے چھوٹا کر کے حنوط کر دیا گیا ہو اسکے باوجود میں تمام جوڑے موجود ہیں لیکن یہ دیکھنے عام سے نظر آنے کے باوجود اس قدم عام نہیں ہیں۔

بالکل مس انعم یہ عام مورتی نہیں ہے اور جو بات آپ نے نوٹ کی ہے وہی میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں اگر غور سے دیکھیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ اس مورتی کے تمام جوڑوں کو ایک دوسرے سے متصل کرنے کے لیے انسانی خون کا استعمال کیا گیا ہے دوسری بات یہ ہے کہ تمام جسم محسوس اور متوجہ ہے اس سے کندھا ہوا ہے جبکہ مورتی کے سر پر آرائشی سے طرب لگائی جائے تو واضح طور پر محسوس ہوگا کہ سر کا کاسٹلر سے بالکل خالی ہے تو واضح طور پر محسوس ہوگا کہ اس ٹیپ نوعیت کا ظاہر کر رہی تھیں یہ ممکن تھا کہ اس مورتی کو کسی قسم کے کالے علم کے لیے استعمال کیا گیا ہے کیلے وقتوں میں جادو کو بہت مستند سمجھا جاتا تھا۔

سر کیا اسے کسی قسم کے عمل میں استعمال کیا گیا ہوگا پروفیسر سعید کی آنکھوں میں میرے اس سوال کے جواب میں جو چمک ابھری تھی وہ تائید کی تھی۔ جی ہاں بالکل داوی کیلکولیشن اپنے علوم کے باعث بہت نمایاں حیثیت رکھتی تھی یہاں زمانہ جاہلیت کے طرز زندگی کے دوران بھی چند بھگت ایسے موجود رہتے تھے جو داوی کے بے علم لوگوں کی مشکلات و تکالیف دور کرنے کے علوم سے بہرہ ور ہوئے تھے بعض اوقات اس داوی کے سکون اور ماحول میں باہر کا کوئی شخص بھی ہلچل مچا دیتا ہے لیکن ان لوگوں کے طرز زندگی سے ایک بات تو ثابت ہوتی ہے کہ یہ لوگ اپنی داوی میں بھی اچھی وجود کو کم ہی برداشت کرتے ہوں گے پروفیسر سعید نہایت جامع انداز میں کیلکولیشن کی قدیم تہذیب کے

بارے میں بتا رہے تھے

مراس سے ایک بات اور بھی ثابت ہوتی ہے کہ وہ لوگ آرٹ سے بھی اچھی خاصی واقفیت رکھتے تھے جس قدر خوبصورتی سے یہ سورتی بنائی گئی ہے اور جس قدر تاثر انگیز اور جاندار اس کی آنکھیں بنائی گئی ہیں وہ قابل تعریف ہے میں پروفیسر سعید سے بظاہر گفتگو میں مصروف تھی لیکن سائرہ کی مستقل خاموشی مجھے بری طرح کھٹک رہی تھی وہ معلوم نہیں اس کے ساتھ کیا مسئلہ تھا لیکن یہ بھی تھا کہ کوئی بات ایسی ضرور تھی جو اسے بری طرح بری طرح پریشان کئے جا رہی تھی چند باتوں کے بعد میں نے رخصت بچا ہی تو واضح طور پر محسوس کیا کہ جیسے سائرہ نے اطمینان کا گہرا سانس لیا ہو اس کے چہرے پر عجیب طرح کا سکون پھیلتا دیکھ کر میں قدرے الجھن کا شکار ہو گئی تھی کیا اس پریشانی کی وجہ میری آمد تھی میری اپنے گھر موجودگی سے وہ نروس اور پریشان تھی مجھے قند بارے محسوس ہوا کہ میں بلا وجہ اس سے لے کریشانی کا باعث بنی میں نے دل میں سوچا کہ کل نہیں آؤں گی۔

مس انعم۔ آپ کل ضرور تشریف لائے گا۔ پروفیسر کی گہری پراسرار نظریں شاید میرے چہرے کے تاثرات بھانپ گئی تھیں۔

نہیک سے مراد اب اجازت چاہوں گی میں رانا ہاؤس سے نکلی تھی ایک عجیب شش و پنج میں مبتلا تھی پروفیسر کی پراسرار غیبت میں اپنی ہوتی شخصیت اور سائرہ کا نہ مجھ میں آنے والا اور یہ دونوں ہی میرے لیے معمہ بنے ہوئے تھے بظاہر ایسی کوئی بات نظر نہیں آرہی تھی لیکن کچھ تھا جو مجھ پر وہ تھا اور جب بھی سامنے آتا تھا تہلکہ خیز ثابت ہونا بتا رہی تھی ادھیڑ بن میں میں گھر آگئی شام کے سائے ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے چکے تھے آخری تاریکوں کا اداسی زرد چاند ماحول کو ایک عجیب سی

سوگواریت عطا کر رہا تھا میں کمرے سے باہر میز پر کھڑی ارد گرد کے ماحول سے اور ٹھنڈی نرم آلود ہوا کے جھونکوں سے لطف اندوز ہو رہی تھی کمرے میں موجود ٹیلی فون کی بیل بجی اس وقت میں نے گلابی پر بندھی گھری پر نظر دوڑائی رات کے گیارہ بج رہے تھے اس وقت کون ہو سکتا ہے میں خود کلاسی کے سے انداز میں بڑبڑاتے ہوئے کمرے کی جانب لپکی اتنی دیر میں فون کی بیل چار بار بج کر خاموش ہو چکی تھی میں نے کچھ دیر انتظار کیا کہ شاید وہ بارہ رنگ کیا جائے لیکن ایسا نہیں ہوا میں بھی سر جھٹک کر اپنے بستر کی جانب بڑھ گئی رات کے شاید دو بجے ہوں گے جب ایک بار پھر بیل بج اٹھی میں نے نیم غنودگی کے عالم میں ریوڑاٹھا کر کان سے لگایا۔

ہیلو۔ ہیلو۔ ہیلو۔ گز گز ایٹ آمیز آواز کانوں سے نکلا۔

میں۔۔۔ سائرہ ہلکی سی سرخوشی سنائی دی مجھے اس کی آواز میں ایک غیر معمولی بے حس کا احساس ہوا تھا۔

سائرہ۔ بولو کیا بات ہے۔ انعم تم کل کالج آ سکتی ہو۔

ہاں میری کل ٹاؤل کی کلاس ہے کالج تو جانا ہے مگر تم یہاں پر چھ رہی ہو۔

مجھے رات کے اس پیرفون کر کے اس کا یہ سوال پوچھنا حیران کر گیا تھا۔ لیکن میرے سوال کے جواب میں رابطہ منقطع ہونے کی ٹرن آنے لگی کمال ہے عجیب گورکھ دھندہ ہے میں بڑبڑاتے ہوئے وہ بارو سے سونے کی کوشش کرنے لگی صبح جب میری آنکھ کھلی تو رات کا سائرہ کا فون میں میسر فراموش کر چکی تھی حسب معمول کالج کی تیاری کرنے لگ گئی کالج پہنچتے ہی لان میں سب سے

پہلے میرا گراؤ سارہ سے ہوا اس کے ساتھ ہی مجھے رات کا اس کا فون یاد آگیا سارہ کل سے بھی کہیں زیادہ مہم و مایوس اور دگرگوشت نظر آ رہی تھی بلکہ اس نے ایک ایک انداز سے عجیب طرح کا خوف جھٹک رہا تھا آنکھوں میں وحشت بکھوڑے لے رہی تھی۔ میرے لیے اس کی ہدایات سمجھنا بے حد مشکل تھا کیونکہ اب تک ہر ملاقات میں میں نے اسے ہمیشہ چست خوش ہاش اور مطمئن دیکھا تھا سارہ کو مجھے دیکھتے ہی تیزی سے میری جانب بڑھی۔ انعم۔ اس نے آگے بڑھ کر میرا ہاتھ تھام لیا یک کانپتے ہوئے ہاتھ تھے۔

کیا بات ہے سارہ رات کو بھی تمہارے فون سے میں نے کافی دیر تک کنفیوز رہی تھی اور اب تمہاری یہ کیفیت میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ بات بہت سمجیر ہے انعم وہ وہ مورتی نہیں ہے۔ اس کی باتیں میرے سر کے اوپر سے گزر رہی تھیں۔ کیا مطلب۔ میں نے اسکی طرف متوجہ انداز میں دیکھا۔

مطلب یہ کہ وہ مورتی بے جان نہیں جاندار ہے جانتی ہوں چند دنوں سے میں کس قدر اذیت کا شکار ہوں مستقل نیند فون سے میں ایک ہی خواب دیکھ رہی ہوں میں سعید کے اسٹڈی روم میں کھڑی ہوں وہ مورتی اچانک آنکھیں جھپکنے لگتی ہے میں آگے بڑھ کر مورتی کو میز پر سے اٹھا لیتی ہوں جیسے ہی میں مورتی کو ہاتھ میں اٹھاتی ہوں وہ کسی بچے کی طرح قہقہا ہاں مارنے لگتی ہے ہاتھ پاؤں چلانے لگتی ہے خوف اور وحشت کی زیادتی سے وہ مرے ہاتھوں سے چھوٹتی ہے اور نیچے گر جاتی ہے کرتے ہی اس کا سارہ جو تو سلامت رہتا ہے لیکن سرنوٹ جاتا ہے کھوپڑی کا پچھلا حصہ شکاف کی صورت میں کھلتا ہے اور اس میں سے

ایک سفید رنگ کا بول باہر آتا ہے جو چند لمحوں میں اس مورتی کی ہمشکل صورت کا روپ دھار لیتا ہے پھر وہ عورت آگے بڑھ کر میرا گلہ بانے کی کوشش کرتی ہے سارہ کچھ مرونی اور بے ربط انداز میں تفصیل بتا رہی تھی میں نے پہلے تو بغور اس کی بات سنی پھر اسے سلی آمیز انداز میں اسکی منہ بھرتے ہاتھوں کو ہتھکپایا۔

دیکھو سارہ محض ایک خوب کو یوں خود پر طاری مت کرو بعض اوقات انسانی شعور میں چھپے ہوئے والے اور خوف ڈراؤ نے خوابوں کی صورت اختیار کر جاتے ہیں۔

اوہ انعم۔ لا شعور میں چھپے ہوئے کسی خوف یا وابہ کا شکار نہیں ہے یہ محض خواب ہوتا تو شاید اس کا اثر اتنا زیادہ نہ ہوتا لیکن جانتی ہو چار دن پہلے میں کسی کام کے سعید کے اسٹڈی روم میں گئی تو میں نے اس مورتی کو پیچھے جھپکتے ہوئے دیکھا پہلے تو میں نے اپنا وہم اور اس کے بے حد قریب جا کر بغور اس کی آنکھیں دیکھیں مگر یقین نہیں کروں لیکن میں سچ کہہ رہی ہوں اس کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں اور مجھ پر مرکوز تھیں اس کے دیکھے انداز میں بالکل حقیقی تھا یوں لگتا تھا جیسے وہ ابھی بول پڑے گی سارہ خوف کی انتہائی کیفیت سے گزر رہی تھی۔

سارہ خود کو بریل میں مت کرو میں آج شام کو تمہارے گھر آؤں گی پھر تفصیلی بات چیت کریں گے میری کلاس لیٹ ہو رہی تھی سو میں سارہ کو خدا حافظ کہتی ہوئی اپنے دیپارٹمنٹ کی جانب چل دی لیکن درحقیقت یہ تمام معاملہ اب کافی حد تک پر اسرار ہوتا جا رہا تھا مجھے شدت سے شام کا انتظار تھا میرا خیال تو یہی تھا کہ سارہ کسی خوف کا شکار ہے جو کچھ اس نے مجھے بتایا وہ بھی اسی خوف کا پیدا کردہ ہے لیکن اگر اس کے کہیے ہوئے الفاظ میں

صد اقسٹ ہوئی تو۔ یہ وہ سوال تھا جس کا فی الحال کسی کے پاس جواب نہیں ہو سکتا تھا۔ نہ میرے پاس اور نہ ہی سائہ کے پاس اور نہ ہی پروفیسر سعید کے پاس کل کی طرح آج بھی موسمِ ابر آلود تھا لیکن فضا میں کچھ ٹھنک کا احساس غالب تھا شاید بارش ہونے والی تھی میں نے آسمان کی طرف نگاہِ ذورانی سیاہ سفید بادلوں نے پورے آسمان کو اپنے حصار میں لے رکھا تھا فضا پر عجیب طرح کا سکوت طاری تھا ہوا کا کہیں گزر نہیں ہو رہا تھا۔ میں مقررہ وقت پر رانا ہاؤس پہنچ گئی کال کی طرح آج بھی پوری کوٹھی پر خاموشی کے ہادل چھائے ہوئے تھے آج بھی مسٹر اینڈ مسز سعید رانا نے میرا استقبال اسٹڈی روم میں کیا کیا کل اور آج میں فرق صرف یہ تھا کہ پروفیسر سعید کے چہرے پر مومنہ عید بدسوں والی عینک غائب تھی اور اس کی جگہ کالے چشموں کی عینک موجود تھی اور سائہ کل کے مقابلے میں آج ادنیٰ زیادہ پریشان نظر آ رہی تھی اس کی ایک ایک جنبش سے اس کی انظاراری کیفیت کا اظہار ہو رہا تھا۔

آئیے آئیے مس انعم حشریف لائیے۔ پروفیسر سعید مسکراتے ہوئے مجھے خوش آمدید کہہ رہے تھے۔ لیکن ان کے چہرے سے برآمد ہونے والی آواز قطعی ان کی نہیں تھی یوں لگتا تھا جیسے تین پروفیسر سعید رانا اکٹھے ہو کر بول رہے ہوں چہرے پر موجود مسکراہٹ کسی بھی طرح کے تنازعات کا ساتھ نہیں دے پا رہی تھی لیکن میں نے کوئی غصہ نہ توجہ نہیں دی اس لیے کہ میں کسی بھی غیر متوقع پریشان کن صورت حال کا تصور بھی لے کر نہیں آئی تھی۔ میں تو محض ایک اسٹوڈنٹ کی حیثیت سے ایک اسائنمنٹ میں انٹرنسٹ لے رہی تھی اور بس یوں ہی یہ میری فیلڈ نہیں تھی صرف دلچسپی تھی اور تجسس تھا جو مجھے بے چین کئے دے رہا تھا کل کی

طرح آج بھی مورتی سامنے میز پر دھری ہوئی تھی میں اور سائہ صوفے پر جا بیٹھے جبکہ پروفیسر سعید میز کے عقبی جانب رکھے گاؤنچ کدست بردار تھے۔

کل کی طرح آج بھی ہم اس مورتی کے پارے میں ڈسکس کریں گے لیکن ذاتی طور پر میں سمجھتی ہوں کہ دو سو سال پہلے پیش آنے والے حالات سے وہ واقعات جو بھی ہوں کسی ایسی تہذیب سے تعلق جو کالعدم قرار پا چکی ہوں انکے پارے میں ہم قیامت ہے تو کام لے سکتے ہیں لیکن اصل حقیقت نہیں جان سکتے ہیں نے پروفیسر سعید کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ یہ اچھل چلا تھا کہ وہ میری تائید کر رہے تھے لیکن ویسا ہو سکتا تھا۔

نہیں نہیں مس انعم سائہ کی حد غالب آپ درست کہہ رہی ہوں لیکن اس مورتی سے متعلق جو معلومات میں آپ کو دوں گا وہ سو فیصد حقیقت پر مبنی ہوں گی سرسراہٹے ہوئے انداز میں پروفیسر سعید کو کہا ہوئے واوی کیا اس آج بھی اس قدر اسرار میں ڈوبی ہوئی ہے جیسی آج سے کئی سو سال پہلے تھے اس کی تہذیب زیادہ پرانی نہیں ہے آج سے تقریباً دو سو سال پہلے واوی ایک مختصر انسانی ہستی پر مشتمل تھی لوگ دوستانہ کے دکھ درد میں شریک ہوتے تھے باہر کی دنیا سے ان کا کوئی رابطہ نہیں تھا سو وہ ایک دوسرے سے ہی اچھا براؤ رکھتے تھے ان کے درمیان جھگڑے پیدا کرنے والا اور ان کے دلوں میں نفرت کے بیج بونے والا اور انہیں ایک دوسرے سے دور کرنے والا ایک سادھو تھا بدھ مت کا پیروکار اروند ایک ایسا سادھو تھا جو نہ جانے کتنے ہی غفی علوم پر مکمل دسترس رکھتا تھا ایسے سادھو رشی بدھ ہمیشہ جہنموں اور سسنان علاقوں کا رخ کرتے ہیں اروند کو بھی اپنے علم کی تکمیل کے لیے کسی پرسکون جگہ کی تلاش تھی اور اس کی تکمیل

کے لیے کسی پرسکون جگہ کی تلاش تھی اور اس کی نظر انتہائی وادی کی تلاش پر پڑی تھی کبھی کبھی جٹاؤں والا یہ میلا پھیلا بدھ سادھو پہلے پہل وہاں کے لوگوں کی سخت نظر کا نشانہ بنا لوگوں نے اس کی بے جا مداخلت کا سخت برا مانا لیکن وہ مستقل مزاجی سے ان کے سخت رویہ کو ہتار ہا اور وہاں کے لوگوں کی مشکلات کو سمجھ کر ان کا توجہ کرنا شروع کر دیا تو لوگ دھیرے دھیرے اس کے مقصد ہوتے گئے پھر ایک وقت ایسا آیا کہ اس نے اپنے غم کا منفی روپ لوگوں کو دیکھنا شروع کر دیا۔ کیلاش کی ایک حسین ترین عورت مہبل پر اس کا دل آ گیا مہبل ایک کسان کی بیوی تھی بے اولاد تھی فطرتاً قدرے ہرجائی طبیعت رکھتی تھی جب اس نے سادھو کی دوم سٹی تو ایسا حدی سے سادھو کے پاس گئی اور یہی وہ دن تھا جب سادھو اور وہ نے اپنے گندے غم کا حال پھیلا کر اسے اپنے قبضے میں کر لیا۔ اسے اپنے علم کی تکمیل کے لیے ایک جوان خوبصورت عورت کی ضرورت تھی اور مہبل کی صورت میں اس کی یہ ضرورت پوری ہو گئی اس نے مہبل سے اس کے وجود کا اختیار مانگا وہ اولاد کی طلب گار تھی اس لیے سادھو کے ہر جائز ناجائز مطالبے پر سر تسلیم خم کر لی گئی سادھو اس کے جسم و روح کو میلا تو کراہی چکا تھا کچھ ہی عرصہ میں اس نے مہبل کو اپنا شریک راز بنالیا اس نے مہبل کو بتایا کہ وہ ایک ایسا عمل کر رہا ہے جس کے علم کو نونے کے بعد وہ ابدی زندگی پائے گا لیکن اس عمل میں اسے انسانی خون درکار ہوگا۔ مہبل نے اسے مایوس نہیں کیا بلکہ وہ کچھ کیا جو اس نے چاہا۔ سادھو نے اس کی عدم موجودگی میں اس کی مورتنی بنالی اس کے وجود میں تمام جوڑ موجود تھے جس طرح زندہ انسانی وجود میں ہوتے ہیں اس نے ہر جوڑ کو مہبل سے حاصل کر دہ خون سے جوڑا لیکن ایک غلطی وہ کر گیا جس

وقت وہ مورتنی کا مسئلہ سر بنار یا تھا اس وقت اس کے عمل میں غلطی ہو گئی وہ مورتنی کا سر تو بنا چکا تھا لیکن ابھی وہ خالی ہی تھا عمل الٹا ہونے کے باعث مہبل پر شیطانی طاقتوں نے قبضہ کر لیا ان طاقتوں کا پہلا نشانہ دروند ہی تھا اسے اپنی جان خطرے میں نظر آرہی تھی یہ خوبصورت بلا جو اب شیطانی قوتوں کے زیر تسلط تھی کسی بھی وقت اسے راہ عدم کر سکتی تھی سو اس نے مہبل کے خالی کاسہ سر میں قید کر دیا لیکن مہبل کی قید صرف تب تک ہی برقرار رہ سکتی تھی جب تک یہ مورتنی سلامت رہتی جوں ہی اس مورتنی کے سر میں بلکا سا بھی شکاف پڑا مہبل کی روح آزاد ہو جائے گی اور اس کے بعد جو کچھ ہوگا اچھا نہیں ہوگا

پرونیس کا عید رانا یہ ہو کر خاموش ہو گئے سیاہ شیشوں کا چشمہ بدستور انکی آنکھوں پر موجود تھا کمرے کے اندروں کا سیاہ چشمہ لگا کر بیٹھنا مجھے بہت عجیب محسوس ہو رہا تھا وہ کارخانے سے اٹھ کر راننگ ٹیبل کی طرف گئے میرے پر دکھا ہوا پانی کا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔ اہم غور سے دیکھو مورتنی کا کاسہ سر ٹوٹا ہوا ہے سبزہ نے سر دھس کے اسے انداز میں کہا اس کی آواز میں ایک محسوس کی جانے والی کپکپاہٹ تھی میں نے چونک کر پہلے اس کی طرف دیکھا اور پھر مورتنی کی طرف پہلے میں نے وجہ نہیں دی تھی اب غور کیا تو پتہ چلا کہ مورتنی کا چہرہ تو سلامت ہے لیکن پیشانی سے تھوڑا جھجھے اس کے سر میں ایک شکاف تھا یہ مورتنی کی آنکھیں بالکل مردہ اور بے جان تھیں میرے ہاتھوں پیروں میں عجیب طرح کی سنسنی دہانے لگی رنگوں میں خون کی جگہ برف کا گمان ہو رہا تھا میں اور سائروہ دونوں سبکت بیٹھی ہوئی مورتنی کی طرف دیکھے جارہی تھی دونوں کے احساسات پر خوف کی لہر جمی ہوئی تھی ہرگز نہ والا

لحد و ہشت کا پرت در پرت کھولے جا رہا تھا۔

آج یہ مورتی سائرہ کے ہاتھ سے گری اور سر میں پڑنے والے شگاف نے دو سو سال کے بعد مہبل کو آزادی دے دی شیطانی طاقتیں ہر لمحہ اس کی ہمنوا اور محافظ تھیں مہبل کی روح طاقت میں کئی گنا زیادہ ہو چکی ہے۔ اور اب وہ نئی زندگی پانے کی خاطر کچھ بھی کر گزرے گی پروفیسر سود نے کاوج پر چبھتے ہوئے کہا۔

سریہ جو ہنچھ آپ نے بتایا ہے آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ سب حقیقت پر مبنی ہیں مجھے تو یہ سب محض ایک کہانی لگ رہی ہے خوف اپنی جگہ لیکن آج سے دو سو سال پہلے پیش آنے والے واقعات کو کوئی اتنے حتمی انداز میں کیسے بیان کر سکتا ہے جبکہ اس کے پاس ایسا کوئی ثبوت موجود نہ ہو۔

تمس انعم میں ثابت کر سکتا ہوں کہ سب سچ ہے پروفیسر سعید اب بھی اپنی بات پر قائم تھے۔ سر آریا لوجسٹ کسی قدیم تہذیب کے ختم ہونے کے بارے میں یہ تو بتا سکتے ہیں کہ وہ کتنی پرانی ہے کسی قسم کے طرز زندگی کے حامل لوگوں سے تعلق رکھتی ہے لیکن وہ یہ نہیں بتا سکتے کہ اس دور میں کسی قسم کے حالات و واقعات درپیش رہے پھر آپ آج سے دو سو سال پہلے پیش آنے والے واقعات کے بارے میں کس طرح حتمی طور پر کچھ کہہ سکتے ہیں میرے سوال کے جواب میں پروفیسر سعید نے خاموشی اختیار کر لی انہوں نے آنکھوں سے چشمہ اتار کر سامنے مہبل پر رکھا کچھ دیر بعد ہی سر جھکائے بیٹھے رہے نہانے کس سوچ میں گم رہے میں اور سائرہ پوری طرح پروفیسر سعید کی جانب متوجہ تھیں دونوں ہی کے ذہن ایک نقطے پر مرکوز تھے اوپھر جب پروفیسر سعید رانا نے سر اٹھا کر ہماری جانب دیکھا تو وہ دونوں کے حلق سے ایک ساتھ ہنسی ہنسی جیٹیں بلند ہوئی گئیں قدرے فاصلے پر

ہونے کے باوجود ہم دونوں نے ہی دیکھ لیا تھا پروفیسر سعید رانا کی آنکھیں انکی آنکھیں نہیں تھیں۔ مورتی کی آنکھوں کی ساری چمک پروفیسر کی آنکھوں میں درآئی تھی ان کے ہونٹوں پر خوفناک مسکراہٹ ہلورے لے رہی تھی آنکھیں غیر معمولی حد تک پھیلی ہوئی تھیں اور پتلی پر ہلکی نیلے رنگ کی ایک جھلی سی نمودار ہو چکی تھی وہ کاوج پر سے اٹھ کر ہماری جانب بڑھتے جب سورج بارہ بج رہا تھا اور سورج کا دور طے کرنے کے بعد برج حمل کے نقطہ اول میں داخل ہوتا ہے اس وقت دن اور رات برابر ہوتے ہیں اس برج میں آفتاب کو انیس درجہ کا شرف ہوتا ہے اس ساعت میں ایک صدی میں صرف ایک بچہ جنم لیتا ہے آج سے دو سو سال پہلے اس ساعت میں مہبل نے جنم لیا تھا اور اس صدی میں جانتی ہو کون اس ساعت میں ہدم سے وجود میں آئی تم انعم تم پروفیسر سعید کے میری جانب اشارہ کرتے ہوئے عجیب غیر انسانی آواز میں کہا انہیں اپنی جانب بڑھتا ہوا دیکھ کر میں اور سائرہ دونوں ہی گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی تھیں سائرہ کی کیفیت کے تو میں بے خبر تھی لیکن خود میرا ذہن مجھے بار بار وہاں سے بھاگ جانے کو کہہ رہا تھا لیکن یہ نقص میرے ذہن کی سوچ تھی میں خود پر اختیار نہیں رکھتی تھی میرے باقی ذہن سے اٹھنے میں ناکام رہے تھے پورا وجود ہی حرکت کرنے سے انکاری تھا میں چیخا چاہتی تھی لیکن حلق کی جگہ گلے میں کسی چھتی ہوئی خشک لکڑی کا گمان ہو رہا تھا اتنی دیر میں پروفیسر سعید میرے بالکل قریب آ چکے تھے گلے ہی لمحے میرے بال ان کی مضبوط چھٹی کی گرفت میں تھے شدت کرب سے میری آنکھوں میں آنسو تھے۔

سر۔ سر۔ پلیز یہ آپ کیا کر رہے ہیں میں تکلیف کی زیادتی سے کراہتے ہوئے کہا۔ شاید

سائرہ کو بھی ہوش آگیا تھا یکدم تیزی سے ہماری طرف بڑھی اور اس نے آگے بڑھ کر پروفیسر کا بازو مضبوطی سے تھام لیا۔

سعید۔ سعید۔ آپ کیا کر رہے ہیں۔
چھوڑیں اسے۔ وہ مجھے پروفیسر کی گرفت سے چھڑانے کی ناکام سعی کر رہی تھی پروفیسر سعید اس وقت ایک انسان نہیں غریب لگ رہے تھے اور بہک وقت دس افراد کے لیے تن تنہا کافی تھے پھر ان کے سامنے ہم کیا جوڑ رکھتی تھیں لیکن سائرہ نے کوشش ترک نہیں کی کچھ دیر تک تو پروفیسر نے اسے درخور اعتنا نہیں جانا لیکن جب سائرہ مجھے ان کی گرفت سے آزاد کرانے کی کوشش میں لگی رہی تو انہوں نے ایک جھٹکے سے اسے پرے دھکیلا وہ کسی گر پانی یا تندہی سے دور جاگری اور شاید ہوش و خورش سے بیگانہ ہو چکی تھی پروفیسر نے ایک جھٹکے سے میرا چہرہ اوپر اٹھایا اب خدا کی قسم ان کی آنکھیں ہزاروں دولت کے بلب کی طرح چل رہی تھیں انتہائی قریب سے ان کا چہرہ دیکھ کر میں جھرمجھری لے کر رہ گئی انہوں نے ایک ہاتھ سے میرے چہرے کو پھینک دیا اور جھٹک کر میرے ہونٹوں کو چھونے کی کوشش کرنے لگے میں نے ہاتھ سے ان کا چہرہ پیچھے کرنے کی کوشش کی میں نے ہاتھ پاف سے لیکن بے سود رہی پوری طاقت سے صرف ترنچ کے باوجود میں ان کو ایک اچ بھی پیچھے نہ بنا سکی پروفیسر سعید کسی ٹھینے کی طرح ڈکرانے لگے ان کی ایک ایک جنبش سے ایک عجیب طرح کا اضطراب جھٹک رہا تھا یوں جیسے کوئی انتہائی مشکل لیکن ضروری کام نمٹانا چاہتے ہو لیکن اس میں تاخیر ہو رہی ہو۔ جس قدر خود کو چھڑانے کی کوشش کر لی وہ اسی قدر غصہ میں آ جاتے ان کے منہ سے نکت بننے لگا تھا پورے وجود پر شہنی کیفیت طاری تھی انہوں نے ایک بار پھر تلی سے

میرا منہ کھول کر اپنے ہونٹ میرے ہونٹوں پر رکھنے کی کوشش کی یوں لگتا تھا جیسے وہ اپنے منہ سے کوئی چیز میرے غلق کے ذریعے میرے وجود میں داخل کرنا چاہتے تھے میں مستقل اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اب میری مزاحمت بھی دم توڑتی جا رہی تھی میں ان کی جسمانی طاقت سے مغلوب ہوئی جا رہی تھی۔

میں ابدی زندگی پانا چاہتی تھی اس لیے مجھے تمہاری وجود کی ضرورت ہے پورے دو سو سال کے بعد آج آزادی ملی ہے۔ ایک بھٹی ہوئی رحمت آواز پر پروفیسر سعید کے غلق سے برآمد ہوئی میں نے انہیں اپنی پوری طاقت صرف کر کے خود سے الگ کرنا چاہا لیکن ناکام رہی میری کوششیں پروفیسر سعید کو سخت لگاؤ اور گڑبڑ تھیں مجھے بے بس کرنے کے لیے انہوں نے میرا سر دائیں جانب دیوار سے ٹکرا دیا میرا دماغ بھٹکا کر رہ گیا آنکھوں کے آگے کوئٹے سے لپک کر معدوم ہو گئے لیکن میں نے پھر بھی ہمت نہیں ہاری میرے لیے سب سے زیادہ اہمیت ان چند لمحات کی تھی جن میں میری آنکھیں آمد و رفت کا فیض ادا کر رہی تھیں انہیں چند لمحات میں کچھ کر سکتی تھی سو میں نے اپنے ذہن کو صرف ایک نقطے پر مرکوز کر لیا مجھے ہر حالت میں پروفیسر سعید سے خود کو چھڑانا ہے اپنی جان بچانی ہے میں نے اپنے دونوں ہاتھ ان کے سینے پر رکھ کر اپنی پوری طاقت سے انہیں پیچھے کی طرف دھکیلا اور اس بار شاید اگلی گرفت قدرے ذہیلی تھی کہ میں ایک جھٹکے سے ان سے الگ ہو گئی اور اپنی ہی جھونک میں پیچھے کی طرف رکھے میز پر پشت کے بل جاگری میرے جسم سے ٹکرا کر میز پر رکھی ہوئی موڑنی نیچے زمین پر جاگری پروفیسر سعید جو نہایت خونخوار انداز میں میری جانب بڑھ رہے تھے یکدم رک گئے ان کے چہرے پر شدید ترسب کے آثار

تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا۔ جو کچھ آئینہ دیکھ چلی تھیں مہبل کی بدروح نے پروفیسر صاحب کے وجود پر قبضہ جما کر اپنے ناپاک ارادوں کی تکمیل چاہی تھی وہ اپنی اس کوشش کو ناکام رہی لیکن اس نے پروفیسر سے اپنی آزادی کا خراج ضرور وصول کر لیا تھا بے چارے پروفیسر سعید ایک بدروح کا نشانہ بن گئے تھے۔

قارئین کرام کسی گلی میری کہانی اپنی رائے سے مجھے ضرور نوازے گا۔ مجھے آپ کی رائے کا منتظر رہے گا۔

دل سوچ کا غم ہے اک بار ہی کھلا ہے
دل پیار کا ہوا ہے اک بار ہی ملا ہے
دل یاد کا بدل ہے اتنا برستا ہے
دل پیار کا بھوکا ہے اوتار کو ترستا ہے
دل سوچ کا دریا ہے سینے سے ٹھٹھا ہے
دل برف کا تورا ہے ہمتا نہ ٹھٹھا ہے
دل سب کا سوتی ہے نظروں میں چٹکا ہے
دل پیار کا دریا ہے بے تاب سا بہتا ہے
دل غم کا تلا ہے بے بھی سا رہتا ہے

سید تصور شاہ۔ توبہ ٹیک سنگھ
اور اس شاموں میں مست کر رہا تھا بھول جاتا ہے
کر کے خفا بھگت کو وہ سنا بھول جاتا ہے
انہی آوازوں سے اس کی گھٹے بدنام کر ڈالا ہے
وہ لکھ کر نام دیواروں پر پھر مٹاتا بھول جاتا ہے
مست پوچھ محبت میں لاپرواہی ہی کے لیے کرتا ہوں
ختم وہ مرہم لگانا بھول جاتا ہے
تو اچھپ نظر ہے اس کی نیا دوں کا
وہ بے بھی یاد آتا ہے زمانہ بھول جاتا ہے
(ملک محمد وسیم طاہر دھکو ساہیواں)

موجود تھے میری نظر ان کے پاؤں پر جا پڑی جسے وہ
جلکے جلکے جھٹک رہے تھے اور اگلے ہی لمحے میں نے
ایک غیر یقینی منظر دیکھا ان کا پاؤں ایک جسم سے
الگ ہو کر نیچے جا گرا تھا بالکل ایسے جیسے وہ اس کے
وجود کا حصہ ہی ہو پھر موم کی طرح پھسل کر ایک
ملغوعے کی شکل اختیار کر گیا۔ وہ گیا گیا تم نے بہت
برا کیا بہت ہی برا کیا پروفیسر لڑا کھڑا تے ہوئے
میری طرف بڑھے لیکن اب ان کا دوسرا پاؤں بھی
ان کے جسم سے الگ ہو چکا تھا اور وہ بھی گل سر
جیسے ہی شکل اختیار کرنا جا رہا تھا۔ بن پاؤں کے
پروفیسر کے لیے اپنے وجود کو توازن میں رکھنا
ناممکن ہو گیا تھا انتخابی بلند آواز کے ساتھ وہ زمین
پوں ہو گئے ان کے حلق سے کربہ جھنیں بلند ہو رہی
تھیں یوں جیسے نئی بدروحیں جن کر رہی ہوں ان کا
وجود ہی رہا تھا یوں جیسے کچھ کا جنازا ان کا بے حد
قریب وہ غمگین مورٹی پڑی تھی جسے اسرار تھا
مورٹی کے وجود سے ایک پاؤں غائب تھا اس کی
جلد زمین پر کالے رنگ کا سیال پڑا تھا اس کا ایک
جواں شہب ہو چکا تھا اور پورے وجود پر درازوں
پڑ رہی تھیں اپنی دگرگوں حالت بھول کر بھی
مورٹی کو اس کے پروفیسر سعید کو دیکھے جا رہی تھی
مورٹی کا سارا جسم یوں جھنجھٹ کر رہا تھا جیسے
نواز امید سے ہاتھ پاؤں چلاتے ہیں لیکن اس
کے حلق سے بھی وہی آواز برآمد ہو رہی تھیں
جیسی پروفیسر کے حلق سے آہستہ آہستہ پروفیسر کا
جسم ٹکڑے ٹکڑے گوشت اور خون کے ملغوعے کی شکل
اختیار کر رہا تھا اور مورٹی کا وجود گاڑے سیاہ سیال
کی صورت اختیار کر رہا تھا ہی ویر بعد وہاں سے
نہیں تھا محض ایک گڑھا ملغوعہ تھا جو قارئین پر پھر
ہوا تھا میں نے ایک نظر سے موتی پڑی سا کردہ پر ڈالی
اور تیزی سے اسلندی روم سے نکل کر کوریڈور سے
بہوتی ہوئی مین روڈ پر آئی زمین کسی طور پر یہ سب

بازی گر

۔۔۔ تحریر: وارث آصف خان نیازی۔ واں پتھر اس۔ قسط نمبر ۱

مجھے ایک چٹ سنائی دی اور تیزی سے کوئی وجود میرے اوپر گرا وہ وجود اتنا زور سے میرے اوپر گرا کہ میں اس میں دب کر رہ گیا۔ وہ وجود تیزی سے اٹھا تو میں نے گھوم کر دیکھا وہ جلائی بابا ہی تھے اور اس وقت ان کا چہرہ مارے خوف کے تندور بن چکا تھا میں نے سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا تو انہوں نے مسناتے ہوئے مجھے دیکھا اور تیزی سے اٹھ کر کمرے سے بھاگ کھڑے ہوئے میں نے حیرانگی سے انکو بھاگتا ہوا دیکھا تو میں تیزی سے اٹھا اور بیڈروم کی طرف آ کر اندر کا درخت ناک منظر دیکھ کر میری روح فنا ہو گئی میرے سامنے کمرے کا انتہائی خوشنوا اور لڑکتے آمیز منظر تھا کمرے میں ہر طرف خون ہی خون تھا ایک طرف کٹے پھٹے جانور کا مرکب پڑا ہوا تھا ان میں سے کچھ اجزا کتے کے تھے کیونکہ اس کی تھوٹھنی برابر پڑی تھی کمرے میں پانچ چھ چکاڑیں بھی سٹری ہوئی تھیں وہ حالت میں پڑی تھیں ان کے جسم کسی نوکدار چیز سے چیرے ہوئے تھے اور اسنے بھیانک انداز میں کہانگی آتیں تک کنی ہوئی تھیں یہ منظر اس قدر درشت ناک اور خوفناک تھا کہ میں کانپ کر رہ گیا اور حائل کمرے میں دھواں سا بھر نے لگا اسنے میں میری نگاہیں کے کٹے ہوئے سر کی جانب پڑی تو مجھے گمان ہوا کہ جیسے بلی کی اکلاتی آنکھ جھپکی ہو اکلاتی اس لیے کہ دوسری آنکھ کی جگہ خالی گڑھا سا موجود تھا۔ پھر اچانک ہوا کا منظر ابھرا اسے دیکھ کر میری رگوں میں دوڑتا ہوا بے مدد کی دھڑکن مدھم اور دل سینے کا حصا توڑ کر رہ گیا۔ اختیار کرنا ہوا محسوس ہوا کیونکہ میرے سامنے جو مردہ جانوروں کے اعضا بکھرے پڑے تھے وہ ایک دم سے جیسے زندہ ہو گئے اور حرکت کرنے لگے مردہ چمکانے میں جن کا سر ایک طرف بدھیمی کی داستان رقم کر رہا تھا اور آتیں دوسری طرف بے بسی کا رونا رورہی تھیں اک دم سے اڑیں اور کمرے کے چکر کاٹنے لگیں بلی کی باہر نکلی ہوئی زبان جیسے کسی نے نہایت مہارت سے درمیان میں سے کاٹ کر دو شاخہ بنا دیا بابا اس خانہ کی زبان کی طرح وہ تیزی سے اندر باہر ہونے لگا یہ دیکھ کر میرے پاس اس کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں تھا کہ میں جلائی بابا کی طرح اپنے مخصوص جلائی میں آ کر یہاں سے نو دھواں رہا ہو جاؤں۔ تب مجھے یہ روح فرسا اظہار ہوا کہ قدموں نے دماغ کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا ہے اچانک میرے پاس موجود کالے رنگ کے کتے کی کھوپڑی جانے کیسے زندہ ہوئی اور میرے قدموں سے چمت گئی جیسے بے انتہا کر رہی ہو کہ خان صاحب ہمیں اکیلا چھوڑ کر کہاں چل دے کھوپڑی کیو چمٹا ہوا دیکھ کر خوف واذیت کے احساس نے گویا میرے اوسان پر بھگی گراوی میں نے تیزی سے اس کھوپڑی کو جھٹکا اور اتنی تیزی سے جھٹکا کہ جلائی بابا کے آستانہ جلائی پر جا کر ہی دم لیا سانس دھونکی کی طرح چل رہا تھا۔ ایک سنسنی خیز کہانی۔

آج آجے آجے یاں آدیاں لایاں میں۔ اچانک دروازے پر دستک ہوئی تو میں نے نہایت آہستگی آواز میں اپنا فیورٹ گانا سنتے ہوئے غصہ سے دروازے کی طرف دیکھا اپنا فیورٹ گانا



سننے ہوئے مجھے اس وقت کسی کی آمد نہایت ناگوار گزری تھی چند لمحے تک تو میں تذبذب کے عالم میں دروازے کی طرف دیکھتا رہا پھر جب دوسری دفعہ دستک ہوئی تو چار دنا چار مجھے اٹھنا پڑا اٹھ کر دروازے کے اندر پہنچے ہوئے سوراخ سے باہر جھانکا تو دروازے کے دوسری طرف کھڑے اس انسان کو دیکھ کر میرے ہوش اڑ گئے وہ حکیم صاحب تھے جو اپنا لمبو تراچرہ لیے حاضر خدمت تھے میں نے کمرے میں نظر دوڑائی اور بھاگنے کا کوئی ذریعہ تلاش کیا مگر بند کمرے سے میں کیسے بھاگ سکتا تھا بھاگنے کے لیے دروازہ ہی تھا جس میں حکیم صاحب خود موجود تھے میں اسی گفتگو میں تھا کہ دروازہ کھولوں کہ نہیں کہ اچانک تیسری بار مسلسل بل بھی تو مجبوراً مجھے دروازہ کھولنا پڑا مگر ساتھ ہی بظاہر چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ سجائے ہوئے دل سے دروازہ کھولا اور حکیم صاحب کو اندر آنے کا اشارہ کیا کیونکہ اس کے علاوہ میرے پاس کوئی راستہ بھی تو نہ تھا۔

حکیم صاحب میرے مالک مکان ہو چکے اور وہ بھی اپنے پورے حقوق کا استعمال کرنا اچھی طرح جانتے تھے پہلے میں اکثر یہ سوچتا تھا کہ اسے خدا تو نے یہ کرایہ بھاری یا مظلوم قوم بنائی ہے جو بے چارے ایک تو غریبوں کے مکان رو کر منت میں دیکھ بھال کرتی ہے بلکہ اپنی جیب سے کرایہ الگ ادا کرتی ہے اور گر کہیں بھی مالک مکان نظر آجائے تو خود بخود جھک جاتی ہے اس کے علاوہ اگر مالک مکان ساتھ رہتا ہے تو اس کے لئے سیدھے مطالبات الگ سے پورے کر دیتے میوزک نہ سنو شور مت کر دینی وی کم آواز میں لگاؤ اور اوپر سے اگر بچے گھر میں آجائیں تو اپنی سے کہو کہ وہ اچھل کود نہ کریں غرض کرایہ دار کا یہ مشکل میں رہتا ہے ایک دن کرایہ کیا لیت ہوا مالک مکان کی دھمکیاں الگ سننا پڑتی ہیں کہ مکان خالی کروالوں کا تجھے تم جیسے دو نکلے کے لئے کرایہ دار مجھے

نہیں ضرورت اور اگر کوئی بھگتا ہو جائے تو مجھے والے بھی قصور ہو تب بھی مالک مکان کا ہی ساتھ دیتے ہیں اکثر کرایہ دار اپنے سابقہ کرائے کے گھر سے ٹھنڈی آہیں بھر کر گزرتے ہیں کہ بھی ہم میں تم میں تم ہا تھا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو۔ اور جب حکیم صاحب نے کرائے میں اضافے کی بات کر دی تو میں بھڑک اٹھا اور کہہ دیا۔

ابھی دو ماہ پہلے ہی تو آپ نے پورے پانچ سو روپے ماہوار کا اضافہ کیا تھا اور اب جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی نہیں ہوئے اور آپ پھر سے کرایہ بڑھا رہے ہیں یہ بات سن کر حکیم صاحب بولے۔

وہ کیا ہے مار خور وار کہ مہنگائی کافی بڑھ گئی ہے اور پورے مہینوں سکولز میں بچوں کو داخل کر رکھا ہے کیونکہ گورنمنٹ اسکولز میں بچوں کو داخل کرنے کا مطلب بھیم بکریوں کے بازے میں اولاد کو نکالنا ہونے کے لیے چھوڑنا ہے اور بھی کافی شادی مرنا ہو جاتا ہے تو بھلا تم بتاؤ میں کیا کروں ہاں کتنا خرچہ ہو جاتا ہے اس لیے اگر میں نے کرائے میں اضافہ کی بات کر دی تو کون سی قیامت آگئی تم سوچ لو بڑا خودار مجھے کرایہ دار بہت اور تمہیں۔۔۔

مکان بہت۔۔۔ میں نے جملہ پورا کیا کیونکہ میں نے جملہ بارہا سن چکا تھا پھر حکیم صاحب کی حیرت کی دستانہ رانی جب میں نے واقعی کہہ دیا ٹھیک ہے میں پہلی کو یہ سرہ نکالی کر دوں گا۔ خیر حکیم صاحب تو اپنے مطلب چلے گئے اور میں سوچ میں پڑ گیا کہ اب کہہ کر جاؤں گا اور اتنی آسانی سے مکان بھی نہیں ملے گا جہاں میں یکسوئی سے کام کر سکوں کیونکہ ایک تو میں مصروف تھا اور ایک مصروف کے لیے تنہائی کافی ضروری کیونکہ مصروف ہو یا رات ہی موٹی جب تک نہ خوشی کی کارفرمائی میں اثر پڑتا ہے۔

بحر حال میں اسی وقت اپنے دوست کی طرف روانہ ہو گیا کیونکہ اس بھری دینا میں میرا دوست

عبداللہ ہی میرا واحد سہارا تھا میرے والدین بچپن میں ہی فوت ہو گئے تھے اک بوڑھی ہی غیر عورت نے مجھ پر ترس کھا کر مجھے آسرا دیا پالا پوسا اور بڑھایا لکھایا کچھ عرصہ پہلے وہ بھی مجھے چھوڑ کر جا چکی تھی میرا پنا کوئی گھر نہ تھا جدھر میں رہتا بس ساری زندگی درد رکھتی ٹھوکریں کھاتی تھیں ایسے میں مجھے عبداللہ ملا عبداللہ کا والد زندہ نہیں تھا ایک ماں تھی اس کی اور وہ اسی کے ساتھ زندگی کے دن گزار رہا تھا وہ اور میں ایک ہی شہر میں رہتے تھے اس نے مجھ سے بہت کہا کہ ہمارے گھر شفت ہو جاؤ اس کی ماں نے تو لاکھ ترلے کئے تھے مگر میں کسی پر بوجھ نہیں بننا چاہتا تھا اور سب سے بڑا مسئلہ میری مصوری تھی جس کے لیے میرا اکیلا ہی رہنا مناسب تھا سو عبداللہ اور اس کی ماں نے میری عادت کو دیکھ کر چپ سا دھ لی البتہ وہ ہفتے میں ایک آدھ دفعہ لازمی کھانا میرے لیے بچھواتے تھے یا میری دعوت کرتے تھے اور میں ان کے گھر جا کر کھا لیتا تھا میں عبداللہ کی طرف گیا وہ اپنے مکان میں ہی تھا مختصر سے الفاظ میں میں نے اسے تمام کہانی بتائی اور اس کے گز ارش کی کہ وہ مجھے کوئی نیا مکان ملے کر دے اس نے نیا مکان ملے کر دینے کی بجائے مجھے اپنے ہی گھر میں رہنے کا مشورہ دے دیا میں نے اسے پھرتی سے منع کیا مگر وہ نہ مانا اور بڑا اصرار کرنے لگا کہ میں بھی اپنی دھن کا پکا تھا سو میں نہ مانا بحر حال وہ مجبور ہو کر میرے ساتھ چل دیا اور شام ڈھلنے تک اس نے کئی مکان مجھے دکھائی مگر کہیں کرایہ زیادہ اور بڑا مکان نہ ملتا اور کرایہ مناسب مگر ارد گرد شور جو کہ میرے کام میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی اور اس شور و غل میں کوئی بھی دماغی کام ہونا ناممکن تھا پھر ایک مکان مجھے عبداللہ نے دکھایا غالباً اس نے سوچا تھا کہ آریان احسن خان اس کے دروازے سے ہی لوٹ جائے گا مگر جب میں مکان دیکھا تو خوشی سے پاگل ہو گیا اس قدر دیران اور اجاز مکان میں نے زندگی میں نہیں دیکھا تھا

میں نے خوشی کے عالم میں مالک مکان کو دو ماہ کا کرایہ ایڈوانس ادا کر دیا۔ جسے دیکھ کر وہ مالک مکان بھی خوشی سے پھولے نہ سہایا شاید اسے توقع نہ تھی کہ اس دیران مکان کو میں پسند کر کے دو ماہ کا کرایہ دوں گا میں کافی کوشش ہو رہا تھا کہ وہ کیا جگہ ملی ہے جبکہ مالک مکان پیسے جیب میں رکھتے ہوئے جیسے زیر لب دلی دلی مسکراہٹ لیے سوچ رہا تھا کہ کئی نہیں غالب احمقوں کی اس دنیا میں ایک ڈھونڈ و ہزار ملیں گے۔ اور اگلے ہفتے میں حکیم صاحب کو پرانا کرایہ ادا کر کے نئے مکان میں شفٹ ہو گیا اس مکان میں کل پانچ کمرے تھے جن میں سے دو میں تو تالے لگے ہوئے تھے جبکہ ایک کمرہ دوسرے کمروں کی نسبت لمبا تھا اس میں میں نے سامان رکھ دیا باقی سیدھے ہاتھ والے کمرے کو ڈرائنگ روم کے طور پر سیٹ کر دیا اور جو باقی بچا اسے میں نے بیڈ روم بنالیا بیڈ روم میں کیا سجانا تھا ایک پلنگ اور ایک الماری باقی میرا کیسٹس اور مصوری کا سامان تھا بس اب جو میں نے سیٹنگ کی تو خیال آیا کہ اس اجاز مکان کی کافی عرصہ سے صفائی نہیں ہوئی ہے لہذا مجھے صفائی بھی کرنا چاہیے لہذا ایک خوشگٹے ہونے کی وجہ سے آدی آدھا ہو جاتا ہے اور پھر اوپر سے میزری اکیلی جان پھر اس کمرے میں دھول وغیرہ بوند جانے کتنے عرصہ سے صفائی نہ ہونے کی وجہ سے رنج بین گئی تھی اور قدر زیادہ تھی کہ سامان لینا بھی دشوار میں نے کھڑکی کھولی تو یک لخت بدبو کا ایک جھونکا میری ناک سے نکل آیا تو میں نے کھڑکی بند کرنے میں ہی عافیت سمجھی مگر اچانک ہوا اتنی تیز ہو گئی کہ کھڑکی کے دونوں پٹ آپ ہی آپ ادھر سے ادھر ہلنے لگے میں ڈر کر پیچھے ہٹ گیا تو کھڑکی کے سامنے موجود بارش اس وقت چلچل اور ہی منظر پیش کر رہا تھا اس میں موجود درخت ہوا کی زیادتی سے جھوم سے رہے تھے اور لٹخا میں سائیں سائیں کر پر زور آواز تھی اچانک بجلی بھی تھوڑے تھوڑے وقفے بعد چمکنے لگی

اور ان کو آسانی سے مار دیا کرتا تھا ورنہ اس سے پہلے تو سانپ کو دیکھ کر میری روح فنا ہو جایا کرتی تھی بحر حال اس تالاب اور باغ اور ساتھ میں اپنے ویران مکان کو دیکھ کر مجھے واقعی میں ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے یہ سب اسی کہانی کا ہی جیتا جاگتا کوئی عملی نمونہ ہے اور اچانک ہی مجھے لگا کہ جیسے ابھی اس تالاب میں سے وہی ناگن نکلے گی اور مجھے گھیر کر اس تالاب میں لے جائے گی اور پھر میری لاش بھی گم ہو جائے گی ایسا خیال آتے ہی میرے بدن نے مارے ڈر کے جھرجھری لی اور میں نے تیزی سے سر جھٹکا میں نے دھیان بنا کر تالاب اور باغ کے مناظر کو لگا کر دیکھا تو مجھے احساس ہوا کہ یہ سب کافی دل فریب ہے مگر زیادہ مزہب تھا جب باغ اپنی اصل حالت میں ہوتا تب مگر اب ادھر ویرانی تھی اور بس جو درخت تھے وہ بھی مرجھائے ہوئے تھے اور اپنے آپ پر ماتم کرتے ہوئے شہر فوشاں جیسا منظر دکھاتے تھے جو یقیناً دل ہلا دینے والا تھا ہر طرف خشک تھے تھے ان درختوں میں ایک جھولا بھی تھا جو اپنی اصل رنگت کھو چکا تھا اور ساتھ ہی تھوڑا میڑھا بھی ہو گیا تھا اور میں ابھی اس جھولے میں گمن تھا کہ اچانک دوسری طرف نظر پڑتے ہی میں نے ایک نئے دیکھی تو میں گرتے گرتے وہاں ایک قبر تھی جو بڑا بھیا تک منظر پیش کر رہی تھی میں مارے خوف کے اس قبر کو دیکھنے لگا میرے دہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ میں جس گھر میں مجھے رہنا ہے وہاں خاموشی کی علامت قبر بھی ہوگی قبر دیکھ کر میں واقعی ڈر گیا تھا میری ساری خوشی کا نور ہو گیا تھی اس دریا گھر میں اک قبر کی موجودگی کافی خوفناک اور دہشت ناک تھی قبر کی موجودگی نے میرے دل کو حزن زد کر دینے تھے مگر مسئلہ یہ تھا کہ اس طرح کا گھر مجھے پھر کیسے نہ ملتا میں اسی سوچ میں تالاب کے کنارے بیٹھ کر سوچوں کے سمندر میں غوطہ زن ہو گیا آخر خشک آکر میں نے فیصلہ کیا کہ قبر ہے تو کیا ہوا

اور پھر موسلا دھار بارش شروع ہو گئی یہ سب کچھ میرے لیے اچانک اور حیران کن تھا کہ اچانک ہی ہوا چلی اور اچانک ہی بارش اور پھر اس بارش میں دور کہیں کسی درخت پر بیٹھے الو کی منخوس آواز میرے کانوں سے نکل رہی تھی میرا جسم جیسے کانپ گیا اور مجھے خوف سے جھرجھری سی آئی انجانے خوف کے اس احساس کے ساتھ میں گھر کی سے ہٹ گیا اور ڈرتے ڈرتے خود کو نیند کے حوالے کر دیا پھر جب اگلی صبح آئی تو پچھلی رات کے سارے فسانے کہیں روپوش ہو چکے تھے سویرے جب میں اٹھا تو رات کی ساری ہولناکی کو فراموش کر چکا تھا اور کمر باندھ کر میں گھر کی صفائی میں جت گیا تمام کمروں کی جان لیوا صفائی کے بعد میں اس باغ کی حالت زیادہ دیکھنے میں لگن ہو گیا کہ کس طریقے سے اسے میں صحت گردوں وہ باغ ایک تو عدم توجہ اور دوسرا گردش ماہ و سال کے باعث ہر طرف بے تربیتی اور ایسی ویرانی سی تھی کہ آدمی دن میں ڈر جائے درخت آپس میں گڈنڈے سے ہونکے تھے جگہ جگہ سوکھے پتوں کے ڈھیر جمع تھے جو ہوا کے دوش پر ایک مخصوص سی آواز پیدا کئے ادھر ادھر اڑے جا رہے تھے اور جب بھی کبھی کوئی پتہ میرے قدموں تلے آتا تب پراسرار سی جڑا ہٹ کی آواز سنائی دیتی جو رات تو رات نہیں کسی شخص لوگوں کے لیے باعث کوف ہے باغ کے ساتھ ایک تالاب بھی تھا جو باغ کے عین وسط میں تھا اس تالاب کو دیکھ کر مجھے اک کہانی یاد آ گئی جس میں ایک ناگن رہا کرتی تھی اور وہ جیسے مارنا چاہتی تھی اسے گھیر کر اس تالاب میں لے آتی اور پھر اسے مار ڈالتی شاید خون آشام ناگن نام تھا اس کہانی کا کہانی تو اچھی تھی مگر اس میں بے جا کردار تھے جو رنگ میں بھنگ ڈالتے رہے اس کہانی میں ایک اور سانپ بھی تھا جس کا نام ناگ راج تھا وہ کردار مجھے بے حد پسند آیا تھا اس انسان دوست ناگ راج کی وجہ سے ہی میں نے ساینوں سے ڈرنا چھوڑ دیا تھا

پر کبھی تک نہ نکلے دیتے تھے جن کا مشغلہ لوگوں کو زندہ جلا دینا جو کے شیروں کے آگے چھوڑ دینا لوگوں کی کھوپڑیوں سے مینار بنانا وہ سب کہاں چلے گئے کہاں گئی انکی دہشت کہاں گیا ان کا اقتدار سب وقت کے ساتھ مٹی میں مل گیا۔

بحر حال میں شام تک اپنے سارے کام نشتا چکا تھا اور اب میرا سونے کا ارادہ تھا کیونکہ میں دن کو میں کافی مصروف رہا اور آنے والی صبح میں نے رانا صاحب کی تصویر کو فائل بنج دینا تھا سونے سے پہلے میں نے ڈیک پر اپنا فیوٹ گانا بروکن انٹیل سنا اور پھر سو گیا۔ جانے پھر کیا ہوا کہ اورات کا کون سا نام تھا مجھے یاد نہیں ہے میں اس رات کسی کے پیچھے پیچھے چلا جا رہا تھا وہ کون تھا کیا تھا مجھے نہیں علم لیکن میں پھر بھی اس کے پیچھے چلا جا رہا تھا دہجو بھی تھا سفید چادر میں ملبوس ایک عورت ذات بھی جو درمیانے قد کی مالک اور درمیانے جسم کی مالک بھی عمروہ اسی کفن نما لباس میں شکستہ قدموں سے کیوں چل رہی تھی یہ مجھے نہیں معلوم تھا مگر میں نے اس کا تعاقب جاری رکھا ایک دفعہ تو میری جان ہی نکل گئی جب اس پر اسرار کفن پوش عورت نے میری جانب مڑ کر دیکھا مگر میں اسی وقت پر چاند بادلوں کی اوٹ میں چلا گیا اور اسی وجہ سے میں یہ نہ دیکھ پایا کہ وہ ہزندہ یا مردہ کون ہے پھر وہ اسی طرح آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے بڑھنے لگی تو میں بھی کانپنے لگا تو دنگا گاتے قدم اور ڈھرتے دل کے ساتھ جو خوف کی رانہائی کے باعث سینے کی قید سے کسی آزاد چھٹی کی طرح قرار ہونا چاہتا تھا اور اس عورت کے پیچھے چلنے لگا لیکن یہ دیکھ کر حیران ہوئے بنا نہ رہ سکا یہ سڑک تو جانی پہنچانی ہے نور کیا تو مجھے یاد آیا کہ یہ سڑک تو دہی ہے جہاں آج کل میں رہ رہا ہوں پھر میں میرے مکان کے آگے وہ سفید وجود رک گیا اس نے ہوئے ہوئے اپنا دایاں ہاتھ بلند کیا تو دروازہ تیزی سے کھل گیا حالانکہ مجھے یاد تھا کہ میں نے اسے

میں روزانہ اس پر حاضری دیا کروں گا فاتحہ پڑھا کروں گا اور پھر ایک مردہ انسان سے بھلا مجھے کیا تکلیف ہو سکتی تھی میں نے قبر کا معائنہ کرنے کا سوچا اور اٹھ کر قبر کے پاس آیا قبر کا کتبہ کافی صاف تھا اور اس پر پھول بھی پرے تھے اگر بیٹوں کی مہک سے فضا معطر ہو رہی تھی پورے ماحول پر ایک نامانوس سی اور اسی چھائی ہوئی مٹی میں نے قریب جا کر کتبہ پڑھا یہ کسی لڑکی کی قبر تھی جس کا نام عالیہ تھا اور اس کی عمر چوبیس سال تھی جیسے وہ فوت ہوئی میں نے عالیہ کی قبر کو صاف کیا تو اچانکی مٹی پر تازہ پاؤں کے نشانات دیکھ کر میں سہم گیا قبر کی مٹی اور ارد گرد کسی کے ننگے پاؤں چلنے کے نشانات واضح تھے ایسے لگتا تھا کہ جیسے کوئی واقعی میں ادھر موجود تھا مگر کون یہ میرے لیے اچھنے کی بات تھی میں واقعی ڈر گیا تھا اس ویران گھر میں کسی خوفناک کہانی رچ بسا پس منظر اور پھر گھر میں موجود قبر جس پر تازہ قدموں کے نشان کسی بھی انسان کو ڈرانے کے لئے کافی تھے پھر میں نے سوچا کہ شاید یہ پاؤں کے نشانات کسی چوراچکے کے ہوں جو رات کو ادھر آیا ہو اس خیال سے میرا ذرا ہوا ذہن میرے اپنی اصلی حالت میں آنے لگا اور اس سے پہلے کہ مجھ پر مزید کچھ انکشافات ہوتے میں تیزی سے اس ماحول سے کھل کر کمرے میں آ گیا سوچنے لگا کہ یہ جگہ نما مکان میں نے بھی بنایا تھا بڑے ارمانوں سے بنایا تھا مگر افسوس اسے اس گھر میں رہنا نصیب نہیں ہوا تھا وہ شاید ادھر سے نہیں اور چلے گئے ہوں مگر کیوں یہ کیوں بھی بڑا عجیب لفظ ہے ہماری زبان میں کیوں کا جواب بڑے سے بڑا مفکر بھی نہ دے پایا اور اگر وہ جواب دینے میں کامیاب ہو جاتا تو ماضی کے عظیم عالیشان محلات جواب کھنڈر بن چکے ہیں وہ لہو گر مانی حسین لڑکیاں جواب فقط ایک ڈھانچے کی شکل میں باقی بھی ہیں کہ نہیں اور وہ عہد رفتہ کے عظیم اور جلال والے بادشاہ جو بھی اپنی ناک

تالے سے بند کیا تھا وہ انجانی عورت گیٹ سے گزر کر آہستہ آہستہ سے اس پر اسرار باغ میں سے گزر کر اس قبر کی طرف بڑھنے لگا وہ کئی رو بوٹ کی مانند حرکت کر رہی تھی اور پھر وہ عین اس قبر کے پاس جا کر رک گئی اور اس نے مختلط لگا ہوں سے ادھر ادھر دیکھا میں جو اس سے بمشکل سات فٹ کے فاصلہ پر چل رہا تھا اسے ایسا کرتے دیکھ کر تیزی سے ایک درخت کی اوٹ میں ہو گیا خدا جانے اس نے مجھے دیکھا یا نہیں ایک تو رات کا منظر اوپر سے یہ اجڑا باغ اور پھر ایک لاش نما عورت مجھ کو دہشت زدہ کرنے کے لیے کافی تھی میں حیران تھا کہ میں ادھر کیسے آ گیا حالانکہ میں تو سو رہا تھا تو پھر اس باغ میں کیسے آیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ میں باہر کیسے نکلا اور یہ عورت کون تھی جس کا میں تعاقب کر رہا تھا سوچ سوچ کر میرا دماغ بھٹنے لگا خدا جانے کیسے اراڑا تھا اور نبھانے میرے ساتھ یہ سب کیسے ہو گیا میں کدھر آ کے پھنس گیا تھا اچھا بھلا گھر تھا جانے کسی منٹوں نے اسے نظر لگا دی تھی بحال اس پر اسرار کفن پوش عورت نے مجھے نہیں دیکھا پھر اس کے بعد جو منظر میں نے دیکھا وہ اگر کوئی اور دیکھ لیتا تو اسی وقت بے ہوش ہو جاتا میں نبھانے کیسے اس منظر کی تاب لا رہا تھا مگر میرے ہوش اڑ گئے اور اوسان خطا ہو گئے میں نے قبر کو بھینٹے ہوئے درمیان سے شق ہوتے ہوئے دیکھا وہ کفن پوش عورت اس قبر میں اتر گئی۔ اور پھر قبر اسی طرح بند ہوئی شدید سردی کے عالم میں مجھے پسینہ آ گیا اور خوف سے میرا چہرہ چپلا ہو گیا ایسا بھیا تک منظر دل کو دھلا دیتے کے لیے کافی تھا میں نے چند لمحے تک اس خونچکاں منظر کو کھلی نگاہوں سے دیکھا قبر کے قریب آتے ہوئے میری ٹانگیں خوف سے کانپ رہی تھیں دل بھی بلیوں کی مانند اچھل رہا تھا لیکن پھر بھی میں ایک نظر دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ کیا واقعی جو میں نے دیکھا ہے سب سچ ہے یا میری نگاہوں کو دھوکا ہوا ہے جو کچھ

میں دیکھ رہا تھا کیا یہ حقیقت بھی ہے یا صرف میری ذہنی اختراع ہے قبر کے عین اوپر آ کر میں نے غور سے قبر کو دیکھا قبر کی موجودہ حالت بالکل ٹھیک تھی اور شق ہونا تو کجا اک ہار یک لکیر تک نہیں تھی۔ ذرا سا بھی احساس نہیں ہوتا تھا کہ یہ قبر شق ہوئی ہے میں نے اکھیاں مل کر نہایت توجہ سے دوبارہ قبر کو دیکھا مگر قبر جوں کی توں تھی میں حیران رہ گیا اور سوچنے لگا کہ یا خدا یا یہ چکر کیا ہے اسنے اچھے گھر میں یہ باغ اور اوپر سے قبر کی موجودگی جس میں مردہ کبھی داخل ہوتا ہے کبھی باہر نکلتا ہے تو یہ قبر تو نہ ہوتی رینٹ اسے قبر ہوتی اور قبر جس کی ملکیت ہے مجھے بھی وہ کوئی حکیم صاحب کا ہم پلہ لگتا تھا۔ بحال پے در پے خوفناک واقعات نے مجھ جیسے مصور کو سخت اثر دے دی تھی اور ایسے خونچکاں بھونچکاں منظر میں میں دہشت زدہ سا ہو کر قبر کا تفصیلی معائنہ کر چکا تھا مگر کبھی میرا غ نہ ملا کہ آیا وہ کفن پوش عورت اسی میں دفن ہوئی ہے تنگ آ کر میں بیٹھے اسی والا تھا کہ اچانک میں نے پھر ایک اور بھیا تک منظر دیکھا قبر اسی طرح پھر سے شق ہوئی اور اسی میں سے ایک استخوانی ہاتھ نمودار ہوا اور نہایت تیزی سے اس نے میری گردن پکڑ لی مارے خوف کے میرے منہ سے ایک بھیا تک چیخ نکلی جس سے رات کا پرسکون ماحول میں چھایا گہرا سکوت ٹوٹ گیا۔ میں نے فوراً دوبارہ طرف چھٹانگ لگا دی اور استخوانی ہاتھ نے میری گردن پر ڈھیلی کردی مگر دوڑتے دوڑتے میں پانی کے اسی تالاب میں جا گرا اور میں سر زور سے کسی چیز سے جا لکرایا جس سے میری آنکھوں کے آگے تارے ٹاپنے لگے اور ایک دفعہ پھر وہی بھیا تک چیخ میرے منہ سے ادا ہوئی اور میری نگاہوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا آنکھ کھلی تو میں نے خود کو پلنگ سے گرا ہوا پایا۔ مگر شدید سردی کے عالم میں میرا جسم پسینہ پسینہ تھا اور میرا سانس دھونکی کی طرح چل رہا تھا اور میرا پورا وجود

تھوڑی دیر قبل دیکھے گئے خوابیدہ مناظر کی دہشت سے اچھل پھسل ہو رہا تھا چند لمحوں تک تو اسی طرح گرے ہوئے میں نے اپنی سانس درست کی پھر سر کو چپک کر خدا کا شکر تھا کہ میرا سر بالکل ٹھیک تھا کوئی بھی چوٹ نہ لگی تھی پھر میں اٹھا اور کمرے کی کنڈی چپک کی جس سے مجھے اندازہ ہوا کہ میں نے جو کچھ دیکھا تھا وہ صرف خواب تھا۔ یہ سوچ کر دل کو تسلی دی اور میں نے ٹھنڈی سانس لی اور ٹیبل پر پڑا ہوا پانی کا جگ اٹھایا اور اسے ایک ہی سانس میں خالی کر دی پانی پی کر مجھے حوصلہ ہوا کہ رے میں ٹھن سے مجھے محسوس ہوئی اور میں نے کھڑکی کی طرف دیکھا تو مجھے حیرانگی ہوئی کیونکہ وہ بندھی حالانکہ میں اسے کھول کر سوا تھا پھر بند کیسے ہو گئی بحر حال میں وہاں سے اٹھا اور کھڑکی کے دونوں پٹ کھول دیے ٹھنڈی اور تازہ ہوا کے آتے ہی میرا ذہن بھی ٹھلنے لگا اور میں نے لمبی لمبی سانس لینا شروع کر دیں ذہن فریش ہوتے ہی دماغ میں چھالی دہشت بھی نمودار ہو گئی تھی اچانک غیر ارادی طور پر میں نے کھڑکی سے نظر اٹھنے والی بارغ میں موجود قبر کی طرف دیکھا اور میں اچھل چلا سامنے منظر بالکل ایسے تھا اسی قبر کے سر ہانے ایک چراغ روشن تھا جو پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا یہ دیکھ کر خوف اور دہشت نے مجھے ایک بار پھر سے غس کر پکڑ لیا اور میں ٹٹک سا ہو کے دیے کی ٹمٹماتی ہوئی لو کو دیکھنے لگا اپنے کے کھڑے میرے ماتھے پر نمودار ہوئے مجھے اچھی طرح علم ہو گیا کہ اس مکان میں ضرور کچھ ایسا ہے جو عام دنیا کی نگاہوں سے اوجھل ہے اس دیران مکان کی دیرانی میں اسی حالات واقعات کا اثر نمایاں ہے یہاں رہنا مطلب اپنے آپ کو موت کے منہ میں ڈالنا ہے مجھے اس مکان سے جاننا ہی ہو گا ورنہ تو ان بھیا تک مناظر سے دور رہ کر اپنا کام کر سکوں گا اور نہ ہی میں اس میں ٹٹک سکوں گا کیونکہ جو کچھ میرے ساتھ ہوا ہے یہ تو ٹریلر ہے

اور فلم تو شاید ابھی باقی ہے دہشت کی جگہ میرے دماغ میں سوچوں کی یلغار اٹھ آئی اور میں نے تیزی سے کھڑکی بند کی اور جو کچھ سوچیں یاد نہیں سب پڑھ کر خود پر پھونک ماری اور ذہن کے گھوڑوں کو وحشت و ڈر کے راستے سے نکال کر نیند کی دایوں میں دوڑانے لگا پھر صبح کیسے ہوئی مجھے علم نہ تھا۔ چڑیوں کے چچھانے کی آوازوں سے میں ہوش کی دنیا میں واپس آیا میں نے آنکھیں کھول دیں اور خود کو گند مار تک کہا اور کوئی میرا تھا نہیں جسے میں یہ کہتا میں چنا آپ ہی اپنا سب کچھ تھا اس لیے میں اپنے وجود کو ہی گند مار تک کہتا تھا اور وجود سے بالکل کسی دوست کی طرح باتیں کرتا تھا میں تیزی سے اٹھ کر ہاتھ روم بھاگ نہا کر واپس آیا اور ناشتہ تیار کیا جس میں چائے اور پرائیڈ اور ایک انڈیا ملائی جزو تھا ناشتے سے فارغ ہو کر میں فوراً عبداللہ کے کمرے میں روانہ ہو گیا گیٹ سے باہر جاتے وقت میں نے سرسری طور پر قبر کی طرف دیکھا وہاں دیئے کا نام و نچان تک نہ تھا اور پھر میرا ہاتھ غیر ارادی طور پر قبر کی طرف بڑھنے لگا قبر کی طرف آ کر میں نے ایک دفعہ پھر اسے غور سے دیکھا تو چراغ تھا اور نہ ہی قبر کو شق ہونے کا ذرا بھی سراغ البتہ پاؤں کے نشانات واضح تھے میں نے کچھ سوچ کر فاتحہ کے لیے ہاتھ اٹھائے اور فاتحہ پڑھ کر قبر والے کی روح کو بخش دی اور اسے قدموں واپس آتے ہوئے گیٹ سے نکل گیا۔

میرا ارادہ عبداللہ کے پاس جا کر اسے ساری صورت حال سے آگاہ کرنا تھا اور پھر سے نئے مکان کی تلاش میں بد کروانے کا تھا کیونکہ اس گھر میں رات کو جو میرے ساتھ ہوا تھا اس نے میرے ہوش اڑا دیے تھے اور مجھ جیسا تنہائی پسند شخص ان واقعات کا تحمل نہیں ہو سکتا تھا رکشہ سے اتر کر میں نے عبداللہ کے مکان کو دیکھا جس میں لگا ہوا اتال میرا منہ چڑھا رہا تھا وہ شاید کہیں گئے تھے میں خالی قدموں سے

واپس آیا اور ایک طرف مین پارک کی طرف چل دیا
میں ویسے ہی وقت گزاری کرنا چاہتا تھا اس لیے اس
شہر کے سب سے بڑے پارک کی طرف آگلا میرا
ذہن اب بھی گزشتہ رات والے واقعات میں الجھا
ہوا تھا اور عبد اللہ کی غیر موجودگی میں نیا مکان کا
ڈھونڈنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا پارک میں
داخل ہو کر میں ایک خالی بیچ پر جا بیٹھا اور مستقبل کے
بارے میں غور کرنے لگا میرے والے بیچ سے موڑا
دور ایک خالی بیچ تھا جس پر تھوڑی دیر بعد ایک حسین
لڑکی آ بیٹھی وہ بلاشبہ کافی حسین بھی اور لاکھوں میں
ایک بھی لمبے لمبے ہال موٹی آنکھیں پتلی ناک اور
درمیانے ہونٹ اور پتلا اور گداز بدن تھا وہ بلاشبہ ایک
اپسرا تھی میں اسے ٹکڑے ٹکڑے دیکھنے لگا اور اس کے حسین
سراپے میں کھو گیا۔ وہ اس وقت اس کی بھی اور شاید وہ
بھی وقت گزاری کے لیے ادھر آئی تھی وہ بیچ پر بیٹھی
ادھر ادھر نظروں کے زاوے گھمراہی تھی اور جب اس
نے مجھے متواتر اپنی طرف گھورتے دیکھا تو تھوڑی
جھپٹ سی گئی اور منہ دوسری طرف کر لیا ہائے ظالم کیا
کر رہی تھو نے ابے کچھ تو اپنے حسن کی حیرات سے
ہمیں تواڑا ہوتا میں نے دل میں کہا وہ پیچھے مڑ کر بار
بار میری طرف دیکھتی جیسے یہ دیکھ رہی ہو کہ میں اسے
تک رہا ہوں کہ نہیں بد گھم کر مجھے اچھا لگا اور میں اسے
تواڑ سے دیکھنے لگا اس کی آسمانی کپڑوں میں ملبوس وہ
قاتل حسینہ ہاں سے اٹھ کر ایک طرف چل دی وہ ابھی
تو کیا میرا چین بھی ساتھ لے گئی اور خراماں خراماں
انداز میں چلتی ہوئی ایک طرف چل دی۔ میں نے
اسے جانا ہوا دیکھ کر ٹھنڈی آہ بھری اور سوچا جانے وہ
کون خوش نصیب ہوگا جس کی زندگی میں اس حسینہ
کے دم سے بہار آئے گی ہم جیسے دو گئے کے مصور کی
ایسی قسمت کہاں کہ اس حسینہ کی قربت سے خود کو
سرفراز کر سکیں۔ ہم تو بد نصیب لوگ ان خوبصورت
تخلیوں کو دیکھ کر صرف آپس بھر سکتے ہیں دو گھنٹے تک

میں اس حسینہ کے حشر میں ایسا کھویا ہوا تھا کہ مجھے سب
کچھ بھول گیا کہ میں کہاں آیا تھا اور کس مقصد سے
ادھر آیا تھا بات یہ نہیں تھی کہ میں نے لڑکیاں نہیں
دیکھی تھیں مگر اس سے زیادہ حسین لڑکی اس سے پہلے
کبھی نہیں دیکھی تھی وہ بلاشبہ میری مصوری کے لائق
تھی اور اس کے غم۔ نقوش میں نے ذہن کے
خانوں میں فٹ کر لیے تھے۔ اور میں سوچ رہا تھا کہ
آج ہی رانا صاحب کی تصویر کے بعد اس کے حسینہ
کے حسن کو اپنے کنوس کے سانچے میں ڈھالوں گا میں
اسی حسینہ کے سراپے میں مین پارک سے اٹھا اور
عبد اللہ کے گھر آیا مگر وہ ابھی تک بند تھا میں مایوسی کے
عالم میں واپس آیا اور ایک سڑے میگزین لیتا ہوا
واپس مکان میں آ گیا۔۔۔ مکان میں وہی طویل اور
پراسرار خاموشی چھائی تھی میں نے رانا صاحب کی
تصویر کو فائل بیچ دیا اور بدرجہہ کہ رانا صاحب کو بھیج
دی اور پھر اس حسینہ کے سراپے کو کنوس پر بکھیرنے لگا
میں اس تصویر میں اتنا مگن تھا کہ مجھ نام کا اندازہ بھی
نہ ہوا اور کب عصر ہو گئی مجھے علم نہ تھا مگر اسے نام بعد
میں نے تصویر مکمل کر لی تھی بالکل ویسی ہی وہ حسینہ اس
وقت میرے سامنے تھی میں نے تصویر کو اجار کر فریم
لگوانے کی غرض سے ایک شاپ پر آیا اور پھر اسی
تصویر کو فریم کر دیا کے پندرہم میں اونچی جگہ ٹانگ دیا
اس تصویر کے آجانے سے میرے کمرے میں گویا
روشنی آ گئی تھی اور میں ٹکڑے سے دیکھ رہا تھا اور دل کی
پاپاس بچھانے لگا تھا۔ یہ رات میری توقع کے
برخلاف بڑی پرسکون گزری تھی اور میں نے اس تصویر
کے سائے میں رات گزاری تھی قبر پر دیا جلایا نہیں
مجھے علم نہ ہوا اور نہ ہی مجھے کوئی ذراؤ نا خواب آیا صبح
سورے ہی رانا صاحب بذات خود آدھمکے اور شکوے
کے انداز میں بولے۔

خان صاحب یہ آپ نے کس کی تصویر بنادی
ہے مجھے۔

میں نے تصویر دیکھی تو بے ہوش ہوتے ہوتے
 بھا کیونکہ میں نے رانا صاحب کو یہ تصویر ہرگز ارسال
 نہیں کی تھی بلکہ خود اپنے ہاتھوں سے بنا کر پیک کی تھی
 اور انکی تصویر نہ تھی پھر یہ تصویر کیسے آگئی جو اس سے
 بالکل الگ تھی بحر حال میں نے رانا صاحب سے
 معافی مانگی اور ان کی تصویر کل دینے کا وعدہ کر لیا اور وہ
 جب وہ چلے گئے تو میں نے اس تصویر کا تفصیل جائزہ
 لیا میں جتنا سوچتا گیا اتنا ہی میرا ذہن ماؤف ہوتا
 گیا۔ یہ تصویر آخر کیسے میں نے ارسال کر دی حالانکہ
 میں نے تو عقل اور دماغ دنگ تھا کہ معجزہ ہوا بھی تو
 کیسے ہوا تصویر کا منظر ہی بالکل الگ ہو گیا تھا۔ یہ ایک
 سیاگ کی بیج کا منظر تھا جس میں ہر طرف رنگ
 بھرے ہوئے تھے ایک نو جوان لڑکا جس کے ہاتھ
 میں ایک تیز دھار تلوار تھا گھر لڑکی کی پشت سامنے ہونے
 کی وجہ سے اس کا سراپا نمایاں نہ تھا۔ وہ تلوار ایک
 نہایت ہی حسین لڑکی کے سینے سے نکلتا ہوا چادر کو
 داغدار کر رہا تھا اس تصویر کو میں نے کی محنت تک غور
 سے دیکھا مگر کوئی خاص چیز مجھے اس کے علاوہ دکھائی
 نہ دی پھر اکتا کر میں نے تصویر کو رکھ دیا اور سوچنے لگا
 کہ اس تصویر میں کوئی خاص بات لازمی ہے اور تصویر
 بھی خاص اچھوتے انداز میں ایک اچھوتے منظر پر
 بنائی گئی ہے میں دوبارہ اس تصویر میں کھویا تو مجھے ایسا
 لگا کہ جس کمرے میں میں بیٹھا ہوا ہوں یہ کمرہ اور اس
 خونی تصویر کا کمرہ ایک جیسا ہے یہ دیکھ کر میرے
 ہاتھوں کے ٹوٹے انگلیں یہ واقعی میرے بند روم کا
 منظر تھا کیونکہ اس تصویر کے سامنے والی دیوار پر ایک
 گہرا اور کالے رنگ کا نشان نمایاں تھا جو تصویر سے
 ہٹ کر میرے سامنے بند کے اوپر کھڑا میری آنکھوں
 کو خیرہ کر رہا تھا فرق صرف اتنا تھا کہ تصویر ساکت تھی
 مگر کمرہ جیتا جاگتا میرے سامنے تھا پھر اچانک میری
 آنکھوں میں کچھ کچھ منظر ابھرنے لگے اور دماغ ایک
 جگہ فوکس ہونے لگا میں نے سر کو جھکنے کی کوشش کی مگر

میں ایسا نہ کر سکا اور سامنے میری نگاہوں کے کمرے کا
 منظر خود بخود بدلنے لگا بالکل کسی فلم کی طرح تھا
 میں نے کمرے کو بالکل عروسی کمرے کی طرح سجا ہوا
 دیکھا اور پھر میں نے ہنس کمرے میں میاں بیوی کو
 دیکھا میاں اپنی بیوی کا گھونگٹ اتار رہا تھا بیوی کے
 گورے گورے ہاتھ اور سر سرخ رنگ کے عروسی
 جوزے میں نہایت بھلے معلوم ہو رہے تھے مگر اچانک
 نہ جانے دولہا میاں کو کیا ہوا اس نے پلک جھپکتے
 ہوئے کمرے میں ازساخنہ نکالا اور لپک کر دلہن کو گرا کر
 اس کے سینے پر چڑھ گیا اور آن کی آن میں اس نے وہ
 خنجر دلہن کے سینے میں کھونپ دیا یہ سب کچھ اتنا
 اچانک ہوا کہ دلہن جو آنے والے حسین مناظر کے سحر
 میں گم تھی دماغی مزاحمت نہ کر سکی وہ قاتل ہاتھ دوبارہ
 حرکت میں آیا اور اپنے درپے وار کر کے اس نے اپنی
 بیوی کو موت کے گھاٹ اتار دیا اس کا سرخ خون بیڈ
 کی چادر کو سیراب کرتا ہوا نیچے قطرہ قطرہ فرش پر جمع
 ہونے لگا وہ لڑکا اچانک وہ بیڈ سے کودا اور کھڑکی کھول
 کر کمرے سے فرار ہو گیا پھر اچانک مجھے ہوش آ گیا
 اور کسی نے میرے کمرے کے ہونے وجود کو چھوڑ دیا تو
 میں نے خواب کے زیر اثر کمرے کے بیڈ کو دیکھا
 جہاں اب سے چند لمحے پہلے ایک دلہن کی ارمائوں
 بھری لاش پڑی تھی اور اسے گرجناک انداز میں اس کا
 مجازی خدا نے دد دی سے مار کر فہار ہو چکا تھا اب کچھ
 بھی نہ تھا بلکہ کمرہ پھر سے سادہ ہو گیا اور ایسے ہی تھا
 جیسے میں نے اسے سیٹ کیا تھا یہ خوشحالا بھونچکاں
 مناظر نے میرے ہوش اڑا دیئے تھے اور میرا ذہن
 جیسے ماؤف ہونے لگا اور مجھے گتے لگا کہ جیسے پورے کا
 پورا کمرہ گھوم رہا ہے ان بھیا تک لحوں کے مناظر جو
 میں نے ابھی دیکھے تھے جس میں ایک دلہن قتل ہوئی
 تھی میرے سامنے میری نظریں اسے برداشت نہ
 کر سکیں اور میں گر کے بے ہوش ہو گیا ہوش آیا تو
 رات ہو چکی تھی اور نہانے رات کا کون سا پہر تھا میں

فرش پر آراتر چھالینا ہوا تھا ہر طرف گھب اندھیرا تھا شاید بجلی نہ تھی میں اٹھنے ہی والا تھا کہ اچانک مجھے کسی کی کراہ کی آواز سنائی دی تو میرے کان پھر سے کھڑے ہو گئے درد میں ڈولی ہوئی آواز میں وہ کراہ ایک بار پھر میری سماعت سے ٹکرائی تو دل ایک بار پھر اچھل کر کود کی مشق کرنے لگا میرا خون خشک ہونے لگا اور مجھے ایسا لگا کہ جیسے میری ہستی کے علاوہ بھی کوئی اور اس کمرے میں موجود ہے مگر کون کہیں وہی رات والی پر اسرار کفن پوش نہ ہو۔ یہ خیال آتے ہی میں دہشت زدہ ہو گیا اچانک میں نے کمرے میں سفید رنگ کا دھواں سا کہیں سے نمودار ہوتے دیکھا اور وہ دھواں ایک مجسم شکل میں اکٹھا ہونے لگا اور اس شکل کو میں نے غور سے دیکھا تو وہ ایک نسوانی وجود تھا اور اس سے وحشت ناک منظر جو میں نے دیکھا وہ یہ تھا کہ اس نسوانی وجود کے سینے میں بھی خبر دہشت تک پیوست تھا مطلب وہ تصویر والی لڑکی تصویر سے مل کر اس روح کی شکل میں میرے سامنے تھی اور ٹپ ٹپ کی آواز سے کچھ فرش پر گر رہا تھا۔ یہ یقیناً خون ہی ہوگا جو اسی منظر کی طرح اس کے جسم سے نکل کر فرش کو رنگین کر رہا ہے پھر بھانک منظر دیکھ کر میں پھر سے دہشت زدہ ہو گیا خیل میں میں نے لڑکی کو خبر اپنے جسم سے نکال کر اپنے جسم میں پیوست کرتے دیکھا تو ایک بار پھر دہشت سے میری بھانک آواز نکلی اور میں چلا کر اسی طرح بے ہوش ہو گیا بے ہوش سے قبل میں نے اس دھویں والے انسان کو اپنی طرف دھتے دیکھا تھا اور مجھے لگا کہ اب میری آنکھ قبر میں ہی کھلے گی کیونکہ اس وجود کے ارادے مجھے اچھے نہ لگے تھے جب دوبارہ آنکھ کھلی تو میں کسمسا کر آہستہ آہستہ آنکھیں کھول کر اور ہاتھ سے نول کر یہ چیک کرنا چاہا کہ میں زندہ بھی ہوں یا میرا ام نام ست ہو گیا ہے مگر خدا کا شکر تھا کہ میں اسی طرح ازا تر چھا اپنے کمرے میں لیٹا ہوا تھا پھر جب ذرا ہوش ٹھکانے آئے تو مجھے رات

والا منظر یاد آ گیا میں اچھل پڑا مجھے لگا کہ جیسے ابھی وہ دھویں والا وجود پھر سے کہیں سے نمودار ہو گیا ہوگا اور مجھے موت کے گھاٹ اتار دے گا۔ مجھے اس مکان سے خوف آنے لگا مکان کا سایہ مجھے اپنے اندر سمونے لگا میں تیزی سے اٹھا میں تیزی سے اٹھا اور تقریباً دوڑتا ہوا کمرے سے باہر نکل کر گیٹ کی طرف بڑھا اچانک میں نے قبر کی طرف دیکھا تو ایک دفعہ پھر میرے ہوش اڑ گئے کیونکہ سامنے ایک کی جائے دو قبریں تھیں دو قبریں دیکھ کر اپنے آپ ہی میرے چلنے کی رفتار کچھ زیادہ ہو گئی اور میں ڈوڑتا ہوا گیٹ سے ایسے نکلا کہ دیا یہ خیل خانہ ہو جہاں میں بس سال بعد نکل رہا ہوں گھر سے باہر روڈ پر آ کر میں ٹھنڈا سانس لیا اور مزہ کر دیکھا خوشی شدید میری بے بسی پر مسکرا رہا تھا مجھے اپنی خوش بختی پر خوش آنے لگی کہ شکر ہے کہ میں نام سے اس منحوس گھر سے نکل آیا ورنہ جانے وہ عفریت میرے ساتھ کیا حال کرتی اور وہ ایک قبر والی مصیبت کیا کم تھی جو اوپر سے دودھ قبریں نمودار ہو گئی تھیں اور دو قبروں کا مطلب ڈبل مصیبت تھا یا نہایت اور کا نہایت ہوا اور خود کو تسلی دیتا ہوا میں عبد اللہ کے گھر کی طرف آ گیا مگر وہاں پر تالا لگا ہوا تھا حسب معمول میرا منہ چڑا رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ آج بھی گھر نہیں آئے تھے پھر اچانک میرے ذہن میں پارک والی حسینہ کا خیال آیا تو جیسے سارڈر اور ساری میری پریشانی رخصت ہو گئی میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا پارک میں آ گیا اور بھوکے عقاب کی نگاہوں کا پینترہ بدل بدل کر اس حسینہ فاختہ کو تلاش کرنے لگا مگر وہ اس سے ادھر موجود نہ تھی شاید وہ آگے چلی گئی تھی یا اس کے آنے میں ابھی سے تھا میں شدید انداز میں اس کا انتظار کرنے لگا مگر دو گھنٹے گزر گئے وہ نہ آئی تو میں شدید مایوسی کے عالم میں اٹھا اور پارک سے ہوتا ہوا پکی سڑک کر اس کرنے لگا مگر دور سے آتی ہوئی تیز رفتار کار کے تیز ہارن کی وجہ سے مجھے رکنا پڑا سفید

رنگ کی مرسدیز ڈیپلومیٹ کا دھچکی میں نے حسرت سے کار کو دیکھا مگر ذرا نیور والی جگہ پر اسی قافلہ حسینہ کو دیکھ کر میں جیسے دنگ رہ گیا وہ سفید مرسدیز کا رکشی اور کی نہیں تھی بلکہ اسی قافلہ حسینہ کی تھی جسے وہ بڑی تیز رفتاری سے چلا رہی تھی اور شاید اس کی تیز رفتاری میرے لیے بارانِ رحمت بن گئی تھی کیونکہ اس حسینہ نے اسی تیز رفتاری کی وجہ سے مجھے اپنے حسن کی خیرات سے نوازا دیا تھا۔ چند ثانیے کے لیے اس کی اور میری نظریں چار ہوئیں اور مجھے ایک کرنٹ سا لگا اپنی نظروں کو خیرہ کرتا ہوا میں اس کار کے چلے جانے کے بعد چل دیا پارک سے گزرنے کے بعد میں سیدھا عبداللہ کے گھر گیا مگر ان کا گھر ابھی تک بند تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ ابھی نہیں آئے تھے وہاں سے مایوس ہو کر میں اخبارات کے سٹال تک گیا اور ایک ہفتہ وار میگزین لے کر بونجی درج گردانی کرنے لگا مگر ایک صفحے پر نظریں پڑتے ہی میری نظر وہیں ٹپک گئیں میں نے دیکھا وہ اشتہار تھا ایک عامل کا جس کا نام تھا حاجی بابا جلال جلالی ادھر کال ادھر دھمال محبوب بوئے آپ کی بولی ادھر رسم ادھر ڈولی ہر وہ کام لیں جو دوسرے چھوڑ جائیں مجھے وہ مقصد بتائیں جو ملتا نہیں وہ عمل بتائیں جو چلتا نہیں وہ انسان بتائیں جو ماننا ہی نہیں قوت ایمانی کرنے میں مشکل میں آسانی میں نہ نبھتی ہوں نہ ہاتھ دیکھنے والا ہوں بس میرے پاس آئیں اپنا نام بتائیں پھر میں وہ سب کچھ کر دوں گا جو آپ چاہتے ہیں کیونکہ خبیث جنات بھی ہمارے ہاتھ کا دیا ہوا کھاتے ہیں میرے عمل کو جی ثابت کرنے والے کو دس لاکھ کا انعام۔ چار دنوں نہ محبت میں تاکا کی بیرون ملک سفر پر امن بائڈ غرض ہر قسم کے مسائل کا حل میرے پاس ہے اگر کوئی دل ہے جس پر آپ قابو پانا چاہتے ہیں تو آجائیں حاجی بابا جلال جلالی۔ کے پاس ہر کام اڑھائی سیکنڈ اڑھائی منٹ اور اڑھائی دن میں ہوگا آزمائش شرط ہے۔

یہ اشتہار پڑھ کر میں تذبذب کا شکار ہو گیا۔ حاجی بابا جلال جلالی نے بڑے چمکے انداز میں اپنی جواغردی کے قصے اس اشتہار میں شائع کرائے تھے اشتہار پڑھ کر لگتا تھا کہ گویا سارے جہاں کے وہی مائی باپ ہیں میں سوچنے لگا کہ اس جلالی بابا کے پاس جانا چاہیے کہ نہیں، ناظم گزرتا جا رہا تھا اور میں ابھی فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ مجھے اس آسیب زدہ گھر میں جانا چاہیے کہ نہیں اسی کشمکش میں میں نے ہوٹل سے کال لکھا یا اور وہیں چاہے پیتے ہوئے میں نے طویل سوچ بچار کے بعد فیصلہ کیا کہ مجھے گھر جانا چاہیے مگر رات کے واقعات یاد آتے ہی تمام فیصلے پر جیسے اوس پڑ گئی اور مجھے لگنے لگا کہ گزشتہ رات تو شاید اس چاقو بردار روح نے میرا لحاظ کر لیا تھا۔ مگر اگر آج میں ادھر گیا تو میرا آرام نام مست یا ہو جائے گا اور شاید میری بھی قبر اسی بارغ میں بنے گی جس پر میرے نام کا کتبہ لگے گا اور پھر میں بھی روح بن کر لوگوں کو ڈراؤں گا یہ سوچ کر میرے بدن میں جھرجھری لی بحرِ حال شام ہو گئی اور میں کسی فیصلہ پر نہ پہنچ سکا تب مجھے اسی عامل کا خیال آیا کہ چلو ایک باران کے جلال سے فیض یاب ہوتے ہیں میں رکشے میں بیٹھا اور اندر اس کی گلیاں گھومتا ہوں جلالی بابا کے جلال خانے آگیا جلال خانہ کیا ایک دو منزلہ مکان تھا جس پر بڑے سے نمون کے ڈبے کوکٹ کراک کیونکی نما بورڈ بنایا گیا اور اس پر بڑے حروف میں عامل کا نام اور نیچے انکے طوفانی کارنامے لکھے ہوئے تھے میں سر جھٹکا کر دستک دیتا ہوا اور ایک میاں مٹھو کی سی شکل والے خادم کی ہمرائی میں جلالی بابا کے سامنے موجود تھا جلالی بابا کی شکل سے ہی جلال ٹپک رہا تھا وہ ایک نہایت ہی لمبو تری شکل کے مالک تھے جن کی آنکھیں ان کی طرح گول گول اور سر کے بال بڑے بڑے تھے وہ زمین پر آرام دہ قالین پر براجمان تھے کچھ لوگ اور بھی تھے جو ان کو اپنا مسئلہ بتا رہے تھے جن کو وہ یا تو جھاڑ پھونک سے رام کر لیتے

کم از کم روپے تو لگیں گے اور ویسے بھی میرے موکلات ان سے جنگ کریں گے اور تم کو پتہ ہے خالی پیٹ مرنا اچھا لڑتا ہے مگر لڑنے کے بعد اس کی سیوا کرنی پڑتی ہے نا۔

تم مگر جلالی صاحب خدا را کچھ تو شفقت کریں میرے نازک سی جان پر میں کسمپاس ہوتے ہوں بحر حال وہ کہتے ہیں نا کہ بھاگتے چور کی انگلی ہی سہی تو معاملہ دس ہزار میں کس ہو گیا۔

تو ٹھیک ہے آپ جائیں میں دو گھنٹے میں حاضر ہوتا ہوں

جلالی بابا بولے تو میں منمناتے ہوئے بولا باباجی میں اگلا اس گھر میں بذات خود قدم رجیدہ نہیں کر سکتا سادہ ایسا نہ ہو کہ آپ کو اپنے موکلات کی سیوا کے لیے رقم دینے والا خود موکل نہ بنا کھڑا ہو سمجھا کرو نا باباجی۔ میں بڑی مشکل سے ادھر سے بھاگ کر آیا ہوں اور دوبارہ میں آپ کے ہی ہنسہ نہیں جاؤں گا میں نے عامل کے پاؤں پکڑ لیے تو وہ شاید کچھ جوش میں آگئے اور بولے۔

ہوں بر خوردار اگر یہ بات ہے تو ایسا کرو کہ تم باہر دروازے پر ہمارا انتظار کرو ہم اپنے موکلات کو تیار کروا کر آتے ہیں میں نے خوشی کا اظہار کیا اور پھر وہاں سے اٹھ کر نیچے والے کمرے کے دروازے کے پاس آکر کھڑا ہوا اور انتظار کرنے لگا کہ کب عامل صاحب اپنے موکلات کی بقول اگلے تیاری کروا کر تشریف کے نوکرے سمیت قدم آہ کرے ہیں دو گھنٹے گزر گئے مگر عامل صاحب کی تیاری کچھ زیادہ ہی لمبی ہو گئی تھی میں سوچنے لگا کہ لگتا ہے کہ عامل صاحب اپنے موکلات کو گویا زرہ بکتر پہنا رہے ہیں اور نہیں صلاح اللہ بن الیوی کے ہم رکاب جنگ پر روانہ کرنا چاہتے ہیں سرد سے میری قنفی جم گئی تھی اور دانت ایسے نکل رہے تھے گویا گویا شہر کا گھنہ خدا خدا کر کے عامل صاحب کے چہرے کا دیدار نصیب ہوا

یا پھر ایک تعویذوں والی تھیلی میں ہاتھ ڈال کر ایک تعویذ تھما دیتے مگر میں نے غور کیا تو مجھے پتہ چلا کہ اگر کوئی ہلکے اور چھوٹے لوگوں سے ان کی تواضع کرتا تو وہ نہایت ہی غصہ سے جھاڑ پھونک کر دے مگر بڑے نوٹ دیکھ کر ان کا ہاتھ مقناطیس کی طرح تھیلی میں رینگ جاتا اور چہرے پر گویا بہار آ جاتی میری باری آئی تو میں ادب سے اٹھا اور ان کے سامنے دوڑا تو ہو کر تفصیل سے اپنا مسئلہ بیان کیا تو وہ عجیب سی شکل کا آدمی سوچ میں پڑ گیا اور اک کالی پنسل کے کچھ سے اس مکان کا پتہ پوچھ کر نوٹ کر لیا اور نہایت ہی بھدنی آواز میں بولا۔

ٹھیک ہے آپ چلے جائیں مسٹر آریان احسن صاحب کام ہو جائیگا مگر کام کالی مشکل ہے آپ کی باتوں سے لگتا ہے کہ کالی سخت اور ضدی جن ہے اتنی آسانی سے نہیں مانے گا مجھے سخت ریاضت کرنا ہوگی اور ریاضت پر آپ کو پتہ تو ہے کہ سونے کا جائے پانی بھی رکھنا پڑتا ہے جیسے کہ کالا بکرا از عفران وغیرہ تو آپ ایسا کریں کہ مزید پریشان ہونے کی بجائے آپ شلغ پچاس ہزار کیش نقد ابھی عنایت کر دیں تو ہمارے قول کے مطابق آپ کا کام اڑھائی سیکنڈ اڑھائی منٹ اور اڑھائی دن میں ہو جائے گا پچاس ہزار کان کر میرے کانوں سے دھواں نکلے لگا اور میں اپنی جگہ سے تقریباً پچاس منٹ جلالی صاحب نے اپنا جلالی کچھ زیادہ ہی جھاڑ دیا تھا جس سے فیض یاب ہوا کم از کم میرے لیے ممکن تھا۔

جلالی صاحب میں نے رگوں کو بھگانا ہے سارا یہ نہیں کہ ان کو اپنی زوجیت میں لینا ہے آپ کچھ نظر ثانی کریں میں اسے اپنے نہیں دے سکتا۔ یہ سن کر جلالی بابا اپنی گول مثل آنکھوں سے مجھے گھورتے ہوئے بولے دیکھو بر خوردار چیز یوں کو گھر سے بھگانا کوئی آسان کام نہیں ہے نہ ہی گڈے گڈی کا کھیل ہے جب ان کو گھر سے ہٹوائیں گے تو

اس وقت کھانے کو صرف دو تین بسکٹ کے ڈبے بڑے ہوئے تھے جن کو یقیناً میں چائے کے ساتھ نوش کر سکتا تھا جلالی بابا کو قفل پورا کرنے میں ابھی تین گھنٹے تھے اور تین گھنٹوں میں آرام سے میں کھا پی سکتا تھا میں کچن میں گیا اور پانی گرم کرنے لگا چائے بنانے کے لیے بیڈروم میں مکمل سکوت طاری تھا ایسے لگتا تھا کہ جیسے عامل بابا سو چکے ہوں بحر حال میں نے چائے بنائی اور پھر بسکٹ کے ساتھ چائے پینے لگا اور سو گئے لگا۔

ابھی خاصی میری زندگی میں یہ بھونچال کیسے آگیا کتنا خوش فہم تھا میں شاید مجھے حکیم صاحب کی بددعا لگی ہے اسی لیے میرے ساتھ یہ سب کچھ ہو رہا ہے ورنہ اس سے پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا تھا اس حکیم کے بچے نے ہی مجھے اس حال میں لاکھڑا کیا ہے حکیم کے بچے میں بھی مجھے کسی گھر میں رہ کر دکھاؤں گا۔ میں نے چائے ختم کی تو میں نے سسکس کی طرف دیکھا سوچوں کے صحنوں میں میں ایسا جکڑا تھا کہ میں چارڈے بسکٹ کے پھونک چکا تھا حالانکہ اس سے پہلے میں دو ڈبے بمشکل کھاتا تھا یہ سب حکیم صاحب سے میری عداوت کا کمال تھا کہ میں ان کی عداوت میں اسے بسکٹ پھونک گیا تھا۔ اور مجھے پتہ ہی نہیں چلا تھا۔

برتن وغیرہ دھو کر جب میں واپس کمرے میں آیا تو ساڑھے دس ہو چکے تھے یعنی جلالی بابا کو لگے ہوئے پورا ایک دیر گھنٹہ گزر گیا تھا مگر ابھی تک انکا جلال نہیں ابھرا تھا شاید وہ بقول ان کے چالو چلاوے سے مذاکرات میں مصروف تھے ہر طرف خاموشی تھی اور ایسے لگتا تھا کہ جیسے انسانی رو میں خاموشی سے بین کر رہی ہیں ایک خیال کے تحت میں نے جب کھڑکی کے پٹ کھول کر قبر کی طرف دیکھا تو دیاروشن تھا مگر اچانک وہ بجھ گیا اور اس طرف اندھیرا چھا گیا تھا مجھے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے جلالی بابا سے

اور مجھے تسلی ہوئی کہ عامل صاحب کے کندھے پر ایک بڑھا تھیلا لٹکا ہوا تھا اور اس بند تھیلے میں نہ جانے کیا چیز تھی جو اچھل کود کر رہی تھی اس کے بعد تھیلے میں سے کئی غرائشیں ابھرتیں کبھی پھڑ پھڑا ہٹ اور کبھی کبھی چیخنے کی آواز بھی آتی تھی نبھانے کون سے اجسام تھے جن کو عامل صاحب نے اپنے جلالی رتبے سے موکلات کی شکل میں ڈھال کر تیاری کروا کے تھیلے میں بند کر دیا تھا ہم نے رکشہ لیا اور انہیں بیٹھ کر اپنے گھر یعنی میدان جنگ کی طرف روانہ ہو گئے تھوڑی دیر بعد ہم اپنے مین گیٹ پر تھے میں نے کھلا ہوا گیٹ دیکھا جس کو میں بھاگتے ہوئے کھلا ہی چھوڑ آیا تھا اور پھر جلالی بابا کی بھرائی میں گھر میں قدم رکھ دیئے سب کچھ جوں کا توں تھا مگر اس قبر پر دیا اسی طرح روشن تھا میں نے ڈرتے ڈرتے جلالی صاحب کی توجہ اس جانب مبذول کروائی تو وہ بھی چونکا اٹھے اور پھر داڑھی پر ہاتھ پھیر کر سر ہلاتے ہوئے بولا۔

اچھا تو چالو آئی ہے مگر میرا نام بھی عامل جلالی بابا ہے میں اپنے جلال سے اسی چالو چلاؤں کو بھر نشٹ کر دوں گا کمرے میں آ کر میں نے جائزہ لیا۔ جلالی کی کیا لپٹا پسند کریں گے آپ۔

ارے کچھ نہیں۔ آپ بس مجھے وہ کمرہ دکھادیں جو کبھی حجرہ عروسی تھا اور ادھر رہ کر میرا انتظار کریں میں تین گھنٹے آپ کے کمرے سے نکلوں گا اور پھر آپ دیکھنا تین گھنٹے کے اندر میں وہ کدکھاؤں گا جو کوئی تین سال میں نہ کر سکے میرا مطلب ہے کہ آپ کو اس چلاوے سے نجات ملنے والی ہے میں آپ میرا کیش تیار رکھنا کیونکہ وہ تم نے سنا ہی ہوگا برخوردار کہ باپ بڑا اندھ بھیا سب سے بڑا درد پیہ ہے

یہ کہہ کر وہ مجھے آنکھ مارنا ہوا میرے بیڈروم کی طرف بڑھا اور میں حیران پریشان کھڑا یہ سوچتا رہا کہ نبھانے اب کیا ہوتا ہے میں نے ناظم دیکھارات کے نو بج چکے تھے بھوک بھی مجھے کافی لگی ہوئی تھی مگر میں

خدا کرات ناکام ہو گئے ہوں اور وہ لڑکی اب ایکشن میں آگئی ہو اور ایسا ہی ہوا تھا کمرہ میں اچانک غراہٹوں کی آواز ابھری جس سے میں اچھل پڑا غراہٹوں کے ساتھ اچانک جلائی بابا کی آواز ابھری وہ کچھ کہہ رہے تھے مگر مجھے سمجھ نہ آیا اچانک کمرے میں کسی چیز کے دھب سے گرنے کی آواز سنائی دی اور پھر غراہٹوں اور دھب سے گرنے کا سلسلہ جیسے چل نکلا کمرہ میدان جنگ بن گیا میں حیران و پریشان کھڑا سوچنے لگا کہ خاموشی کے سمندر میں یہ طاعون کیسے پیدا ہو گیا پھر روسنے کی آواز سنائی دی۔

میں نے غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ آواز کسی لڑکی کی نہیں بلکہ جلائی بابا کی ہی ہے۔ ابھی میں اسی خیال میں تھا کہ اچانک بندروم کا دروازہ ڈھرام سے کھلا اور کوئی چیختا ہوا تیزی سے ہوا میں معلق تیزی سے اڑتا ہوا میری طرف آیا اور ان کی آن میں مجھ سے کمر کر زمین پر آ رہا۔ میرے منہ سے بھانک چیخ نکلی تو نکرانے والے وجود نے بھی جواباً ایک پھر پھر ڈراؤنی چیخ سے مجھے اینٹ کا جواب پتھر سے دیا۔ مجھ سے اس وجود کو اپنے اوپر سے اٹھانا دو پھر ہو گیا تھا کیونکہ جس تیزی سے وہ میرے اوپر گرا تھا مجھے اتنا تو یقین تھا کہ میری مائیکم چار پسلیاں مجھے داغ مفارقت دے چکی ہیں۔ وہ وجود تیزی سے اٹھا تو میں نے گھوم کر دیکھا وہ جلائی بابا ہی تھے اور اس وقت ان کا چہرہ مارے خوف کے تندور بن چکا تھا میں نے حوالہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا تو انہوں نے سناٹے ہوئے مجھے دیکھا اور تیزی سے اٹھ کر کمرے سے بھاگ کھڑے ہوئے میں نے حیرانگی سے انکو بھاگتا ہوا دیکھا تو میں تیزی سے اٹھا اور بندروم کی طرف آ کر اندر کا درہشت ناک منظر دیکھ کر میری روح فنا ہو گئی میرے سامنے کمرے کا انتہائی خونخوار اور کراہت آمیز منظر تھا کمرے میں ہر طرف خون ہی خون تھا ایک طرف کٹے پھٹے جانور کا مرکب پڑا ہوا تھا ان میں سے کچھ اجزا کتے کے تھے

کیونکہ اس کی تھوٹنی برابر پڑی تھی کمرے میں پانچ چھ چگاڑے بھی سگری ہوئی مردہ حالت میں پڑی تھیں ان کے جسم کسی نوکدار چیز سے چرے ہوئے تھے اور اتنے بھیا تک انداز میں کہ انکی آنتیں تک کٹی ہوئی تھیں یہ منظر اس قدر دہشت ناک اور خوفناک تھا کہ میں کانپ کر رہ گیا اچانک کمرے میں دھواں سا بھرنے لگا اتنے میں میری نگاہ بلی کے کٹے ہوئے سر کی جانب پڑی تو مجھے گمان ہوا کہ جیسے بلی کی اکھوتی آنکھ جھپکی ہو اکھوتی اس لیے کہ دوسری آنکھ کی جگہ خالی گڑھا سا موجود تھا۔ پھر اچانک جوا کھلا منظر ابھرا اسے دیکھ کر میری رگوں میں دوڑتا ہوا لہو سردی کی دھڑکن مدہم اور دل سینے کا حصار توڑ کر راہ فرار اختیار کرتا ہوا محسوس ہوا کیونکہ میرے سامنے جو مردہ جانوروں کے اعضا پھرے ہوئے تھے وہ ایک دم سے جیسے زندہ ہو گئے اور حرکت کرنے لگے مردہ چگاڑے جن کا سر ایک طرف بد نصیبی کی داستان لم گر رہا تھا اور آنتیں دوسری طرف بے بسی کا رونا رہی تھیں اک دم سے اڑیں اور کمرے کے چکر کاٹنے لگیں بلی کی باہر نکلی ہوئی زبان جیسے کسی نے نہایت مہارت سے درمیان میں سے کاٹ کر دوشاخہ بنا دیا بالکل سانپ کی زبان کی طرح وہ تیزی سے اندر باہر ہونے لگی یہ دیکھ کر میرے پاس اس کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں تھا کہ میں جلائی بابا کی طرح اپنے مخصوص جلال میں آ کر یہاں سے نو دو گیارہ ہو جاؤں۔ تب مجھ پر یہ روح فرسا انکشاف ہوا کہ قدموں نے دماغ کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا ہے اچانک میرے پاس موجود کالے رنگ کے کتے کی کھوپڑی جانے کیسے زندہ ہوئی اور میرے قدموں سے چٹ گئی جیسے یہ احتجاج کر رہی ہو کہ خان صاحب ہمیں اکیلا چھوڑ کر کہاں چل دے گھوڑے کو چشتا ہوا دیکھ کر خوف واذیت کے احساس نے گویا میرے اوسان پر بجلی گرا دی میں نے تیزی سے اس کھوپڑی کو جھٹکا اور اتنی تیزی سے بھاگا کہ

جلالی بابا کے آستانہ جلال پر جا کر ہی دم لیا میرا سانس دھونکی کی طرح چل رہا تھا اور تھکاوٹ کے مارے مجھ سے سیدھا کھڑا بھی نہیں ہوا جا رہا تھا۔ میں ایک جگہ بیٹھ گیا اور حواس درست کرنے لگا پندرہ منٹ بعد جب میرے اوسان بحال ہوئے تو میں دستک دی اور تھوڑی دیر بعد جلالی بابا کا خادم خاص نے اندر سے آواز لگائی۔

کون ہے۔

آریان احسن جلالی بابا سے ملنا تھا مجھے ارجنٹ میں نے تیزی سے کہا۔

چلے جائیے جلالی بابا اس وقت نہیں مل سکتے۔ وہ آرام فرما رہے ہیں

میں نے کافی کوشش کی مگر خادم ٹس سے مس نہ ہوا اور میں عامل جلالی سے نڈل مکا ظاہر تھا کہ جس انداز سے وہ میدان جنگ میں اپنے اچھل کود کرتے موکلات کو شبید ہونے کے لیے بے بارود دھار چھوڑ گئے۔ تھے اب وہ مجھ سے کیسے مل سکتے تھے چارو ناچار میں وہاں سے واپس آیا اور ہول کی طرف چل دیا ہول میں آکر میں نے ایک کمرہ بک کروالیا اور سو گیا صبح کے بچے کے قریب میں ناشتہ کر کے وہاں سے دوبارہ عامل جلالی کے آستانے پر چلا گیا اور میری توقع کے عین مطابق خادم نے مجھے ان سے ملنے سے انکار کر دیا تب میں مایوس ہو کر عبد اللہ کی طرف چل دیا اس گھر کی طرف جانے سے پہلے میں پارک آیا تو حسب معمول میں نے اس صند کو بیٹھے دیکھا تو جیسے میرا سارا ڈر ساری پریشانی رفو چکر ہوئی میں کن اکیوں سے اس کے دیدار کا شربت پینے لگا اس نے بھی مجھے دیکھا مگر اس بار اس نے منہ دوسری طرف نہ کیا بلکہ وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد مجھے دیکھنے لگی تیر تھک نشانے پر لگا تھا اور مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ آگ برابر لگی ہوئی ہے ورنہ وہ مجھے ایسے نہ دیکھتی۔ تھوڑی دیر بعد رنگ میں بھگ پڑ گئی جب ایک اور تلی بجانے

کہاں پر سے مزگشت کرتے ہوئے ادھر آدھری لہر اس سے باتوں میں مشغول ہو گئی میں کافی دیر تک اس بٹن میں رہا کہ شاید وہ دوبارہ میری طرف دیکھے مگر ایسا کچھ نہ ہوا اور وہ تھوڑی دیر بعد دونوں وہاں سے اٹھ کر چل دیں تو میں بھی وہاں سے اٹھا اور عبد اللہ کے گھر آیا گھر میں تال نہیں تھا جس کا مطلب تھا کہ دلوگ گھر میں موجود تھے میں تیزی سے اندر گیا اور سب کو ملان ان کے گھر میں کچھ مہمان آئے ہوئے تھے جس کی وجہ سے میں ان سے کوئی نہ کر سکا اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا اس کی امی نے مجھ سے نئے گھر کے بارے میں پوچھا۔

کیسا ہے

میں نے بظاہر خوش دلی سے انکا دل رکھنے کے لیے کہہ دیا کہ ہاں یہ گھر بہت اچھا ہے میں نے لفظ اچھا کو تھوڑا سا کرتے ہوئے کہا تھا۔ شاید اس لیے کہ اس کی اچھائی کی وجہ سے میں ادھر تھا میں ان کے گھر زیادہ دیر تک نہ رک سکا اور دوپہر کا کھانا کھا کر واپس آ گیا گھر جانے کو میرا من نہ کر رہا تھا۔ ایویں ہی آدھرہ گردی کرتا رہا۔ گھر میں کیا تھا وہاں وحشت سی خوف تھا عامل جلالی بھی اپنے جلال سمیت وہاں سے رفو چکر ہو چکے تھے اب میرے پاس ایسا کوئی بھی ذریعہ نہ تھا کہ میں کو روئے کار لا کر میں کم از کم اس مصیبت سے نجات حاصل کرتا۔ جاؤں بھی تو کہاں جاؤں کس سے فریاد کروں وہ آسیب یا جن یا جو کچھ بھی تھا کافی خوفناک تھا اور ویسے بھی مردہ جانوروں کے وہ اعضا جو نہ جانے کیسے زندہ ہو گئے تھے وہ ایک نئی مصیبت تھے میں اسی سوچ میں تھا کہ اب کیا کروں کسی نئے عامل کو تلاش کروں یا نیا گھر لوں میری جیب میں پیسے تو کافی تھے مگر میں بنا کوئی کام کیسے کیسے ادھر رہ سکتا تھا اس طرح تو وہ پیسے بھی خرچ ہو جاتے۔ میں کافی دیر سوچتا رہا مگر ہاتھ کچھ نہ آیا آخر تھک آکر میں نے ارادہ کر لیا کہ چاہے کچھ

بھی ہو جائے میں اسی گھر میں رہوں گا وہ جن یا بلا اگر مجھے مارنا چاہتی ہے تو بے شک مار ڈالے میں اسی گھر میں جاؤں گا یہ سوچ کر میں نے اپنے دل میں آئے ذکر کو ختم کیا اور آہستہ سے قدم اٹھاتا ہوا گھر آ گیا دروازے سے داخل ہوتے وقت میری ساری بہادری رفو چکر ہو گئی مگر میں نے دل بڑا کیا اور بیڈ روم میں آ کر چوروں کی طرح جھانکا وہاں کچھ بھی نہ تھا سب کچھ غائب تھا میں اس اچنبھے پر بڑا حیران ہوا کہ وہ تمام جانوروں کا قید کیا کہاں گیا مگر مجھے کیا جس نے ان کی ایسی درگت بنائی تھی شاید اسی نے بعد میں ان کا پیسے بھی کر کے کرپا کر مکر دیا تھا میں واپس پلٹنے والا تھا کہ اچانک میری نظر کیٹوں کے بورڈ پر پڑی جس پر کچھ لکھا ہوا تھا میں تیزی سے بورڈ کی طرف آیا تو وہاں لکھا تھا۔

یہ میرا گھر ہے اگر تم کو اس دنیا میں رہنا ہے تو ارد گرد جو بھی ہوتا رہے تم اپنے کام سے رکھنا اور وہاں اگر وہ بارہ کسی عامل کو بلایا تو تم تمہاری جڑوں کا چور بن کر کھٹا جائیں گے۔

یہ تحریر پڑھ کر مجھے کافی سکون ملا وہ جو بھی تھے شاید ان کو میری بے بسی پر رحم آ گیا تھا اسی لیے تو وہ مجھے اس گھر میں رہنے پر راضی ہو گئے تھے باقی گھر میں جو ہوتا تھا وہ تکلف وہ تو تھا ہی مگر میں یہ سوچ کر چپ ہو گیا کہ میں کیا گھر تلاش کر لوں گا۔

اسکے دن میں مانا صاحب کو ار جنت تصویر بنا کر دی سب کچھ تقریباً ٹھیک ہو گیا تھا البتہ کبھی کبھار ایسا لازمی ہوتا تھا کہ ذرا ولی آوازیں آتیں اور رونے کی آواز بھی آتی تھی مگر میں ہولے ہولے ان سب کا عادی ہو گیا اور پھر ایک ہفتہ اسی طرح گزارنے کے بعد نیا گھر تلاش کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور یہ سوچ گیا کہ اب مجھے اسی گھر میں رہنا ہے کیونکہ جلائی بابا کے جلال نے تو وہ نہ کیا جو میری ہمت نے کر دیا اب میری کسی سے بھی تصویر میں تبدیلی نہ آتی اور میں

سکون سے کام میں لگا رہتا ایک رات میں بارہ بجے سویا کیونکہ مجھے ایک جاننے والے کو ار جنت تصویر بنا کر دینا تھی۔ تصویر میں نے کھل کی اور بیڈ پر آ کر لیٹ گیا۔ نجانے کتنی دیر میں سویا پھر اچانک مجھے ایسا محسوس ہوا کہ مجھے میرے نام سے پکار رہا ہے یہ آواز میں نے دو تین دفعہ سنی تو میں نے گھسٹ کر آنکھیں کھولیں تو سامنے کا منظر دیکھ کر دنگ رہ گیا میرے سامنے ایک خوب صورت عورت تمام تر حشر سامانوں کے ساتھ بیڈ پر موجود تھی وہ بلا کی حسین خوبصورت تھی اگر میں اسے پرستان کی پری سے تشبیہ دوں تو شاید غلط نہ ہوگا میں حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر اسے تنک رہا تھا میں یہ بھی بھول گیا تھا کہ میں کہاں ہوں میں تو بس اسی سے کسی کے سمندر میں غوطہ زن تھا سرخ رنگ کے جوڑے پہن ہو جس چمکا دھمکتا چہرہ لیے وہ مجھے خود کو یوں حیرانگی سے تنکا ہوا دکھ رہی تھی

کیسے آریان صاحب کیا حال ہیں۔۔ وہ بولی تو یوں لگا کہ جیسے سازج اٹھے ہوں۔

تم۔ تم کون ہو۔ وہ ہلکی تو گویا آبتار کا سا حسین منظر نظر آ گیا میں مہارانی ہوں آریان صاحب آپ کے گھر کی پارتھی پائیوں کہہ لیں اس گھر کی مالک میں نے ہی وہ تحریر لکھی کہ تم اسی گھر میں رہ سکتے ہو اس نے الفاظ کہے تو گویا میری سماعتوں پر انیم بم گر دیا میں ٹیکل کی دنیا میں واپس آ گیا۔

تم۔ تم وہی ہو۔ وہی قبر ولی بدروح۔ خوف کے سائے مجھ پر حاوی ہو کر چھانے لگے اور مجھے اس کی شکل میں عذرا ٹیکل نظر آنے لگا جو کسی بھی وقت میری جان نکال سکتا تھا میں دہشت زدہ ہو گیا۔ تھ۔ تم لگ کیا چاہتی ہو۔ میں ڈرتے ہوئے بولا۔

ارے کچھ نہیں آریان صاحب تم مجھے اچھے لگتے لگے ہو اس لیے میں خود چل کر تمہارے پاس آئی ہوں رخ۔ رخ۔ خدا کے لیے مجھے مت مارو مجھے مت

مارد میں نے کیا کیا ہے ایسا میں رو دینے لہجہ میں بولا
وہ مسکرائی اور بولی۔

ارے ارے خان صاحب ذریعے ست میں
آپ کو کچھ نہیں کہوں گی نہ ہی میں اس ارادے سے
آئی ہوں اگر مارتا ہی ہوتا تو کب کا اب تک تم کو
مار چکی ہوتی میں صرف تمہاری وجہ سے اس عامل کو خالی
دار تک دی تھی ورنہ اس کو بھی میں آسمانوں پر پہنچا دیتی
میں تم کو ہر روز کام کرتا ہوا دیکھتی تھی اور تم کو بھی
نہیں ہوتا تھا کہ کوئی تم کو دیکھ رہا ہے۔

تم کیا چاہتی ہو۔ میں نے تیزی سے کہا۔
کچھ نہیں خان صاحب۔ بس تم سے دوستی
کرنا چاہتی ہوں اور کچھ نہیں تم کتنے عجیب انسان ہو
حالانکہ اس سے پہلے بھی کتنے لوگ اس گھر میں آئے
مگر میں نے سب کو بھگا دیا مگر تم واحد انسان
اور مجھے اچھے لگے ہو اور میں سے خود تم کو اپنے ساتھ
رہنے کی اجازت دی ہے تم کتنی محنت کرتے ہو ان
تصویروں کو بنانے میں چند روپوں کے عوض۔ بحر حال
تم اچھے انسان ہو کیا میری تصویر بناؤ گے منہ مانگا
انعام دوں گی اس نے کچھ اس اداسے کہا کہ میں مان
گیا اور ہائی کوڑی۔

تو ٹھیک ہے۔ تم سو جاؤ اور میری کل تصویر
بنادینا وہ یہ کہہ کر اٹھی اور کمرے سے نکل گئی میں حیران
و پریشان اسے کمرے سے جاتا ہوا دیکھتا رہ گیا۔ مجھے
اس کا آنا اور باتیں کرنا جیسے ایک خواب سا لگنے لگا میں
اپنی کیفیات بیان نہیں کر سکتا جو اس وقت تھی بس اتنا
کہہ سکتا تھا کہ اس جیسی حسین لڑکی کا یوں پیری زندگی
میں آنا میرے لیے باعث افتخار تھا۔ میں سوچتی تھی
نہیں سکتا تھا کہ وہ یوں اچانک میری زندگی میں آئے
گی مگر وہ روح تھی اور یہ ایک ایسی بھیا تک حقیقت تھی
کہ جیسے میں جھٹلا نہیں سکتا تھا بحر حال جو بھی تھا وہ
میرے لیے اہم تھی اور اس کا یوں مجھ سے جانا میرے
لیے قارون کا خزانہ تھا۔ میں خود کو خوش قسمت سمجھنے لگا تھا

مجھے مہارانی جیسی چین لڑکی کا ساتھ نصیب ہوا تھا
بحر حال میں اپنی اچھی خوش قسمتی پر ناز کرتا ہوا سو گیا
اگلے دن اٹھا تو اس مہارانی کا کا سر مجھ پر طاری تھا
میں نے ناشتہ کیا اور پھر رات کو جو تصاویر مکمل کی تھی وہ
بذریعہ کوڈیر روانہ کر دیں۔ اور پھر واپس آ کر جیسے ہی
میں کمرے میں آیا تو وہ حسینہ براجمان تھی آج وہ حد
سے زیادہ حسین دکھائی دے رہی تھی اسے دیکھ کر میری
باچیس کھل گئیں۔

آئیے خان صاحب آجئے آپ وہ ایک اداسے
بولی تھی۔

کی۔ میں صرف اتنا ہی کہہ سکا۔
آپ کو ان وعدہ یاد ہے ناں۔ وہ تصویر والا۔
جی ہاں۔ مجھے یاد ہے اور میں بھلا کیسے بھول
سکتا ہوں۔

تو پھر بنائے ناں ہماری تصویر۔
ارہاں۔ اچھی بنائے دیا ہوں کس طرح کے
بوز میں بناؤں آپ کی تصویر مطلب آدھی ہو یا مکمل
جسم کے ساتھ۔
جیسے آپ کی مرضی بنا دیں۔ ہم تو آپ کی خوشی
میں خوش ہیں۔

اس نے مسکراتے ہوئے تو میں نے کیوس میں
رنگ بھرنے شروع کر دیے وہ جتنی حسین تھی میرے
ہاتھ اتنے ہی تیزی سے گردش کر رہے تھے اس کا حسن
لا فانی تھا اک سر میں جگر اچھا تھا اس جیسے میں کیوس پر
نقل کرنے کی اپنی ہی کوشش کر رہا تھا جس میں میں
کامیاب ہو گیا تھا وہ کھٹے بعد وہ نازنین میرے کیوس
پر اپنی تمام تر وجاہت کے ساتھ موجود تھی۔

آئیں چیک کر لیں۔ میں نے کہا تو وہ انھی
اداس نے تصویر کا بغور جائزہ لیا اور کہا۔
آریان صاحب واؤ مزہ آ گیا واقعی جادو ہے
آپ کے ہاتھ میں میں اتنی حسین تو نہیں ہوں جتنا
آپ نے مجھ اس میں بنا دیا ہے۔

بلیٹ سکتی ہوں اس سے اپنی مرضی کا کام لے سکتی ہوں
دیکھنا چاہو گے میرا کمال وہ ایک ادا سے بولی۔ میں
نے خالی سر ہلایا۔ حالانکہ میں نے کسی جذبے کے
تحت سر ہلایا تھا مجھے یاد نہیں تھا اور میرا ایسا کرنے کا
ارادہ بھی نہ تھا میرے سر ہلاتے ہی وہ کمرے سے باہر
نگلی اور پندرہ منٹ بعد میں نے ایک آدمی کو آتے
ہوئے دیکھا وہ کون تھا میں اسے نہیں جانتا تھا وہ کسی
سحر زدہ انسان کی مانند چل رہا تھا جیسے وہ کوئی روبوٹ
ہو وہ تیزی سے اندر آیا اس کے ہاتھ میں ایک بیگ تھا
اس نے میرے سامنے بیگ رکھا اور واپس مڑ کر اسی
طرح گھٹ سے گزرا اور جدھر سے آیا تھا دھڑلے دیا۔
تھوڑی دیر بعد مہارانی بھی نمودار ہوئیں اس کے چہرے
پر مسکراہٹ تھی۔

بیک بھاگتا ہوں
میں نے تیزی سے بیک کی زپ کھولی تو میری
آنکھیں چندھیا گئیں۔ ایک ہزار ہزار کے کرسی
نوں سے بھرا ہوا تھا میں حیرت کے سمندر میں غوطہ
زن ہو گیا میں نے کہا تھا کہ میں جو چاہوں وہ کر سکتی
ہوں یہ پیسے تمہارے ہیں اور یہ اس تصویر کا ہلکا سا
نذرانہ ہے اگر تم میرے کہے کے مطابق عمل کرو گے تو
یہ دولت تمہارے قدموں کی باندھی بن جائے گی اتنی
زیادہ دولت دیکھ کر مجھے ایسے لگا کہ جیسے میں کسی سینما
ہال میں بیٹھ کر والدین اور اس کی جادوئی انگلی کے
کمالات کی کوئی فلم دیکھ رہا ہوں اسٹے نوٹ میں نے
پوری زندگی میں نہیں دیکھے تھے اور اب یہ رقم میری تھی
میں نے کم جتنا میرا اندازہ تھا یہ کوئی ایک کروڑ روپے
تھے میں نے خواب میں بھی ایسا نہ سوچا تھا کہ میں اتنا
امیر کبیر انسان بن جاؤں گا میں نے قرط مجت سے
مہارانی کی طرف دیکھا وہ مجھے اتنی بڑی خوشی دینے پر
اسے گلے لگانے کو دلی چاہا اور میں بنا سوچے سمجھے اٹھا
اور اس کی طرف دوڑا مگر یہ کیا میں اس کے وجود سے
آر پار ہو گیا اور میں اسے سچ نہ کر سکا یہ دیکھ کر میری

بہت اچھے کیا آپ کو پسند آئی ہے۔
بہت زیادہ خان صاحب۔
شکر یہ۔ میں اس کے منہ سے اپنی تعریف سن کر
بے نہ سمایا اب لگے ہاتھ ایک اور کام کرنا ہوگا۔
وہ کیا۔ میں نے پوچھا۔
جب تک میں تمہارے ساتھ ہوں تمہیں مجھ
سے دوستی نبھانے کا وعدہ کرنا ہوگا۔
منظور ہے۔ میں نے بلا سوچے سمجھے کہہ دیا۔
اگر تم ایک اچھے دوست کی حیثیت سے جو کچھ
مجھے سے مانگو گے میں دوں گی لیکن اس کے عوض
میرا ایک کام کرنا ہوگا وہ کام میں خود نہیں کر سکتی۔
وہ کیا ہے۔ میں نے تیزی سے پوچھا۔
تم فی الحال وعدہ کرو جو جب وقت آئے گا میں
تب بتا دوں گی۔

ٹھیک ہے میں وعدہ کرتا ہوں۔
اچھی طرح سوچ سمجھ کر۔ مہارانی کی لہرائی ہوئی
آواز سنائی دی۔ اگر تم نے وعدہ خلافی کی تو یاد رکھنا
مہاری دوستی دشمنی میں بدل جائے گی اور یہ بھی ممکن
ہے کہ ہمیں تمہیں کوئی نقصان بھی پہنچا دوں۔
اس کی نوبت نہیں آئے گی۔ میں نے تصویر کی
نوٹ ہلک سنوارتے ہوئے کہا میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم
جو بھی کہو گی میں اسے پورا کروں گا۔
سنو تم یہ چند روپوں کے لیے اتنی محنت کرنا
چھوڑ دو مجھے اچھا نہیں لگتا ہے میں تمہارے لیے سرمایہ
فراہم کروں گی بس تم میرے کہنے پر عمل کرتے رہنا
میری مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کرنا بس جو کچھ
میں کہوں تم وہ کرتے جاؤ اس نے حکماً انداز میں کہا
تو میں نے حیرت سے اسے دیکھا
کیا تم واقعی اتنی طاقتور ہو کہ مجھے پیسے دے سکتی
ہو اگر یہ سب سچ ہے تو تب تو میرے وارے نیارے
ہو سکتے ہیں۔
اس میں ایسا کر سکتی ہوں کسی بھی انسان کا ذہن

ساری خوشی کا فورہ ہونے لگی اور میری امیدوں پر جیسے اوس کی پڑ گئی۔

نہیں تم اور میں ہم چاہ کر بھی ایسا نہیں کر سکتے تم میرے قرب سے سرفراز نہیں ہو سکتے کیونکہ میں ایک ہوا ہوں تم کو نظر آ سکتی ہوں تم سے باتیں کر سکتی ہوں اپنی بیش بہا طاقت کے استعمال سے میں سب کچھ کر سکتی ہوں لیکن قرب میں کسی کا قرب حاصل نہیں کر سکتی لیکن تم پریشان نہ ہو میں اس سے تمہیں ملوا سکتی ہوں اس نے اسی قاتل حیدر کے فوٹو کی طرف انگلی کا اشارہ کرتے ہوئے کہا میں ایسا پتھر چلاؤں گی یہ حیدر تمہیں مل جائے گی اس کا نام نوشین ہے میں جانتی ہوں تم اسے بے حد چاہتے ہو اور اس سے پیار کرتے ہو میں نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔ کہ اسے کیسے پتہ چلا کہ مجھے اس لڑکی سے پیار ہے۔

لیکن تم کو کیسے پتہ چلا کہ میں اس سے پیار کرتا ہوں میں نے اسی حیرانگی میں کہا۔ میں۔۔ میں سب کچھ جانتی ہوں تمہارے اگلے پچھلے سب کاموں کا مجھے علم ہے آریان صاحب میرا نام مہارانی ہے ویسے تم اگر یہ نام برا لگے تو تم مجھے ساحل کے نام سے بلا سکتے ہو مجھے یہ نام اچھا لگے گا۔ ہاں ساحل۔۔ یہ ٹھیک رہے گا تو ساحل صاحبہ میں نوشین کو کیسے حاصل کر سکتا ہوں مجھے اس کے لیے کیا کرنا ہوگا۔

کچھ نہیں۔ صرف تم نہ ہوگا اور تمہاری نوشین تمہاری طرف دوڑتی ہوئی آئے گی۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے۔ میں نے خوابیدہ لہجے میں کہا۔

ہاں اگر ایک بینک کا منیجر اپنے بینک کا اک کروڑ روپیہ تمہیں لا کر دے سکتا ہے تو آریان صاحبہ نوشین آپ کو مل سکتی ہے کیا سمجھو وہ منسکراتے ہوئے بولی۔

پھر تو میں آج ہی نوشین کو حاصل کرنا چاہوں گا کیونکہ میں واقعی اس سے پیار کرتا ہوں اور اسے اپنی

زندگی میں لا کر اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں میں نے تیزی سے کہا۔ تو ساحل مسکرائی۔

ہاں میں جانتی ہوں خاں صاحب۔ مجھ سے آپ کا کچھ بھی چھپا ہوا نہیں ہے۔ آؤ فیملی تمہاری نوشین کے پاس ساحل نے عامل چلائی کی طرح آنکھ مارتے ہوئے کہا تو میں بے اختیار قہقہہ لگانے پر مجبور ہو گیا۔

اگر ساحل میری زندگی میں نہ آئی ہوتی تو میں کبھی بھی نوشین کو حاصل نہ کر سکتا تھا مجھے ساحل کی بے پناہ شہمتی پر اعتماد تھا کہ وہ میری سیزم ہی بن سکتی ہے کیونکہ اس سے پہلے میں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کیونکہ نوشین ایک امیر کبیر بات کی اولاد تھی جو کروڑ پتی تھا بحر حال میں ساحل کے ذریعے پارک میں جا بیٹھا۔ جہاں وہ پہلے سے موجود تھی اس نے جب مجھے دیکھا تو مجھے محسوس ہوا کہ جیسے اس نے مجھے دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا ہو میں کن انکھوں سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ بھی وقفے وقفے سے مجھے دیکھنے لگی کافی دیر تک ہمارے درمیان یہ آنکھ پھولی ہوئی رہی پھر اچانک میں نے ایک خوبصورت نوجوان کو اس کے قریب جا کر کھینچے ہوئے دیکھا نودارد کے آجانے وہ کچھ پریشان ہوئی میں نے اندازہ لگایا کہ وہ مرد اس کے لیے اجنبی نہیں تھا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ وہاں سے اٹھ جاتی ہوئی اور اسکے ساتھ وہ بیٹھتا بھی گوارہ نہ کرتی میں اپنی جگہ بیٹھا اس نوجوان کو ایک قویٰ نظروں سے دیکھ رہا تھا اور پھر وہ جس انداز میں مسکرا کر نوشین سے باتیں کر رہا تھا اس نے میرے اندر جذبہ رفاقت کو ابھار دیا تھا جانتے ہو تم یہ نوجوان کون ہے یہ نوشین کا منگیتر ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ تم اسے مار دو اٹھو آریان اسکو قتل کرو۔ ساحل نے کہا۔ میں اٹھا اور اس کی طرف بڑھنے لگا۔ ساحل کون بھی کیا آریان خان ساحل کے کہنے پر اس کو قتل کر دے گا یہ سب جاننے کے لیے اگلی قسط پڑھنا نہ بھولنے گا۔

خوبصورت چڑیل

--- تحریر: معاویہ غنبر وٹو۔ فیصل آباد ---

مجھے ایک چیخ سنائی دی اور تیزی سے کوئی وجود میرے اوپر گر آیا وہ وجود اتنا زور سے میرے اوپر گرا کہ میں اس میں دب کر رہ گیا۔ وہ وجود تیزی سے اٹھا تو میں نے گھوم کر دیکھا، جلانی بابا ہی تھے اور اس وقت ان کا چہرہ مارے خوف کے تندور بن چکا تھا میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تو انہوں نے مسناتے ہوئے مجھے دیکھا اور تیزی سے اٹھ کر کمرے سے بھاگ کھڑے ہوئے میں نے حیرانگی سے انکو پھا ستا ہوا دیکھا تو میں تیزی سے اٹھا اور بیدارم کی طرف آ کر اندر کا دہشت ناک منظر دیکھ کر میری روح فنا ہو گئی میرے سامنے کمرے کا انتہائی خوفناک اور کراہت مہمکنہ منظر تھا کمرے میں ہر طرف خون ہی خون تھا ایک طرف کے پھٹے جانور کا مرکب پڑا ہوا تھا ان میں سے کچھ اجزا کتے کے تھے کیونکہ اس کی تھوکتی برابر پرانی کٹی کمرے میں پانچ چھ چکا ڈریں بھی سکڑی ہوئی مسلحہ حالت میں پڑی تھیں ان کے جسم کسی نوکدار چمچ کے سے چپے ہوئے تھے اور اتنے بھیانک انداز میں کٹائی آتیں تھیں کہ کئی ہوئی تھیں یہ منظر اس قدر دہشت ناک اور خوفناک تھا کہ میں کانپ کر رہ گیا اچانک کمرے میں دھواں سا بھرنے لگا اتنے میں میری نگاہوں نے کتے ہوئے سر کی جانب پڑی تو مجھے گمان ہوا کہ جیسے ہی کئی انکوئی آنکھ چھلی ہو انکوئی اس لیے کہ وہ کسی آنکھ کی جگہ خالی کڑھا سا موجود تھا۔ پھر اچانک جو کچھ منظر ابھرا اسے دیکھ کر میری رگوں میں دوڑتا ہوا ہراس کی گھڑکن بدہم اور دل بیٹے کا دھواؤڑ کر رہا ہوا تھا۔ اختیار کرتا ہوا محسوس ہوا کیونکہ میرے سامنے جو مردہ جانوروں کے اعضا تھکڑے پڑے تھے وہ ایک دم سے جیسے زندہ ہو گئے اور حرکت کرنے لگے مردہ چوگا ڈریں ان کا سر ایک طرف بدھنسی کی داستان رقم کر رہا تھا اب آتیں۔ ایک سنسنی خیز کہانی۔

اختیار اپنے ملازم کو سنے لگا جو ایک روز پہلے بہانہ کر کے اپنے گاؤں چلا گیا تھا خدا معلوم کون بدبخت میری نیند حرام کرنے آ پہنچا ہے جہنم میں جائے۔ اس نے بڑا کر کہا اور لحاف اپنے اوپر لپیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگا مگر اب کھٹکی بجانے والا دروازے کو اس انداز میں پیٹے لگا کہ درے مکان میں بھونچال سا آگیا کئی منٹ تک یہی کیفیت رہی اور جب ڈاکٹر پال کی نیند اڑ گئی اور اسے یقین ہو گیا کہ دستک دینے والا لٹنے والی چیز نہیں تو دوپٹش میں آ کر بستر سے اٹھا اور

ڈاکٹر پال اس صبح دم سے سویا تھا دن بھر اس کے مطب میں کھانسی کا تانتا بندھا رہا اور اسے دم لینے کی بھی مہلت نہ ملی لیکن اب صبح سارے چار بجے سے چیخ رہی ہے سورج طلوع ہونے میں ابھی دیر باقی تھی اور چاروں اطراف گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا اس سناٹے میں کھٹکی بھنک کی مسلسل آواز سنائی دے رہی تھی ڈاکٹر پال کیوں محسوس ہوا تھا جیسے اس کے دماغ پر کہنی بھٹوڑے سے ضرر میں لگائی جا رہی تھیں گرم گرم بستر سے اٹھنا اس وقت اس کے لیے سخت تکلیف دہ تھا وہ بے



برائے کی بوتل نکالی اور گلاس بھر کر اجنبی کو دیتے ہوئے کہا پہلے اسے پی لو۔ اس نے ایک گھونٹ میں گلاس ختم کر دیا آہستہ آہستہ اس کے اوسان بحال ہونے لگے اور چہرے پر پھیلے ہوئے دہشت کے آثار رفتہ رفتہ غائب ہو گئے مذمت تک کمرے میں خاموشی چھائی رہی آخر اجنبی کچھ اس طرح گویا ہوا۔

ڈاکٹر صاحب میرا نام فریج میٹھون ہے اور میں لندن کا رہنے والا ہوں پیشہ نو نوگرانی ہے اور میں ایک نجی میں ملازم ہوں اپنی کے کام سے مجھے اس علاقے سے ایک جگہ پر میں چند تصویریں لینے کے لیے نکلا میں اس علاقے سے بعض ناواقف ہونے کے باعث گزشتہ چند روز سے مختلف دیہاتوں میں بھٹکتا رہا ہوں لیکن مجھے مطلوبہ تصویر حاصل کرنے میں کامیابی نہیں ہوئی آخر کام میں ورگٹشن اور وائٹ ہیون کے رائل ہوٹل میں قیام کرنے کو تھا جس کے بارے میں میں نے سنا تھا کہ وہاں کھانے کی بہتر سہولتیں میسر ہیں چنانچہ گزشتہ رات میں اپنی موٹر سائیکل پر بیٹھ کر روانہ ہوا یہ تمام راستہ حد درجہ ویران سنسان اور دلہلی میدانون پر مشتمل ہے رات بھی معمول سے زیادہ سرد اور تاریک تھی میں اپنی دھن میں مست موٹر سائیکل اڑا رہا تھا ہوائی ہوائی کی طرف چلا جا رہا تھا دفعتاً میں نے محسوس کیا کہ موٹر سائیکل کی رفتار خود بخود دھیمی ہو رہی ہے تھوڑی دیر بعد وہ بانٹنے لگی اور آگے چلنے سے انکار کر دیا

میں نے موٹر سائیکل سے اتر کر اس کا معائنہ کیا اور یہ معلوم کر کے دل دھک دھک کرنے لگا کہ پٹرول کی ٹینگی تقریباً خالی ہو چکی ہے اس میں دراصل ایک ننھا سا سوراخ تھا جس میں سے پٹرول ٹپک ٹپک کرتا رہتا آیا تھا میں نے جلدی سے پیوٹلم کی گولی چبا کر اس کا ریز اس

ڈریسنگ گاؤن پہن کر لڑکھرائی جال چلتا ہوا صدر دروازے کی طرف گیا۔ دروازہ کھول کر چونکی اس نے باہر تاریکی میں جھانکا دفعتاً ایک شخص دروازے میں گھس کر مکان میں آ گیا اور زور سے دروازہ بند کر کے چٹنی لگا دی پھر اس نے اپنے کاپتے ہوئے ہاتھ سے ڈاکٹر کا بازو پکڑ لیا ڈاکٹر نے جھٹکا دے کر اپنا بازو چھڑانا چاہا لیکن اجنبی نے اس کا ہاتھ اور سختی سے جکڑ لیا اور بانٹتے ہوئے بولا۔

مجھے بتایا گیا ہے کہ اس مکان میں ایک ڈاکٹر رہتا ہے ڈاکٹر پال۔ کیا تمہارا یہی نام ہے اگر تم ڈاکٹر نہیں تو مجھے ڈاکٹر کے پاس لے چلو۔

ڈاکٹر نے جواب دیتے سے پہلے پراسرار اجنبی کا نہایت سکون اور غلط فہمی سمجھائی کیا پھر مطمئن ہو کر تشویش کی کوئی بات نہیں دس نے اجنبی کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنی لائبریری میں لے گیا جہاں آتش دان میں آگ کے مدھم شعلے اٹھ رہے تھے رقص کر رہے تھے اور کمرہ خاصا گرم تھا اس نے لکڑی کا ایک موٹا سا ٹکڑا آتش دان میں جھونکتے ہوئے کہا۔

ہاں مجھے ہی ڈاکٹر پال کہتے ہیں۔ آہ۔۔۔ تب خدا کے لیے مجھے بتاؤ کہ میں کیا پاگل ہوں۔ ایک مرتبہ مجھے ڈاکٹر نے اس بے وقت کے ملاقاتی کو بغور دیکھا اس کا طبع بڑا عجیب تھا سر کے موٹے بال دلچھے ہوئے تھے اور کود آلود بدن کے کپڑے تار تار اور چہرہ جس کے نقشہ صاف تھے خون سے تر تھا اس کی آنکھوں سے خوف و ہراس اور بھرائی ہوئی آواز میں سکیپا ہٹ اور دہشت کا عنصر نمایاں تھا ڈاکٹر نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کر کے اسے بیٹھنے کے لیے کہا جس پر اجنبی دھم سے گر گیا۔

تم زخمی بھی ہو۔ ڈاکٹر نے الماری کھول کر

دھند نے آخر مجھے اپنی لیٹ میں لے لیا اور میں یوں محسوس کیا جیسے کسی نادیدہ آئینی قوت نے میرے اعصاب سب کر لیے ہیں ڈاکٹر صاحب یقین کیجئے کہ اپنے دوستوں کے حلقے میں مجھے بزدل نہیں سمجھا جاتا اور کئی مرتبہ مختلف ذرائع واقعات کے مراحل سے گزر چکا ہوں لیکن اس دھند میں اپنے آپ کو مقید پاتے ہوئے مجھے یہی یقین ہو رہا تھا کہ اس میں کسی آئینی قوت کا دخل ضرور ہے اور میری جھنسی حس مجھے یہ بتاتی تھی کہ یہ قوت میرے ہی کہیں قریب موجود ہے پھر میں نے اپنے کندھوں پر ایک زبردست دباؤ محسوس کیا اور مجھے یوں معلوم ہوا کہ یہ نادیدہ آئینی قوت مجھے ایک طرف بڑھنے کے لیے مجبور کر رہی ہے میں نے اپنی کوشش کی کہ اس طرف نہ جاؤں لیکن بے بسی کا شکار ہونے پر مجبور ہونے لگا

ایک بے جان لاش کی مانند مٹی خاوار جھاڑ یوں کی طرف بڑھنے لگا جن کے درمیان دروازے کی شکل صورت کا ایک وسیع شکاف مجھے فریب جانے پر دکھائی دیا جو نگہی میں اس شکاف میں داخل ہو کر دوسری جانب نکلا تو میرے کندھوں پر دکھا ہونا قابل برداشت ہو جھ فوراً دور ہو گیا شاید اس آسیب نے میرا پیچھا چھوڑ دیا تھا میں نے دیکھا کہ وہ گہری دھند جسے دیکھ کر دہشت طاری ہوتی تھی آہستہ آہستہ فضا میں تحلیل ہو کر غائب ہو گئی میں نے اپنے چاروں اطراف دیکھنے کی کوشش کی اور پھر میرا دل جیسے خوشی اور مسرت سے تاج اٹھا

اس ویرانے میں پنہا لینے کے لیے آخر ایک مکان دکھائی دے ہی دیا سرائے کی طرز کا ایک قدیم مکان تھا جس کے چاروں اطراف خاردار جھاڑیاں اور لمبی گھاس کثرت سے اگی ہوئی تھی

سوراخ پر لگا پاتا کہ جو تھوڑا سا پٹرول باقی بچ رہا ہے وہ ضائع نہ ہو میری بد قسمتی دیکھئے کہ فالتو پٹرول کا آدہ جو میں ہمیشہ ایسے سفر کے لیے ساتھ رکھتا تھا بالکل خالی تھا۔ بالکل خالی تھا حالانکہ میں نے گھیراج والوں کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ یہ آدہ پٹرول سے پر کر دیں مگر وہ بھول گئے تھے خدا کا نام لے کر میں نے موٹر سائیکل دوبارہ سٹارٹ کی میں اس ویران علاقے سے بہت جلد نکل جانے کے لیے بے چین تھا مگر کیا معلوم تھا کہ قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا

ابھی میں بمشکل پون میل ہی گیا تھا کہ موٹر سائیکل نے پھر چلنے سے انکار کر دیا میری پریشانی اور وحشت کا بیج اندازہ نہ کر سکے گا کوئی جو اس وقت کے مطابق نزدیک کوئی گاؤں کم از کم چھ میل پر تھا میں نے جیب سے گھڑی نکال کر وقت دیکھا پورے دس بجے ہیں میرے چاروں اطراف گھپ اندھیرا چھایا تھا اور ہوا میں خشکی لمحہ لمحہ بڑھتی جاتی تھی میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں اطراف پناہ لینے کے لیے کوئی مکان یا کسی کسان کی کھجور کی عمارت کرنے کی کوشش کی مگر اس ہولناک سناٹے کو دیکھتے ہوئے معلوم ہوتا تھا کہ صدیوں سے اس ویرانے میں کسی انسان نے قدم نہیں رکھا اور پھر میں نے محسوس کیا کہ دھند کا ایک گہرا بادلی ہے جو چاروں اطراف سے مجھے اپنے حلقے میں لینے کے لیے آہستہ آہستہ میری طرف بڑھ رہا ہے اس موقع پر اچنبھی نے تھوڑی دیر توقف کیا پھر گویا ہوا۔

مجھے یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اس دھند کو دیکھ کر میری وحشت اور اضطراب میں اور اضافہ ہو گیا میں نہیں جانتا تھا کہ اب کیا کروں اور کدھر جاؤں ایک سنانا میرے گرد و پیش طاری تھا جیسے میں صدیوں پرانے کسی قبرستان میں کھڑا ہوں

کہ شاید دروازہ کھلے مگر اندر سے کوئی جواب نہ آیا
جب میں نے کئی مرتبہ اور زور سے دروازہ ہٹکھٹایا
اندھیرے میں اتنی دیر تک چلتے رہنے کے باعث
میری آنکھیں گرد و پیش کی اشیاء بخوبی دیکھنے پر قادر
ہو چکی تھیں اور حیران تھا کہ عالی شان عمارت کا
مالک یا تو نہایت بے پرواہ قسم کا آدمی ہے یا اسے
اپنے گوشہ قناعت ہی سے لگنے کا موقع نہیں ملتا کہ
اس کی حالت درست کرنے پر توجہ دے۔

دفعتاً میری نگاہ عمارت کی پیشانی پر لگے
ہوئے ایک بڑے سے سفید پتھر پر پڑی جس پر
چند الفاظ لکھے ہوئے تھے پہلے میرا خیال تھا کہ
شاید اس پتھر پر سرائے کا نام لکھا ہوا ہے لیکن بغور
دیکھنے سے پتہ چلا کہ اس پر عجیب معجزہ خیز الفاظ
لکھے ہیں۔

یہاں آپ کا سفر ختم ہوتا ہے۔

میں سوچتا رہا آخر ان الفاظ کا مطلب کیا ہے
مگر سوائے اس کے اور کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ پہلے
پہل جس شخص نے یہ سرائے بنوائی وہ کوئی بڑا خوش
مزاج اور زندہ دل قسم کا آدمی ہوگا ابھی میں اسی پر
غور کر رہا تھا کہ دفعتاً میرے کانوں میں ایسی آواز
آئی جسے مکان کے اندر کوئی شے حرکت کر رہی ہے
پھر دائیں بائیں کی اونچی کھڑکی کی درزوں میں سے
روشنی کی ہلکی ہلکی کرنیں دکھائی دیں اور نورانیہ روشنی
غائب ہو گئی شاید کوئی شخص دروازہ کھولنے آ رہا تھا
لیکن یہ سوچ کر کے دستک دینے والا وہاں چلا گیا
وہ بتی بجھا کر اپنے بستر پر لیٹ گیا ہوگا۔

یہ خیال آتے ہی میں دروازے کو پھینے ہی
والا تھا کہ مکان کے اندر پھر کسی کے ہولے ہولے
چلتے پھرنے کی آواز کانوں میں آئی یہ آواز پیروں
میں سینے والے بھاری سیپروں کے فرش پر گھسٹنے
کی آواز سے ملتی جلتی تھی آہستہ آہستہ یہ آہستہ
مکان کے اندر دہائی حصے سے دروازے کی ابھنی

افتداز زمانہ کے باعث اس سرائے کی دیواروں کا
رنگ سیاہ پڑ گیا تھا اس گھپ اندھیرے میں مجھے
ہی سیاہ ہی نظر آیا بہر حال بیچارگی اور مصیبت کے
وقت اس سرائے نما مکان کا دکھائی دینا میرے
لیے سمندر میں روشنی کے مینار سے کہیں ہم تھا مجھے
یقین تھا کہ یہ مکان ضرور آباد ہوگا اور بے شک
رات کافی چابکی ہے مگر مکان کا مالک یا کوئی بھی
اس میں رہتا ہے ایک اجنبی کے لیے دروازہ
کھولنے میں کوئی ناراضی محسوس نہ کرے گا اور عین
ممکن ہے کہ اس تنہا ماندے اور بھوکے پیاسے
مسافر کو کھانا بھی کھلا دے یہ خیال آتے ہی گرم گرم
چائے اچھے ہوئے اندے کمرے کی بھیجی ہوئی
ران اور شراب سے بھری بوتل کی تصویریں میری
نظروں کے سامنے رقص کرنے لگیں مجھے اپنے
آپ پر ہنسی آئی چند منٹ پہلے مجھے دہشت
اور خوف کی جوز بردست کیفیت مل رہی تھی وہ اب
سکون اور اطمینان میں بدل چکی تھی۔

انسان کی فطرت بھی عجیب ہے ہاتھ کو ہاتھ نہ
دینے والی اس تاریکی میں سرائے کا راستہ تلاش
کرنا بھی کار و بار تھا پھر قدم قدم پر خاردار
جھاڑیاں لیکن جلد ہی مجھے سائے کو جانے والا
راستہ نظر آ گیا۔ ترپ پہنچ کر اس عمارت کے
دھندلے نقوش واضح دکھائی دیے گئے دور سے وہ
چھوٹی دکھائی دی تھی مگر اس میں یہ عظیم عمارت تھی
اس کے بلند دروازے پر بچھ لکھا ہوا تھا۔ جو میں
کوشش کے باوجود پڑھ نہ سکا اونچے اونچے
درختوں کے ایک زبردست جھنڈے نیچا رہے تھے
چلتے میں لے رکھا تھا ایک عجیب بات میں سے یہ
دیکھی کہ عمارت کے چاروں اطراف وہی پراسرار
دھند چھنی ہوئی تھی لیکن یہ دھند اپنی جگہ پر رکی ہوئی
تھی میں نے پوری دل جمعی کے ساتھ دروازے پر
زور دے کر دستک دی اور ایک لمحے تک انتظار کیا

زنجیر کی دل خوش کن کھڑکھڑاہٹ سنی اور لکڑی کا بنا ہوا مضبوط اور بلند دروازہ آہستہ آہستہ کھلنے لگا دروازہ کھلا اور مجھے پہلے اپنے سامنے ایک آدمی کھڑا دکھائی دیا اسے دیکھتے ہی میرے بدن میں خوف کی ایک بھر بھری سی دھڑکنی اور مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے میری ریزہ کی ہڈی پر کسی نے برائی انگلی رکھ دی ہے

وہ ایک پست قامت اور چھوٹے شانوں والا مضبوط جسم کا آدمی تھا جس کا گول چہرہ دودھ کی مانند سفید اور روشن تھا اور بچی کھوپڑی اندھیرے میں چاندی کی طرح چمک رہی تھی گردن سے لے کر ٹخنوں تک اس نے سیاہ رنگ کے مونے کپڑے کا پتہ پہن رکھا تھا مگر ان تمام عجیب باتوں کے علاوہ جس نے مجھے اس شخص کے جسم پر لرزہ ساٹاری کر دیا وہ یہ تھا کہ اس شخص کے چہرے پر نہ بھوین تھیں نہ آنکھیں اس عجیب و غریب شخص کی پشت پر میں نے ایک ٹو جو ران اور بے حد خوبصورت عورت کو دیکھا جو قدیم طرز کا شیخ دان ہاتھ میں لیے کھڑی تھی مرد جتنا ہی بدست اور بد وضع تھا عورت اتنی ہی حسین اور دلکش تھی اس کا جسم سڈول تھا اور سیاہ آنکھیں جن میں سمندر کی سی گہرائی تھی بے پناہ چمکی تھیں کالے لباس میں اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی مانند دکھتا تھا۔

آہ۔ میں اس کا چہرہ کبھی نہ بھول سکوں گا مگر اس خوبصورت اور دلی شگفتہ چہرے پر ایک شے ایسی تھی جیسے دیکھتے ہی میرے دل میں اس عورت کے لیے نفرت اور کراہٹ کے شدید ترین جذبات پیدا ہو گئے خدا جانے کیوں اور وہ شے تھی اس کے ہونٹ شمع کی مدہم روشنی میں اس کے پتلے پتلے ہونٹ کبوتر کے خون کی مانند سرخ تھے جیسے وہ تھوڑی دیر پہلے کسی کا خون پی کر آئی ہو میں نے

محسوس کیا کہ مجھے دیکھتے ہی عورت کا چہرہ پہلے سے زیادہ روشن ہو گیا اور اس کی آنکھیں تارے کی مانند چمکنے لگیں وہ مجھے کئی باندھ کر دیکھنے لگی اس کی نظروں کی تاب نہ لا کر میں نے فوراً اپنی نظریں پھیر لیں ان دونوں کا جائزہ لینے میں ایک منٹ سے زیادہ نہیں لگا

میں نے رک رک کر اپنا حال سنایا اور صرف ایک رات کے لیے مکان میں پناہ لینے کی درخواست کی جتنی دیر میں بولتا رہا وہ دونوں بے حس و حرکت کھڑے میری بات سنتے رہے اور جب میں چپ ہوا تو ایک لمحہ انتظار کے بعد بغیر کسی شخص والے مرد پر اسرار نے اپنی لمبی لمبی سفید انگلیاں آگے بڑھائیں اور میرے چہرے کو ٹٹولنے لگا شاید وہ یہ اندازہ لگا رہا تھا کہ میں کوئی اٹھائی گیارہ یا بد معاش تو نہیں۔ مگر فوراً ہی اس حسین عورت نے جھک کر مرد کے کان میں آہستہ سے کہا

کافی ہے اسے اندر آنے دے۔
میں نے یہ فقرہ سن لیا مگر سمجھ نہ سکا کہ کافی ہے۔ سے اس عورت کی کیا مراد تھی مرد ایک طرف بٹے گیا اور مجھے مکان میں داخل ہونے کا اشارہ کیا اگرچہ میں اس مکان کی ہیئت اس میں رہنے والے ان دو پر اسرار افراد کی شکل صورت لباس اور انداز گفتگو سے کسی قدر سراسیمہ ہو گیا تھا

تاہم اب میرے لیے مکان میں داخل ہونے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا کیا میں اپنے آپ کو اس دیران اور دلہنی علاقے کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا اور صبح ادھر سے گزرنے والے سردی سے لکڑی ہوئی میری لاش پاتے خدا کا نام لے کر میں مکان میں داخل ہو گیا مجھے معلوم نہیں کہ وہ سفید چہرے والا پر اسرار مرد کس طرف کو چلا گیا البتہ عورت نے مجھے اپنے پیچھے پیچھے آنے کا اشارہ

کیا اور پہلی منزل کے ایک کمرے میں لے گئی
میں نے دیکھا کہ چلتے ہوئے اس کے
پیروں سے ہلکی سی آہٹ بھی پیدا نہ ہوتی تھی ابتدا
میں بے شمار بڑے بڑے کمرے تھے وہ مجھے جس
کمرے میں لے گئی شاید وہ خواب گاہ کے طور پر
استعمال ہوتا تھا کیونکہ میں نے ایک ہی نظر میں
دیکھ لاکہ کمرے کے ایک گوشے میں نہایت آرام
وہ بستر موجود تھا اور وہ مسبری جس پر بستر بچھا تھا
فرش زمین سے کئی فٹ اونچی اور اتنی ہی بڑی تھی
کہ اس پر بیک وقت چار پانچ افراد آسانی سے
سو سکتے تھے عورت کمرے سے داخل نہیں ہوئی بلکہ
دروازے ہی میں رکتی تھی اس کے لبوں پر ایک
نجیب پر اسرار مسکراہٹ نمودار ہوئی اس نے
گردن کے اشارے سے رکتی سلام کیا اور واپسی
مزنے ہی والی تھی کہ میں نے جلدی سے نہایت
عاجزانه انداز میں درخواست کی۔

کیا کھانے کے لیے کچھ مل سکتا ہے عورت
نے نفی میں سر ہلایا میری یہ درخواست بے کار
ثابت ہوئی اس کے سرخ سرخ لبوں پر مزید مبہم
چھا گیا یہاں تک کہ مجھے اس کے سفید چمکے دانت
دکھائی دیئے جو غیر معمولی طور پر لمبے اور نوکیلے تھے
پھر اس نے دروازہ بند کیا اور چلی گئی۔

اب میں کمرے میں تھا میں نے کمرے
میں چاروں اطراف گھومتی ہوئی نظر ڈالی یہ ایک
دستخ و در عریض کمرہ تھا ایک گوشے میں ہاتھ منہ
دھونے کی ایک چھوٹی سی میز لگی ہوئی تھی جس کے
قریب ہی چند تولیے لٹکے رہے تھے جنونی دیوار
کے ساتھ ساتھ پرانی طرز کی کئی بڑی بڑی کرسیاں
بھی ایک قطار میں رکھی تھیں اور اس کے مقابل کی
دیوار کے ساتھ شاہ بلوٹ کی نگڑی کی بنی ہوئی ایک
بے حد مضبوط اور بھاری الماری کھڑی تھی مسبری کا
ذکر میں پہلے ہی کر چکا ہوں کمرے کی مغربی دیوار

کے ساتھ کونے میں ایک ہی کھڑکی تھی جو مجھے بند
دکھائی دی اور اسی طرف وہ دروازہ تھا جس سے
میں کمرے میں داخل ہوا تھا بستر کے قریب کونے
میں تاپنے کا بنا ہوا ایک نہایت وزنی اور کئی فٹ
اونچا لمب بھی بڑا تھا جس پر گرد کی موٹی تہیں جمی
ہوئی تھیں زرد روشنی میں کمرے کی تمام چیزیں مجھے
ایک خواب کی مانند دکھائی دے رہی تھیں مشرقی
دیوار کے ساتھ کوئی شے نہ تھی البتہ ایک چھوٹا سا
دروازہ ضرور دکھائی دیا جس میں قفل لگا تھا
میں نے ایک سوراخ میں سے جھانک کر دیکھنے کی
کوشش کی مگر کچھ دکھائی نہ دیا کہ اس کمرے میں کیا
ہے کیونکہ وہاں بڑا اندھیرا تھا

شدید ٹھکن کے باعث میرا جسم ٹوٹ چکا تھا
اور میرے کپڑے خاک و مٹی میں اٹ گئے تھے
میں نے سوچا اگر اس وقت گرم گرم پانی سے
نہالوں تو کیا ہی اچھا ہو مگر افسوس کہ یہاں نہانے
کا انتظام نہیں میں نے سونے کی تیاریاں شروع
کیں اور اپنا کوٹ اتار تب مجھے پھر حینہ کا خیال
آیا جو مجھے اس کمرے میں پہنچا گئی تھیں میں نے
اپنے دل میں سوچا کہ سمجھ میں نہیں آتا آخر ایسی
حسین اور جوان عورت اس اندھے مرد کے ساتھ
اس ویران مکان میں کیوں اور وہ آدمی تو مجھے اس
دنیا کی مخلوق ہی معلوم نہیں ہو رہا تھا ضرور کوئی
بدروح ہے مگر اس بدروح کے ساتھ اس عورت کا
کیا تعلق ہے

جسم کے ساتھ میرا ذہن بھی تھک گیا تھا اس
لئے میں اپنے ہی سوال کا کوئی تسلی بخش جواب نہ
دے سکا البتہ میں نے یہ طے کیا کہ صبح ضرور اس
عورت سے اس معصے کا حل دریافت کرنے کی
کوشش کروں گا بستر پر لیٹتے ہوئے ایک دفعہ پھر
میرے دل میں گرم گرم فطرت کی زبردست خواہش
پیدا ہوئی تب مجھے یاد آیا ممکن ہے وہ چھوٹا سا

دروازہ جس میں قفل لگا ہے کسی غسل خانے کا دروازہ ہو اسے کسی ترکیب سے کھلنا چاہیے میں بستر سے اٹھ کر اس دروازے کے قریب گیا اور دروازے کا بغور معائنہ کیا پھر ہاتھوں کی پوری قوت سے اسے کھولنے لگا مگر اس میں اندر کی طرف قفل لگا تھا میں ہمیشہ کئی قسم کی چابیوں کا گنجھا اپنے ساتھ رکھتا ہوں میں نے کوٹ کی جیب سے یہ گنجھا نکالا اور باری باری ہر چابی تالے کے سوراخ میں آزمانے لگا یہ کوشش آخر بار آور ثابت ہوئی اور ایک چابی سے قفل کھل گیا۔ دروازہ کھلتے ہی دل خوش ہو گیا کیونکہ یہ واقعی غسل خانہ تھا مگر تھا بے حد غلیظ خدا معلوم کتنے عرصہ سے اس میں صفائی نہیں ہوئی تھی اس لیے میں نے جہاں موم بتی تلاش کرنی چاہی عمر آپ کو معلوم ہے انسان کو وقت پر دہی شے نہیں ملتی جس کی اسے ضرورت ہوتی ہے میں نے سوچا لعنت بھیجوا اگر روشنی نہ ملے تو کیا غصہ ہو جائے گا کیا غسل اندھیرے میں نہیں کیا جاسکتا یہ سوچ کر میں نے ٹنکی میں لگی ہوئی ٹوٹنی کھول دی نہایت مدھم روشنی میں میں نے دیکھا کہ ٹوٹنی میں سے پانی کی پتلی سی دھار نکل کر غسل کرنے کے بڑے سب میں گری مگر آہ گدلا اور سیاہ رنگ کا جس میں سے دھب کی بو آرہی تھی اور پھر پانی کی ٹنکی اور لوہے کے پائپوں میں سے خرخر کر کے عجیب آواز نکلتے لگی اب میں نے نہانے کے سب پر نظر ڈالی یہ بھی قدیم طرز کا تھا اور اس کا معلوم ہوتا تھا جیسے صدیوں سے اسے کسی نے استعمال نہیں کیا پہلے تو میں نے سوچا نہانے کا ارادہ ترک کر دینا چاہیے مگر کپڑے اتار چکا تھا لہذا طے کیا کہ کم از کم ہاتھ پیر ہی صاف کر لوں جو بے حد گرد آلود تھے پس میں نے پتلون اور جرابیں بھی اتار لیں اور اپنے بستر پر رکھ کر واپس غسل خانے میں آیا میرے دل میں سے اب اس مکان کی

دیرانی اور بدردھوں کا سارا خوف دور ہو چکا تھا میں خوشی سے سیٹی بجاتا ہوا پانی کے سب میں بیٹھ گیا۔

میرے سر پر پانی کی پتلی سی دھار پڑنے لگی مگر دفعتاً میرا سانس جہاں تھا وہیں رک گیا خدا کی پناہ یہ کیا چیز تھی جو میرے بدن پر چپک رہی تھی میں نے غور سے سب میں دیکھا اور پھر جیسے میری راج کھینچ کر صلیب میں آگئی کیا دیکھتا ہوں کہ سب کے نیچے اور چاروں کناروں پر تازہ خون کی گہری تہہ جمی ہوئی ہے میرے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی اور میں اچھل کر سب میں سے باہر نکلا اور پھر مجھے کچھ خبر نہیں رہی کہ میں جہاں ہوں خدا جانے میں کتنی دیر بے ہوش رہا شاید اس پانچ درہ منٹ جب ہوش آیا تو میں نے اپنے آپ کو دی مکر وہ اور غلیظ سب کے پاس پڑے ہوئے پایا میرے ہاتھوں پیروں پر خون جم کر رخت ہو گیا تھا پیسے فوراً احساس ہوا کہ یہ خونی حیوانی نہیں انسانی ہے اس چانک اور لرزہ خیز دریافت نے میرا ذہن قطعی بالکل کر دبا چند لمحوں تک میں سر پکڑے اسی طرح بیٹھا رہا۔

ایک دیران مکان کے اندر آدھی رات کو انسانی خون سے بھرے ہوئے سب میں غسل کرنے کا حادثہ اتنا بھیانک اور دلچسپ انگیز تھا کہ اس نے میری تمام ذہنی و جسمانی قوتیں سلب کر لی تھیں۔ میں اسے یقیناً ایک وہم یا خواب سے زیادہ اہمیت نہ دیتا اگر خون کے جیسے ہوئے دھبے سے میرے بدن پر چپنے نہ ہوتے مگر یہ خون ان امر کی شہادت دیتا تھا کہ میرے ساتھ جھپٹتا ایسا حالہ پیش آیا ہے چند منٹ بعد جب میرے اعصاب کچھ پرسکون ہوئے تو میں اٹھا اور کمرے میں جا کر توڑے سے ہاتھ پیروں پر جما ہوا خون بمشکل صاف کیا بلاشبہ یہ انسانی تھا اور بالکل

تازہ اب میں نے سوچنا شروع کر دیا کہ یہ خون کہاں سے آیا اور جو بدنصیب مارا گیا ہے اس کی لاش کہاں چھپائی گئی ہے بستر پر کھڑا بنا ہوئے میں خدا جانے کئی دیر تک اسی فکر میں گم رہا شاید پانچ یا دس منٹ مگر یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے ایک زمانہ بیت گیا ہے دہشت سے میرے جسم کا ہر روتلا کھڑا ہو گیا تھا اور دل دھک دھک کر رہا تھا میں نے اپنے کپڑے دوبارہ پہنے کیونکہ اب آنکھوں سے نیند غائب ہو چکی تھی اور ایک ایسی بھانک جگمگ جہاں انسانی خون بھرا ہوا تھا کسی شخص کا سونا قطعی ناممکن تھا خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کون بدنصیب تھا جس کا خون بہایا گیا ہے اور کسی نے بہایا ہے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کسی قوی السبب جو تک نے اس کا خون چوسا ہو اور پھر اسے نب میں خارج کر دیا ہو۔

جو تک ۔۔ بجلی کی مانند میرے ذہن میں یہ خیال چمکا اور پھر اس سفید پتھر کے والے اندھے کی بھانک تک شکل آنکھوں کے سامنے گھومتی گئی مجھے کمرہ گھومتا ہوا نظر آیا اب خدا یا۔ کیا اس کی شکل جو تک سے مشابہت نہیں رکھتی خون سرد ہو رہی کی موت میں جس نے لگا اس عفریت کا اگلا شکار کون ہوگا میرا بدن خشک ٹہنی کی مانند کا پٹنے لگا میں اٹھا اور لپک کر کھڑکی کی طرف بڑھا اور اسے کھولنے لگا فرار کا یہی راستہ تھا پوری قوت چلے ساتھ میں نے کھڑکی کے دونوں پتے کھولے مگر آہ اس راستے سے باہر جانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا کیونکہ اوپر کی چوکھٹ سے لے کر نیچے کی چوکھٹ تک کھڑکی میں ڈیرہ اچھ موٹی چھ جھنکی سلامتی لگی ہوئی تھیں جنہیں شاید ہر کوئیں بھی اپنی جگہ سے نہیں نہ دے سکتا وہاں سے میں دروازے کی طرف لپکا میں بے سود دروازہ باہر سے مقفل تھا اب میں دروازے کے قریب کھڑا اس سوچ میں غرق تھا

کہ فرار ہونے کے لیے کیا طریقہ اختیار کروں۔ دفعتاً مکان میں پھر کسی کی نقل و حرکت کی ہلکی سی آواز کانوں میں آئی۔ جیسے کوئی دبے پاؤں چل رہا ہو یہ آواز آہستہ آہستہ قریب آرہی تھی یہاں تک کہ میرے کمرے کے باہر پہنچ کر ایک سخت تھم گئی میں دہشت سے آنکھیں پھاڑے دروازے کی طرف دیکھتا رہا پھر میں نے ایسی آواز سنی کہ دروازے کے اندرونی قفل میں جاپی گھمائی جا رہی ہو اور پھر میری طرف دروازے میں لگا ہوا گول دست آہستہ آہستہ گھومنے لگا اور دروازہ بغیر آہست پیدا کئے ہوئے دو تین انچ کے قریب کھل گیا مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کمرے کے دروازے نے میرے پیر جکڑ لیے ہیں اور میں کوشش بھی کروں تو اپنی جگہ سے جنبش نہیں کر سکتا میرا کلیجہ اچھل کر حلق میں آ گیا تھا اور مفلوج جسم پسینے سے تر ہو رہا تھا۔

آہ وہ بیت ناک اور بھانک خاموشی مجھے ساری عمر یاد رہے گی یہاں تک کہ خوف سے میرے دانت بچنے لگے غسل کی تسلی میں سے پانی قطرہ قطرہ مہ میں گر رہا تھا اور اس کی آواز بڑی دراؤنی تھی دروازہ تھوڑا سا اور کھلا اور میں پوری قوت جمع کر کے چلا یا۔

آہ وہاں جو کوئی بھی ہو نو را چلا جائے۔ یہی الفاظ تھے جو میرے حلق سے ایک بار ایک اور لرزتی ہوئی آواز بن کر بمشکل ادا ہوئے تھے پھر میں نے پاٹوں کی طرح کھلے ہوئے دروازے پر اپنا پورا بوجھ ڈال کر اسے زور سے بند کر دیا دروازے کے باہر قدموں کی چاپ ایک مرتبہ پھر سنائی دی جو آہستہ آہستہ دور ہوئی اور پھر غائب ہو گئی میں دروازے کے ساتھ چمنا ہوا بری طرح غائب رہا تھا جب میں نے پورا اطمینان کر لیا کہ باہر کوئی نہیں تو میں نے دروازہ کھولا چاہا مگر وہ

باہر سے بند تھا میں اب ہر قیمت پر یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا مگر سوال یہ تھا کہسے عین ممکن تھا کہ وہ خون آشام جو تک جو آسانی شکل میں بھی دوبارہ اس طرف رخ کرتی دفعتاً میری نظر کمرے میں رکھی ہوئی لکڑی کی بھاری الماری پر پڑی میں نے سوچا کہ یہ الماری دروازے کے ساتھ لگا دینی چاہیے نہایت مشکل سے وہ بھاری الماری کھینٹ کھینٹ کر دروازے کے قریب لایا اور اسے دروازے سے اب کوئی آسانی کے ساتھ نہ آ سکے گا کمرے میں لب بدستور جل رہا تھا میں نے جیب سے گھڑی نکال کر دیکھی پورے بارہ بجے تھے اور صبح ہونے میں کئی گھنٹے باقی تھے میں اب بستر پر لیٹ گیا اور صبح ہونے کا انتظار کرنے لگا جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں مسہری بہت بڑی تھی اور اس کے چاروں اطراف گہرے سو پردے لکڑی کے بانسوں کے ساتھ لٹک رہے تھے اور مسہری کے اوپر چھت گیر ایک بہت بڑا چھتر تھا جیسا کہ پرانے زمانے میں بستر کی خوبصورتی کے لیے استعمال ہوتا تھا میں بستر پر لیٹا ہوا اس خوبصورت مکان کو دیکھنے میں محو تھا کہ اچانک میری نگاہ ایک کیسی شے پر پڑی جسے دیکھ کر مجھے ہمیشہ کراہت ہوتی ہے یہاں ایک بہت بڑی لکڑی تھی جس نے میرے سر کے نیچے اور پر چھتر کے درمیان لگی ہوئی ایک لمبی اور نوسیل انی سلاخ سے لے کر مسہری کے ایک کونے تک وسیع جالانان رکھا تھا میرا خیال تھا کہ چھتر کے درمیان لوہے کی یہ نوکیل سلاخ شاید لائین یا لپ وغیرہ لٹکانے کے کام میں آتی ہوگی مگر اب جالے کے عین درمیان میں بیٹھی ہوئی تھی اور مجھے دیکھ رہی تھی میں اسے دیکھتا رہا دیکھتا رہا یہاں تک کہ میری آنکھیں غیند سے پھر بوجھل ہونے لگیں۔

جج کہا کہ نیند تو سولی پر بھی آ جاتی ہے

میں نے آنکھیں کھلی رکھنے ک ہزار کوشش کی مگر بے سود اور چند لمحوں بعد میں بے خبر سو رہا تھا دفعتاً میری آنکھ کھلی کہ وہ بڑی مکڑی اپنے جالے سے گر کر میرے دائیں گال پر آن پڑی اور پھر ریختی ہوئی گردن کی طرف بڑھی میں دبشت زدہ ہو کر ایک طرف اچھلا اور عین اسی لمحے چھتر میں سے لوہے کی بھاری نوکیل سلاخ سنسان ہوئی نکلی اور بستر میں کھس گئی اگر ایک سیکنڈ کی تاخیر ہو جاتی تو وہ سلاخ میرے سینے میں پوست ہو چکی تھی مگر اس فحش نے میری جان بچائی اور تب میں نے محسوس کیا کہ چھتر کے درمیان میں اس اتنی سلاخ کو لگانے کا اصل مقصد کیا ہے۔

آہ کسی بد نصیب کو حالت خواب میں قتل کرنے کی اس سے بہتر ترکیب اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی اب میں نے غور سے سوچا کہ اس نوکیل سلاخ کو دیکھا جو بستر میں گڑی ہوئی اس کی بناوٹ بالکل نیزے کی اھارانی کی مانند تھی اور غالباً لکڑی کی وہ چھتر جس میں انی کسی ترکیب سے لٹائی گئی ہوگی چھتر کے اندر ہی رہ گئی تھی انی جب گری تو مکڑی کا جالانٹ گیا اور یقیناً مکڑی کو پہلے سے پھنسا گیا ہوگا کہ چھتر کی سلاخ میں جنہش ہو رہی ہے اور پھر یہی خوفزدہ ہو کر میری گردن پر آن گری اور میں نیزے کی انی سے ہلاک ہوتے ہوتے بچا۔ اب میں کمرے کے درمیان کھڑا سوچ رہا تھا کہ مصیبت سے بچنے کے لیے کیا کرنا چاہیے کہ دفعتاً دروازے کے باہر میں نے پھر نقل و حرکت کی وہی پراسرار آواز سنی جو اس سے پہلے وہ دفعہ سن چکا تھا مگر فوراً ہی ہلکی آواز سنی تو پھر وہ غائب ہو گئی مجھے خیال آیا شاید یہ وہم میرے اعصاب کے باعث پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ کئی لمحے تک میں سانس روکے اور دروازے سے کان لگائے یہی آواز دوبارہ سننے کی کوشش کرتا رہا

لاش کو وہ ڈھونڈ رہا تھا بستر اس سے خالی ہے اندھا
شیطان بلی کی مانند غرایا اور پیچھے ہٹا اس کی آواز
سن کر چل بھی کمرے میں آگئی اور پہلی نظر میں
ڈالتے ہی اسے صورتحال کا صحیح اندازہ ہو گیا تب
عورت نے مرد کا بازو پکڑتے ہوئے آہستہ سے
کہا۔

جلدی کر غسل خانے میں۔

یہ سنتے ہی وہ مڑا اور دے پاؤں غسل خانے
کی طرف بڑھا اب وقت صبح کی گرتا لا حاصل تھا
مجھے ہر قیمت پر اپنی جان بچانی تھی میں نے اس
غسل خانے میں اوپر نیچے چاروں
اطراف دیکھا منگی کے اوپر کوئی شے چھپتی ہوئی
دکھائی دی تو وہ تو کھلے آسمان پر ایک تارا چمک
رہا تھا پھر تیلی جی کی مانند میں پائپ کے سہارے
چڑھ کر اس سوراخ تک پہنچ گیا جس میں اتنا
شکاف تھا کہ میں مڑ کر اوپر صحت تک پہنچ سکتا تھا
اس شکاف تک پہنچنے میں میرا حاشی پھول گیا میں
ایک لمحے کے لیے رکا عقبن اور سر اندھا کا ایک ناگوار
پتھر مجھے اپنے نتھنوں میں گھستا ہوا محسوس ہوا۔ اتنے
میں عورت اور مرد دونوں غسل خانے میں داخل
ہوئے پہلے عورت نے تب میں جھانکا اور کمر سیدھی
کر کے نظر ہی ہو گئی اور مرد سے کچھ کہا اب
میں نے دیکھا اس کے ایک ہاتھ میں تیز چمکتی ہوئی
ایک کلبازی بھی ہے اور پھر وہ نہایت بھیا تک
انداز میں قویہ لگائے گئی۔

نیچے اترو۔ عورت نے دھاڑ کر کہا۔ اس

کمرے میں رہنے کا معاوضہ تمہیں ادا کرنا ہوگا۔

اور جب میں نے کوئی حرکت نہ کی تو عورت

کا دھیانہ پن عود کر آیا اس نے ایک ہاتھ میں

پلڑی ہوئی جمع مرد کے ہاتھ میں تھما دی اور پھر لی

سے پائپ پر چڑھنے لگی ایک سیکنڈ اور دیر ہوئی تو

اس نے مجھے ناگک سے پکڑ کر گھسیٹ ہی لیا تھا مگر

اور جب وہی آواز بلاشبہ سنائی دی مگر اس مرتبہ یہ
آواز اس دیوار کے عقب سے آئی تھی جس کے
ساتھ مسہری لگی ہوئی تھی اور یوں سنائی دیا جیسے
دیوار کھرچی جا رہی ہو اس میں سے کوئی شے نکالی
جا رہی ہو۔ اور پھر کوئی جن دباے جانے کا کھنک
بھی سنائی دیا میں نے محسوس کر اس طرف دیکھا
آہستہ آہستہ دیوار میں ایک چھوٹا شکاف نمودار
ہو رہا تھا جس میں سے شمع کی پھم روشنی کی
کرنیں کمرے میں داخل ہو رہی تھیں میں نے
پلک جھپکتے میں کمرہ عبور کر لیا اور جلتے ہوئے پلپ
کو گل کر دیا اور کوشش کی کہ دہشت سے اپنے
اعصاب کو بچائے رکھوں پھر میں پلک کر اس غسل
خانے میں کھس گیا جہاں جاتے ہوئے روح فنا
ہوئی تھی اور دروازے کی اوٹ سے دیکھنے لگا کہ
اب کیا واقعہ ظہور میں آتا ہے میں نے دیکھا دیوار
میں نمودار ہونے والا شکاف آہستہ آہستہ اتنا چوڑا
ہو گیا ایک آدمی اس میں سے بخوبی نکل سکتا تھا پھر
مجھے دو سفید ہاتھ دکھائی دیے جو اس شکاف کو منہ
رہے تھے اور دوسرے ہی لمحے بغیر آنکھوں والا وہ
غیبی انسانی شکل میں تھا کمرے میں داخل ہو گیا
ایک سیکنڈ کے لیے وہ بے حس و حرکت کھڑا کان
لگائے کچھ ستاربا پھر فضا میں ادھر ادھر ہاتھ
چلاتا ہوا بغیر آہستہ کے میرے بستر کی طرف بڑھا
پھر میں نے دیکھا شکاف کے پیچھے وہی خوبصورت
چیزیل ہاتھوں میں شمع دان میں سے گھڑی ہے اس کا
چہرہ ان سفاکانہ حرکتوں کے باعث چمک رہا تھا
اور شیطانی آنکھیں دکھتے ہوئے آنکھوں کی
طرح سرخ تھیں جنہیں دیکھ کر میں کا پ کر رہا تھا
آدمی اب بستر کے قریب پہنچ چکا تھا اس نے آہستہ
آہستہ سے اچانک بستر پر یوں پھیرا جیسے کچھ
پکڑنے کی کوشش کر رہا ہو پھر اس کے ہاتھوں نے
لوہے کی انی کو چھوا اور فوراً یہ محسوس کر کے جس

طرح اس کے سیاہ چننے نے شمع کی لو کو چھو لیا ہوگا
اندھے نے اپنے بچنے کی تدبیر کی ہوگی لیکن کمرے
کے دوسرے سامان نے بھی آگ پکڑ لی ہوگی دفعتاً
ایک جھٹکے کے ساتھ اس نے اپنا دایاں ہاتھ کوٹ
کی جیب سے نکالا اور ڈاکٹری آنکھوں کے سامنے
کر دیا اس کی چاروں انگلیاں کٹی ہوئی تھیں
اور ہاتھ بے ترتیبی سے بندھی ہوئی ڈھیلی ٹیوں پر
تازہ تازہ خون جما ہوا تھا۔

قارئین کرام کیسی لگی میری یہ کہانی اپنی
رائے سے مجھے ضرور نوازے گا مجھے آپ کی رائے کا
شدت سے انتظار رہے گا۔

غزل

محبت کے کنول کھلا کر دل میں کیا کر رہی ہے
اندھیرا ہوں میں چاہت کے چراغ جلا کر لیا کر رہی ہے
درد ہے دھوکہ ہے آوارہ باہل ہے دنیا
اپنے آپ سے نہ بنی دنیا سے بنا کر کہا کر رہی ہے
کھنٹن تم اپنی قسمت کا کھنٹا تبدیل کر لیتے
تو شاید ہم بھی اپنا راستہ تبدیل کر لیتے
اگر ہم واقعی کم غصہ ہوتے محبت میں
مرض بڑھنے سے پہلے ہی دروا تبدیل کر لیتے
تمہارے ساتھ ملنے پر جو دل راضی نہیں ہوتا
بہت پہلے ہم اپنا فیصلہ تبدیل کر لیتے
تمہیں ان موسوس کی کیا خبر ملتی اگر ہم بھی
محنتوں کے خوب سے آب و ہوا تبدیل کر لیتے
تمہاری طرح جینے کا ہنر آیا تو پھر شاید
مکان اپنا دہی رکھتے پتہ تبدیل کر لیتے
جدا ہی بھی نہ ہوتی زندگی بھی مسہل جاتی
ختم ہم اک دوسرے سے مسئلہ تبدیل کر لیتے
ہمیشہ کی طرح اس بار بھی ہم بولی اٹھے درد
مواہی دینے والے واقعہ تبدیل کر لیتے
حماد حسین، یاشیناوا

میرا جسم آسانی سے اس سوراخ میں داخل ہو گیا
اور میں نے بغیر سوچے مجھے باہر جھلانگ لگا دی
اف خدا کیا کیا جان کروں میں گوشت اور ہڈیوں
کے عظیم ڈھیر پر گراؤں پندرہ لاشیں جن کے عضو
عضو جدا تھے خدا جانے کب سے پڑی سڑ رہی
تھیں میں اندھا دھند دوڑتا ہوا چلا گیا عورت چھٹی
چلائی اب میرے تعاقب میں بھی لکڑی کا ایک
زینہ دوسری منزل کو جاتا تھا میں فوراً اس پر
چڑھتا ہوا دوسری منزل کی چھت پر پہنچ گیا اب
میرے سامنے فرار کی تمام راہیں مسدود ہو گئیں
خوبصورت چڑیل یہ سمجھ کر کہ اب یہ بچ کر کہاں
جائے گا مجھ سے دس فٹ کے فاصلہ پر رک کر
وہشاندہ انداز میں تھمتے لگانے لگی اور کھانڈی
گھمانے لگی میرا سارا جسم برکت کی مانند سر د پڑ گیا
عورت اپنے سفید چپکے دانت چبھتی ہوئی آہستہ
آہستہ میری طرف بڑھی میں نے مضطرب ہو کر
چاروں طرف دیکھا ایک اونچے درخت کی چند
شاخیں چھت سے دو تین فٹ کے فاصلہ تک پھیلا
تھیں کئی تھیں میں نے دیوار پر ایک ہاتھ رکھا
اور دوسرے ہاتھ سے شاخ کو پکڑ لیا۔ دوسرے ہی
لمحے وہ بلا مجھ پر چھینی اس نے کھانڈی گھمانی
اور مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے دیوار پر رکھا ہوا
میرا دایاں ہاتھ سن ہو گیا ہے درخت کی شاخ میرا
بوجھ سنبھال نہ سکی اور ترازو سے ٹوٹ گئی میں
ڈھرام سے مٹی جھاڑیوں پر گر اچھٹ کا خدشہ کس
بد نصیب کو تھا میں اٹھا اور پاگلوں کی طرح جنگل
میں بھاگا اور ایک دو میل تک بھاگتا رہا آہستہ
مڑ کر دیکھا تو جس مقام پر سرائے تھی وہاں آسمان
سرخ ہو رہا تھا اور پھر میں نے اونچے اونچے شعلے
دیکھے جنہوں نے سرائے کی عمارت کو اپنی لپیٹ
میں لے لیا تھا میرا خیال یہ ہے کہ عورت نے وہ سرائے
اندھے کے ہاتھوں میں پکڑا دی تھی اور پھر کسی

بکھرے موتی

۔۔ تحریر ۔۔ کاشف عید کاوش ۔۔ بڑے موڑی بنگلہ رام ۔

فیاض ایک سال سے گھر سے گم ہو گیا تھا اصل میں دو گم نہیں بلکہ دو اپنا گھر چھوڑ کر کسی دوسرے شہر میں چلا گیا تھا وہاں اس نے اپنے شخص کی خدمات حاصل کی جو چادو نو نہ عمل کرنا دیکھ کر ناگوار کرنا جانتا تھا فیاض نے انہی سے بھاری معاوضے کے عوض ایک ایسا عمل سیکھ لیا جس سے وہ مہوش کو وقار قریبی سے جدا کر سکے ساتھ ساتھ اس نے ایک سال میں بہت عملیات دیکھ لیے یعنی اب وہ بھی ایک قسم کا چادو نو بن گیا تھا مگر جب اپنے گاؤں آیا تھا خود کو وہی پہلا وہلا فیاض ظاہر کرنے لگا تھا وہ مہوش سے کہتا تھا پاپا بتانا گھر دیو کا گھر مہوش نے ہتھ مال پہلے نہیں تھپڑ مار کر ہمیشہ کے لیے ان سے جدا ہو گئی تھی فیاض کے دل میں یہی خیال تھا والد کا انتقال اب بھی آیا تھا۔ بڑا پسینے کے لیے اس نے گاؤں کے قبرستان میں تین راتیں بھی گزاریں تھیں چار مہینے کی طرح مہوش کے گھر کے چاروں طرف دم کی بو نہ رہی تھی والدی ان کے والدین کے نام پر نوے قبر میں دو قبریں قلمبر کے دھڑے بھی دفن کیے کچھ نکل کر کے پھر اس کے مہوش اور وقار کے نام پر دو پتھر ندی میں پھینک دیے ان کے بعد اس نے چھوڑ دیا گھر پر لکھ کر ایک پرانے دروازے کے ساتھ جڑوں میں دفن کر دیے اس کے ساتھ دس سال پرانا ہوا تو فیاض نے خجدار کرنے کے لیے مہوش کو ڈال دیا جی کہ اب وقار وہ مہوش کی جی ایک نہیں ہو سکتے مہوش نے وہ خوف میں ہلا کر کے فیاض گھر آکر آخری ٹھکانے میں پورا کیا وہ چھ گھر سے چھ دنوں کے لیے بھی نہیں ملتا تھا ان دنوں ۔ ایک خوفناک کہانی ۔

وہ کہان خاصہ تنگ تھا صبح سے آسمان میں بادل دھندھکھیل رہے تھے جو ابھی خوش گواری کے حد سے زیادہ بھی سورج کبھی چمکتا تو کبھی بادلوں کے اوتار میں چھپ جاتا یہ مارچ کا پہلا ہفتہ آخری دنوں میں تھا ایک آدھ پھول پودے نے بھی نئی جہنم جاسپائی ہوئی تھی ہر طرف پر زنی روح اب بہار کے انتظار میں تھا سردی کا شکنجہ موسم کے ٹکھن دن رات گزار کر ہر ذی روح اب دلبرداشتہ ہو گیا تھا اب بس انتظار تھا تو صرف بہار کا اور بہار تھا کہ اپنی معمول کے مطابق ست رفتاری سے آنے کا عادی تھا بس ہر کوئی تاک میں بہار کے بیٹھا تھا ایسے میں مطلقاً باد شہر کے علاقہ رحیم کوٹ میں ایک برابر درجے کے

اسلول میں جو کہ صرف دھم ٹپ تھا میں کلاس نیم میں کلاسی ٹیچر کے ساتھ ایک خوبصورت لڑکی داخل ہوئی جو لڑکی آتی تھی آج اس کا پہلا دن تھا داخلہ کر کے اس سے نیم کلاس کے کلاسی ٹیچر کے گھرانی میں اپنے تعلقہ کلاس تک آتی تھی وہ نزدیکی گاؤں سے پڑھنے کی غرض سے آتی تھی لڑکی کو کلاس میں لڑکیوں کے پاس بٹھا کر استاد نے پہلا پیریڈ لکھا پیریڈ ختم ہونے کے بعد کلاس ٹیچر نے نئی آئی ہوئی لڑکی کا نام مہوش ریاض بتایا اور کہا کہ یہ بڑی ذہین لڑکی ہے مری گاؤں سے آتی ہے ۔

اس کلاس میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں ایک ساتھ تعلیم سے محروم تھے لڑکیاں آکر جی



ساتھ تھیں جبکہ لڑکے بچپس کے قریب تھے ان لڑکوں میں اٹھارہ سالہ وقاص قریشی اور انیس سالہ عدنان قریشی بھی تھا مگر وقاص قریشی آج نہیں آیا تھا البتہ عدنان قریشی ضرور آیا تھا۔

کلاس میں سارا دن لڑکوں کی نظریں مہوش پر جمی رہی تھی ہر لڑکا اور لڑکی اس کو شک بھری نگاہوں سے دیکھتے رہے کیونکہ وہ اسی تھی کے دل کھینچنے لگے بار بار نگاہیں اس کی جانب بے اختیار اٹھ جاتی جبکہ مہوش کو یہ حرکتیں کہ وہ انہیں اپنی جانب متوجہ کرنے کی کوئی موقع باتھ سے جانے نہیں دیتے تھے جبکہ مہوش کو یہ پسند آتی کلاس میں اور بھی لڑکیاں موجود تھیں مگر مہوش سب پر بھاری رہی سارا دن لڑکے مہوش کو اپنی جانب متوجہ کرنے کی ہزاروں نکتے آزماتے مگر سب بے کار جاتے مگر مہوش نے کسی لڑکے کو ہاس تک نہیں ڈالا اور لڑکیوں سے باتیں کرتی رہی۔

یار وقاص تم آج سکول کیوں نہیں آئے عدنان قریشی نے اپنے کزن وقاص قریشی آج سکول نہ آنے کی وجہ پوچھی تھی عدنان قریشی نے وقاص قریشی کزن وقاص قریشی کے گھر آیا تھا ان کے کمرے میں اس کے سامنے بیٹھ کر ان سے ہمکلام تھا یہ شام کا وقت تھا وقاص قریشی نے چاہے سے چپکے بھری اور بالا آج بس ذرا سا بکار تھا تو اس لیے ویسے کیوں پوچھ رہے ہو وقاص نے جواب دیے کے ساتھ سوال بھی پوچھا۔

میں تو میں ایسے ہی عدنان قریشی نے صفائی پیش کی۔ ویسے یار آج کلاس میں نئی لڑکی آئی ہے قریشی گاؤں سے بڑی انہیں ہر کوئی اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش میں لگے رہیں مگر شاید وہ کو یاثر مار رہی تھی یا انہیں لڑکوں کی یہ حرکتیں پسند نہ آئی تھیں عدنان قریشی تفصیل سے بیان گو تھا۔

اچھا تو تمہیں بھی وہ پسند آتی میں ابھی جا کر بھابی سے تمہاری شکایت کرتا ہوں پھر ہو گا تماشا یہ نئی محبت کا وقاص نے ساری بات سن کر عدنان قریشی کو چھیڑا۔ تا بھی نا۔ عدنان قریشی نے جلدی سے اپنی طرف سے صفائی پیش کرنے کی کوشش کی تمہاری پیاری بھابی بھی مجھے کافی ہے میں صرف ان سے ہی محبت کرتا ہوں اور ان سے ہی شادی کروں گا پھر کیا ضرورت دوسری سے بیگنے لڑانے کی عدنان قریشی نے اپنی طرف سے کوشش کی کہ وہ بات کا جھگڑنا بنا میں اتنا تو پھر شک سے میں کل اسکول جان کر اس حسن کی پری کو کھو گا کہ یہ واقعی اتنی خوبصورت ہے کہ ہر لڑکے کی نظریں آج اس پر جمی رہی ہیں وقاص قریشی نے جواباً کہا ایک جانب دیکھئے لگا عدنان قریشی بغیر ہاتھ سے اس کا منہ نہ کھٹکے لگا تھا۔

تم نے مجھے چھونے کی کوشش بھی کیسے کی ہے شرم بے غیرت بے حیا مہوش ریاض نے ایک مہٹ سے فیاض کی پھینک کر سید کر کے اسے بھروسے دور کرنے کی کوشش کی۔

فیاض جو مہوش ریاض کا نیا نیا فریڈ بنا تھا کچھ دن پہلے کراچی سے آیا تھا مہوش ریاض کے دور کا رشتہ دار تھا آج گاؤں سے ذرا دور دو گھنٹے میدان میں ان دونوں کی تیسری ملاقات تھی لوگوں کی نظروں سے پناہ ہو کر دونوں نے تیسری بار بھی یہاں کا انتخاب کیا تھا آج فیاض نے باتوں باتوں میں جب دیکھا کہ مہوش ریاض کے رخساروں پر سنہرے بالوں کی لٹ جھول رہی ہے تو اس نے پیار سے ماتھ آگے بڑھا کر بالوں کو کان کے پیچھے کرنے کی کوشش ہی کی تھی کہ مہوش ریاض ہاتھ کا لمس محسوس کرتے ہی پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو گئی اس کے ساتھ فیاض گھبرا کر کھڑا ہو گیا وہ سمجھا تھا کہ کوئی

آفت آن پڑی مگر اگلے ہی لمحے مہوش کا ہاتھ اس کے گال پر تیزی سے چھو کر واپس پیلو میں آگیا تھا اور ساتھ ہی وہ منہ سے گالی دے کر فیاض کی طرف تحارث بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

فیاض کے خیال میں یہ خلاف توقع ہو تھا وہ دونوں تو ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے محبت کا شعلہ بھڑک رہا تھا محبت کی شدت کے آگے مجبور ہو کر دونوں کی یہ بے سری ملاقات تھی محبت اتنی تھی کہ دوسری ملاقات تیسری ملاقات میں دونوں بالکل قریب بیٹھے تھے ایک دوسرے سے الگ نہ ہونے کی قسمیں کھا رہے ہوتے تھے آج جب فیاض نے ذرا رو مانوئی انداز اپنایا تو اس کا یہ نتیجہ نکلا۔

مم۔۔۔ مم۔۔۔ مہوش کیا ہوا نہیں۔ وہ منمناتے ہوئے بولا۔ میں اسکی کون سے غلطی کی ہے جو تمہیں ناگوار گزری قیامت کبے گال کو سہلاتے ہوئے مہوش سے تھپڑ رسید کر کے نی

چھو بونجھی۔ تم کیا سمجھتے ہو میں تمہارے محبت بھرے لہجے سے اور ان فوجی انداز سے مانوس انسانیت اور اخلاق کے تمام جملے پا کر جاؤں گی یہ قیمت جانو کہ تمہارے ساتھ بات تک کرنی محبت کا دعویٰ کیا ہے اگر کچھ غلط کیا تو وہ اس کو منہ دیکھانے کے قابل نہ رہوں گی تم تو لڑکے کی دماغ تھے نہیں مجھے برا کہے گا اب تک جو ہوا بھول جاؤ گے اور آئندہ ایسی خلاق سے گری ہوئی حرکت کرنے کی کوشش نہ کرنا۔

اتنا کہہ کر مہوش نے نفرت سے منہ پھیر لیا اور ساتھ ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی فیاض ہکا بکا رو گیا سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کای کریں اس نے ایسے کوئی حرکت نہ کی تھی محض بال گال سے ہٹانے کی کوشش کی تھی اس پر مہوش اسنے غصے میں آگئی تھی

کہ خدا پناہ۔

کافی حد تک تو مہوش بھی ٹھیک ہی کہہ رہی تھی کہ وہ زمانے میں بدنام و مشہور ہونے سے ذرا لی تھی تو پھر ملاقاتیں کیوں کیسی محبت کا دعویٰ کیوں کیا تھا جدا ہونے کی ٹھان کیوں تھی اگر اتنی ہی بزدل تھی تو پھر گھر میں ہی پڑی رہتی چپکے چپکے ملاقاتوں کے لیے ویرانوں کا رخ کرتی کیوں سے فیاض نے ایک شائیت میں بیٹھ کر کچھ کہہ دیا تھا پلیز مہوش میری محبت میری زندگی تم ایسے نہیں تھی اگر تم واقعی ٹھیک کہہ رہی ہو تو میں ہمیشہ کے لیے تم سے بات تو تک نہیں کروں گا دور ہو جاؤں گا مجھ سے غصہ تر تمہاری کوئی کے لیے فیاض جذبات سا ہو کر بغیر سانس لیے سب کچھ بھرا رہا تھا مہوش دوسری طرف بدستور منہ کتے ہوئے کسی آنے بھانے ختم کر دیا تھا وہ اب ایک پرسکون انداز میں کھڑی تھی پھر فیاض کی طرف مڑی اور بولی ہاں میں ٹھیک کہہ رہی ہوں دڑتی ہوں زمانے سے تمہاری گندہ حرکتوں سے دور رہو مجھ سے ہاتھ مت لگانے کی کوشش نہ کرو تم مجھ سے محبت کرتے ہو مگر میں تمہارے ساتھ وقت گزاری۔

اتنا کہہ کر مہوش نے پھر منہ پھیر لیا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی ٹھیلے سے اترنے لگی۔

فیاض پر قیامت کی ٹوٹ پڑی تھی اس نے خود اپنے کانوں سے سنا تھا کہ آنکھوں سے کھا تھا کہ وہ مہوش ہی کہہ رہی ہے کہ وہ اس سے وقت گزری کر لی ہے اس نے کہا ارے سن تو سہی بات تو سنو مگر مہوش اس سے دور ہوتی جا رہی تھی اس نے فیاض کی آواز سن کر بھی اسے جواب نہیں دیا فیاض نے ٹھیلے سے چھلانگ لگا کر مہوش کے قریب ہو گیا جلد۔ اس کے سامنے ہو کر بولا میں بھی کل جا کر قریبی گاؤں میں تمہارے سکول میں داخل

نویں کلاس میں لوں گا جہاں تم آج گئی تھی میرا خیال ہے کہ والدین کے ساتھ یہاں ہی ہمیشہ کے لیے سکونت اختیار کروں شاید پھر کراچی نہ جاؤں یہاں تو تم نہیں مل سکتی پھر۔۔۔ مگر کلاس میں تمہیں تو دیکھتا رہوں گا بیشک باتیں نہ کرو مگر نفرت بھی تو نہ کرنا پلیر۔

مہوش فیاض کی بات سننے کے لیے چند لمحے رک گئی تھی پھر بغیر کچھ کہے سامنے سے دائیں جانب ہو گئی اور چل پڑی وہ مہوش سے بات کر رہا تھا اور مہوش اپنی رفتار میں معصوم سے قدم اٹھاتی ہوئی درختوں کی حدود سے نکل گئی تھی فیاض نے جب مز کر چھپے دیکھا تو مہوش کافی دور چلی گئی تھی۔

ہکا ہکا رہ گیا تھا ارے ہوں یہ تو واقعی حسن پری ہے کاش یہ ہماری ہو جائے وقاص قریشی نے ہنکارتے ہوئے مہوش کی تعریف کی کیوں اچھی لگی ناں عدنان نے سوال کیا۔ ہاں یار واقعی یہ تو بہت بہت ہی خوبصورت ہے پہلی نظر دیکھتے ہی اس سے پیار ہو گیا ہے تم ٹھیک ہی کہہ رہے تھے کہ مہوش حدن پری ہے خدا کرتے کہ یہ حسن پری میری قسمت میں ہو۔ وقاص نے تعریف کے ساتھ اسے خدا سے بھی مانگا تھا چلو بہت ہو گیا اسمبلی شروع ہونے والی ہے عدنان قریشی نے اسے اسمبلی یاد دلا کر چلنے کے لیے لو کہا تھا ہاں یار چلتے ہیں وقاص قریشی اٹھ کر توجھل قدموں اٹھاتا ہوا چلتا بنا عدنان قریشی اس کے پیچھے ہی چلتا بنا۔

یار ادھر دیکھو کوئی نیا لڑکا آیا ہے آج عدنان نے وقاص کو ادھر دیکھنے کو کہا وقاص عدنان جو نئی آتی ہوئی لڑکی مہوش کو بدستور دیکھنے چلا رہا تھا عدنان نے کزن کے نشیب میں مہوش پر اس نگاہ ڈالی حیرت کی بات یہ تھی کہ دونوں ہی ایک دوسرے کو بنا کسی کارپڑاہ کیسے دیکھے چارہ تھے اور دونوں محبت بھری نظریں ایک دوسرے سے مل چکی تھی شاید دونوں دنیا سے بے گانہ ہو گئے تھے اچانک کزن عدنان قریشی کے بات کرنے ار جھجھوزنے پر وقاص جیسے ہوش میں آ گیا اور بولا۔۔۔۔۔ آ۔۔۔۔۔ یا۔۔۔۔۔ ہاں ہاں کہو کیا ہے کون نیا آیا ہے وقاص قریشی نے ہنسنے لگا پوچھا یار ادھر دیکھو نیا لڑکا آیا ہے کلاس میں اس کا نام فیاض ہے تم تو شاید کچھ زیادہ ہی مہوش میں ڈپٹی لینے چلے ہو اس کو یہی دیکھتے ہو اتنا بھی نہ دیکھو کہ سی کو شک ہو جائے۔

عدنان قریشی نے گزشتہ بات دہرانے کے ساتھ نصیحت بھی کی۔

ارے کب آنے کی حسن پری میں تو تھک گیا ہوں انتظار کرتے ہوئے وقاص نے طویل انتظار سے بیزار ہو کر کزن کی طرف دیکھ کر پوچھا یہ دونوں لٹکے سچ ہی سکول آ گئے تھے سکول ایک کلاس روم میں رکھ کر سامنے گراؤنڈ کے ایک سچ پر بیٹھے تھے اس سے سکول کی حدود دروازہ با آسانی سے دیکھ سکتے۔

میر کر وہاں پر اچھی چیز دیکھنی ہو تو انتظار تو کرنا ہی پڑتا ہے وقاص قریشی کو دلا سہ دیکر عدنان قریشی صدر دروازے کی جانب دیکھنے لگا کچھ اپنی کچھ ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہوئے کافی وقت گزر گیا باتوں باتوں میں جب عدنان قریشی کی نظریں اچانک سکول گیٹ پر پڑیں تو ایک دم خاموش ہو گیا۔

دیکھو۔۔۔ آگنی مہوش۔۔۔ عدنان قریشی نے گیسٹ کی جانت نظر ہٹا کر وقاص قریشی کو دیکھ کر کہا۔۔۔ وقاص قریشی نے بھی زیرنگاہیں کی تو ایک دم

سے گزر رہی تھی یہاں دوستوں میں کوئی نئی بات نہیں ہوئی تھی کلاس دہم کے بورڈ کے امتحان دیکر چاروں گھروں میں ہلچل مچ گئی تھی اب انتظار تھا تو صرف چاروں کو رزلٹ کا وہ دن بھی آگیا جب چاروں کا رزلٹ دیکھنے تھا تعجب دیکھ کر چاروں خوش ہو گئے تھے کیونکہ عدنان وقاص اور مہوش نے دہم کلاس کو اچھے نمبروں سے پاس کیا تھا جبکہ فریال اس لیے خوش ہو رہی تھی کیونکہ انہوں نے دو بیچر فیل کیے تھے وہ آگے پڑھنا نہیں چاہتی تھی لہذا کالج بڑھنے کی جھنجھٹ سے روکتی تھی اور گھر میں ہی رہ کر پڑھ لکھ کر فریال خوش تھی پر بچے فیل ہونے انہیں غم و غصہ دہانے کے بجائے وہ خوش تھی عدنان نے انہیں بہت سمجھایا کہ آگے پڑھو پھر امتحان دو مگر فریال نے نہ عدنان کی سنی اور نہ والدین کی اور اس لیے کالج میں بے کار بیٹھ گئی تھی فریال کو سکھ میں دیکھ کر والدین کے ساتھ ساتھ عدنان نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔

ابھی مارکس حاصل کر کے عدنان فریال کے ساتھ ساتھ وقاص قریشی اور مہوش نے ایک نئی کالج میں داخلہ لے لیا جو کہ مظفر آباد میں تھا کالج میں کئی تیوں ساتھ ساتھ رہے مگر عدنان قریشی کو فریال کی بات بھی یاد آ رہی تھی بے قراری کے عالم میں عدنان نے شب و روز بسر کر رہا تھا یہ تیوں جب سے کالج آئے تھے تو انہوں نے پھر لگاؤں جانے کے بجائے باطل میں ہی رہائش اختیار کر لی جبکہ مہوش نے گزرا لائل میں رہنے کی ٹھان لی اور مہوش کا سابقہ دوست فیاض گاؤں میں ہی رہ گیا تھا۔

وقت کے پرندے نے خوب اڑان بھری تھی مہوش ریاض اس کا فریڈ وقاص اور ان کے کزن

اچھا ٹھیک ہے مگر وہ تو بس ایسے ہی وقاص قریشی نے نال منول سے کام لیا عدنان قریشی جانتا تھا کہ وہ جھوٹ ہال رہا ہے اچھا پتا ہے مجھے تجھے پیار ہو گیا ہے مہوش سے مگر یہ خیال بھی رہے کہ فیاض مہوش کا گزرا ہوا بوائے فریڈ سے اب دونوں میں جھگڑا ہوا ہے دونوں بات نہیں کرتے ایک دوسرے سے عدنان قریشی نے وضاحت کی تو تمہیں کس نے کہا ہے وقاص نے پوچھا وہ مہوش کا پڑوسی نہیں نے کہا ہے اس نے یہ بات راز داری سے کہا کہ اور کسی کو نہیں کہنا سوائے وقاص کے عدنان قریشی نے راز داری کی بات دہراتے ہوئے کیا ہو گا۔

وقاص نے پوچھا کچھ نہیں اس تم مہوش سے پیار کرتے پھر مگر کسی کو شک نہ ہو اور کوشش کرو فیاض مہوش سے دور ہی رہے۔ عدنان نے ایک مشورہ دیا وقاص نے ہاں ٹھیک ہے میں سر ہلا دیا۔

کلاس کے شب و روز تیزی سے گزر رہے تھے اس دوران کافی سی ساری تبدیلیاں آئی تقریباً ایک سال گزر گیا وقت کی دھندھ میں ہر چیز دھندلا گئی تھی مگر مہوش اور وقاص کی محبت اب محبت نہ رہی تھی پیار محبت نے ایک عشق کا روپ دھار لیا تھا دونوں نے ایک دوسرے سے اقرار عشق و محبت بھی کر لیا دونوں میں پیار کم نہیں روز بروز بڑھتا رہا تھا فیاض بھی ایک دو بار مہوش سے سخاوت مانگ چکا تھا دوسری طرف عدنان اور اس کی پڑوسی فریال کے پیار میں عشق کا لہاو اوزھ لیا تھا دونوں کی کزن اپنی اپنی فریڈ سے بے پناہ محبت کرتے تھے دونوں نہیں جانتے تھے کہ ان کی فرل فریڈ ان سے الگ راہ اختیار کریں اسی طرح ہی کلاس 9 ختم ہوئی تھی کلاس 10 بھی آخری دنوں

عدنان نے تعلیم بھی مکمل کی اب تینوں اپنے اپنے گاہوں جا چکے تھے تعلیم اپنے اپنے گھر پہنچ کر سب خوش تھے فریال اپنے دوست عدنان کو وہاں آتے دیکھ کر ہواؤں میں اڑنے لگی تھی وقاص اور اس دوست مہوش بھی گاؤں آ کر خوش مطمئن تھے کئی روز گزرے تھے کہ مہوش کو کسی گات کے تحت اس کا گز سسٹہ گز را سا دوست فیاض یاد آ گیا تو وہ سوچ میں پڑنے لگی کیونکہ فیاض کو مہوش نے دیکھا نہیں تھا۔

جب سے آئی تھی فیاض اس کو کہیں بھی دکھائی نہیں دیا تھا ویسے انہیں غم بھی نہیں تھا کیونکہ وہ تو اس سے ناراض تھی مگر پھر بھی وہ ذرا سی زبردست ہو چکی تھی اس نے دل میں ارادہ کر لیا تھا کہ وہ جتنا ضرور لگائے گی کہ فیاض جانے کہاں چلا گیا ہے وہ ایسے ہی کشمکش میں تھی پھر اگلے ہی مہینے اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کا ارادہ کر لیا وہ اپنی حالت اور اسی وقت گھر سے باہر نکلی فیاض کا گھر ان کے گھر سے ذرا ہی دور تھا کچھ دیر بعد وہ فیاض کے گھر کی دروازے پر کھڑی تھی اندر پہنچ کر اسے پتہ چلا کہ فیاض تو ایک سالہ سے گھر سے بھاگ گیا ہے پھر گھر کی راہ بھی نہیں رہی یہ سب کچھ فیاض کی ماں نے روتے ہوئے مہوش کو بتایا تھا فیاض کی ماں نے بتایا کہ پتہ نہیں وہ کیوں گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے اسے کوئی تکلیف بھی نہیں تھی انہیں یہاں بس ہمیں روتا دھوتا چھوڑ کر کہیں چلا گیا ہے۔

فیاض کی ماں کا غم وہ زیادہ تازہ نہیں تھا چاہتی تھی مہوش ریاض بھی کچھ تھا ہو گئی تھی زیادہ نہیں تو کچھ دن دوست وہ اس کا رہا تھا فیاض کی ماں کو وہ دیکر وہ بوہل قدموں سے دل میں خفگی ہنسی کی رگڑ کی جانب چلتی تھی۔

دوسری صبح شور مچا آس پاس کے رہنے

والے لوگوں کی زبان پر یہ بات سرعام تھی کہ کم از کم سال سے کم شدہ فیاض اچانک گھر آ گیا ہے فیاض کے گھر میں جیسے اچانک نزاں میں بہار آ گئی ہو گھر میں شور سار پاموکیا تھا ماں باپ کے چہروں سے خوشی پھوٹ رہی تھی دونوں خود کو ہواؤں میں اڑتے محسوس کر رہے تھے فیاض زیادہ نزدیک رہتا تو مہوش نے انہیں دیکھ دیکھ کر لیا تھا تو وہ حیران ہو گئی تھی اچانک خیالوں میں کھو گئی تھی انہیں فیاض کو گھر میں دیکھنے لگی تھی کیونکہ فیاض اب پہلے جیسا نہیں رہا تھا وہ شہر سے کافی بدلا ہوا تھا پہلے جیسا چنچل شوخ لڑکا نہیں رہا تھا بس خود ہی غم سم تھا مہوش نے جب یہ حالت دیکھی تو کافی فسر دہی ہو گئی فیاض سے پوچھ کر پوچھ کر کہی تھی کیونکہ دونوں میں پہلے ہی بڑ بھڑکائی تھی بعد ازاں چپ رہی فیاض سے والدین کے ساتھ ہمسایوں اور رشتہ داروں نے بھی پوچھا کہ وہ ایک سال کہاں گم تھا یا کہاں گیا تھا تو فیاض نے انہیں کچھ بھی نہیں بتایا بعد ازاں اتفاقاً ہی کہا کہ وہ راستہ بھٹکا ہوا تھا اس وجہ نہ بتانے پر سب لوگ چپ رہی رہے۔

فیاض کی زندگی میں لوگوں نے زیادہ مداخلت اچھا اور خراب نہیں سمجھا کیونکہ وہ تو کافی بدلا ہوا تھا بس اپنے آپ میں ہی غم رہتا تھا۔

ایک شام چاروں نے کسی سرسبز جگہ پر ملاقات کی پھر جب اندھیرا ہونے لگا تو ان چاروں مہوش ریاض اور وقاص قریشی فریال اور عدنان نے گھر کی راہ لیٹنا مناسب سمجھا لہذا کافی وقت گزرنے کے بعد انہوں نے اس راستے پر چنانچہ شروع کر دیا جو ان چاروں کے گھروں تک جاتا تھا راستے میں مہوش الگ ہو گئی کیونکہ اس کا گھر تو مشرق میں تھا اور وہ تینوں رجم کوٹ کی جانب مڑ گئے تھے اب مہوش ایک الگ راستے پر

ہے۔ باہر نکلے ہوئے تھے جیسے ہی مہوش نے یہ منظر دیکھا تو اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ فیاض نے تو سامنے تھا مگر آواز اس کی ایسی تھی جیسے بادل گھر گھڑا رہے ہوں مہوش پر پہلے سے زیادہ پسینہ آ رہا تھا وہ کچھ بول نہیں پاری تھی فیاض کو نکلے باہر ہی تھی فیاض آرام سے یہ سب کہہ کر کھڑکی کی طرف گیا پھر ان سے ایک مقاب نما پر بند ہنسیا اور کھڑکی سے باہر کی جانب پرواز کرنے لگا۔ مہوش اب ترک گم سم تھی حلق سے کچھ نہیں نکل رہا تھا آخر کار ڈر کی وجہ سے ایک بلند چیخ ماری اور مہوش ہوئی۔

فیاض ایک سال سے گھر سے گم ہو گیا تھا اصل میں وہ کسی ملک خود اپنا گھر چھوڑ کر کسی دوسرے شہر میں چلا گیا تھا وہاں اس نے ایسے شخص کی خدمات حاصل کی جو انہوں نے عمل کرنا دشمن کو زیر کرنا جانتا تھا فیاض نے ان سے بھاری معاوضے کے عوض ایک ایسا عمل سیکھ لیا جس سے وہ مہوش کو وقار قریبی سے جدا کر سکے ساتھ ساتھ اس نے ایک سال میں بہت عملیات دیکھ لے یعنی اس نے وہ بھی ایک قسم کا چادو کر بن گیا تھا مگر جب اسے گاؤں آیا تھا خود کو وہی پہلا والا فیاض ظاہر کرنے لگا تھا وہ مہوش سے بدلا لینا چاہتا تھا کیونکہ مہوش نے چھ سال پہلے اس کی تحیر مار کر ہمیشہ کے لیے ان سے جدا ہوئی تھی فیاض نے دل میں رنی پھیلا والا واقعہ اب بھی آباؤ تھا۔

بدلا لینے کے لیے اس نے گاؤں کے قبرستان میں تین راتیں بھی گزاریں تھیں پھر موقع دیکھ کر مہوش کے گھر کے چاروں طرف دم کی بوتلیں بھی ڈالی ان کے والدین کے نام پر نوٹے قبر میں دو مخصوص قام کے انڈے بھی دفن کئے کچھ عمل کر کے پھر اس نے مہوش اور وقار کے نام پر

تمبار بنی تھی جب آبادی کے قریب پہنچ گئی تو اسے فیاض دکھائی دیا جو سامنے سے آ رہا تھا جب ایک دوسرے کے قریب پہنچ گئے تو مہوش کا خیال تھا کہ وہ فیاض سے دو چار باتیں کر لے گی فیاض بھی خود بے تاب ہوا ہو گا مہوش سے بات کرنے کے لیے مگر جب دونوں سامنے ہوئے تو فیاض نے مہوش کی جانب سے منہ موڑ لیا اور دوسری طرف دیکھنے لگا مہوش کے سوش کے برعکس یہ ہوا تھا پھر مہوش نے بھی یہ واقعہ کچھ نہ سمجھا اور گھر کی طرف چلتی ہی رات کے وقت مہوش کا دم کچھ گھست رہا تھا دل ان کا کسی انجانے خوف میں مبتلا ہو گیا کسی پل عین میں آ رہا تھا اسی حالت میں ہی وہ اپنے کمرے میں گئی اور سونے کے لیے لیٹ گئی کچھ دیر بعد اس کی آنکھوں نے گئی

رات کا بچے کو ن سنا لیا تھا کہ اس کی کسی آہٹ سے آنکھ کھل گئی وہ پہلے میں شہر اور پھر کمرے میں اس نے نگاہ پانچوں جانب دوڑائی مگر اسے کچھ دکھائی نہ دیا کمرے میں نہ بیرونی کا باب روشن تھا موت کی وحشت چار سو پھیلی ہوئی تھی تو اس سے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں بدستور سنانی رہ رہی تھی مہوش نے آہٹ کو وہم سمجھ کر پھر آنکھیں بند کیں چند لمحوں بعد کوئی مہوش کے کانوں میں کچھ بول رہا تھا مہوش نے کسی مرد کی آواز میں یہ الفاظ سنے مہوش میں آگیا ہوں اپنا بدلا لینے تم نے مجھے گھر لایا میں تمہاری دوست سے ہمیشہ کے لیے جدا کر دوں گا تم تیار رہو تم دونوں بھی بھی ایک دوسرے کے بے ہوش ہو گئے جیسے بھی مہوش نے یہ الگات سے تو اس نے فوراً آنکھیں کھول دیں تو اس کے سامنے فیاض کھڑا تھا فیاض اب فیاض نہیں رہا تھا وہ کسی درندے کی طرح دکھائی دے رہا تھا آنکھیں اس کی سرخ بال ٹھہرے ہوئے اور دانت بڑے

او پتھر بندی میں پھینک دیئے اس کے بعد اس نے کچھ ورد کا غلہ پر لکھ کر ایک پرانے درخت کیساتھ جڑوں میں دفن کر دیئے اس کے ساتھ جب عمل پورا ہوا تو فیاض نے خردار کرنے کے لیے مہوش کو ڈرا کر بتایا کہ اب وقار اور مہوش کبھی ایک نہیں ہو سکتے مہوش کو ڈر و خوف میں مبتلا کر کے فیاض گھر آ کر آخری خطرناک عمل پورا کیا اور پھر گھر سے چند دنوں کے لیے بھاگنے کا پلان بنایا۔

مہوش جو لاکھوں میں ایک تھی اب وہ چھٹی والی مہوش نہ رہی تھی فیاض کا عمل رنگ لایا تھا اب مہوش گھر میں ہی رہ کر سکون محسوس کرتی تھی اس نے لوگوں سے ملنا جلتا ترک کر دیا تھا وہ بہتی بہتی باتیں کرنے لگی تھی لوگ اسے پاگل کہنے لگے کیونکہ یا تو وہ گھر میں ہی رہتی یا گھر سے جب باہر جاتی تو پھر گھر جانے کا نام ہی نہ پر نہ لگتی تھی کبھی بھی تو زور سے ہنستی یا پھر رونے دھونے سے اس کا کام تھا کھانا نہیں کھاتی تھی اگر بیٹھ جاتی کھانا کھانے تو بے بس کرنے کا نام ہی نہیں لیتی تھی بس ایسی حالت میں تھی کہ پاگل بھی کہلاتی اور ٹھیک بھی کہلاتی کی بار وقاص قریشی نے اسے ملنے کا کہا مگر آگے سے وہ پاگل جیسے باتیں کرتی وقاص اسے اپنے آپ سے بھی زیادہ بے قرار کرتا تھا جب ان کی یہ حالت دیکھی تو دلچسپی سے دیکھتا رہتا تھا بہت روتا کئی بار اس نے والدین کو مہوش کے گھر بھی بھیجا تھا وہ مہوش کا ہاتھ مانگیں مگر آگے سے مہوش کے والدین صاف انکار کر دیتے پہلے پہلے تو مہوش اور وقاص دونوں کے والدین خوش تھے کہ ان دونوں مہوش اور وقاص کی شادی ایک دوسرے سے کریں گے مگر جب مہوش نیم پاگل ہوتی تو دونوں کے والدین نہیں چاہتے تھے کہ دونوں بچوں کی زندگی خراب ہو جائے کئی بار فریال بھی مہوش کو

سمجھانے لگی تھی مگر وہ بھی ناکام لونی تھی مہوش کے والدین نے ڈاکٹر سے بھی ان کا علاج کر دیا پھر ملاؤں کو بھی دکھایا مگر نتیجہ وہی کا وہی مہوش تھی کہ ٹھیک ہونے کا نام بھی نہیں لیتی تھی۔

وقاص کو ایک اللہ والے مفتی بندے کو ذریعے پت لگ گیا تھا کہ یہ سب کچھ فیاض کا کیا دھرا ہے سب لوگوں نے فیاض کو بہت ڈھونڈا مگر وہ گھر سے پھر بھاگ گیا تھا کسی کے ہاتھ بھی نہیں لگا فیاض کا کیا ہوا عمل برقرار تھا کوئی بھی عامل اس عمل کو ختم نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ بہت ہی لڑا اور سخت مسل تھا جو فیاض نے ایک سال میں سیکھا تھا۔

انہی حالات میں وقاص کے والدین نے لاہور بھیج دیا جہاں اس نے ایک ہوٹل میں عارضی طور پر کام کرنا شروع کر دیا تاکہ اس کا دل بھی بہل جائے کیونکہ مہوش اسی حالت میں تھی جو پہلے جیسے تھی وقاص کے لاہور جانے کے بعد بھی مہوش کے والدین نے اس کا بہت علاج کر دیا وہ وہی کی وہی رہی کبھی کبھی وقاص کو یاد کر لیتی ہے یا تو کہتی ہے یا بہت روتی ہے جو بھی مہوش کا یہ حال دیکھتا ہے ان کی آنکھیں نم ہو جاتی ہیں عدنان قریشی کے والدین ان کے لیے فریال کا ہاتھ مانگتے ہیں مگر عدنان نے فوراً منع کر دیا کہ وہ اور وقاص ایک ساتھ شادی نہ کریں گے آگے سے مہوش کا یہ حال تو وقاص کیا خاک شادی کرے گا والدین نے وقاص سے کہا کہ تمہاری شادی کسی اور سے کروادیتے ہیں مگر وہ فوراً انکار کر دیتا ہے اگر شادی کرتی ہے تو صرف اور صرف مہوش سے تو والدین خاموش ہو جاتے ہیں۔

دوسری طرف عدنان کے والدین بھی دونوں لڑکوں کے لیے سخت پریشان ہیں فریال کے والدین بھی کچھ مڑ گئے تھے شاید وہ اپنی بیٹی کی

محبت اس میں دیکھی ہے رفاقت اس کی دیکھی ہے

غزل

یہ شعر خن میرے یہ ایک غنائیت ہے
ہر درق بھی سونا ہے ہر باب حقانیت ہے
بے وقت اڑان ایسی ہر اک کو اڑاتا ہے
پچھلے وقت کو چھوڑ آئے یہ اپنی زیست ہے
اک ریم کا گھر تھا میرا لہروں نے منا ڈالا
اس کے دل میں اب تو میری پختہ عمارت ہے
جنوں کے سمندر میں بہا ڈالیں سبھی خواہشیں
بھاروں سے بچایا ہے سب اس کی عنایت ہے
یوں نوسے کے بکھرے ہیں نہیں اپنی پہچان کوئی
کرن ڈھونڈنا جائیں تو اب اس سے شناخت ہے
کشور کرن یتوکی

شیطان سے حفاظت کی تدبیر

حضرت عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب رات شروع ہو تو اپنے بچوں کو باہر نکلنے سے روک دیا کرو۔ کیونکہ اس وقت شیاطین فتنہ پھیلانے کے لئے زمین پر پھیلتے ہیں۔ جب ایک گھڑی گزر جائے تو بچوں کو پھل دیا کرو اور اپنے گھر کے دروازے بھی بند کر دیا کرو اور بند کرتے وقت اللہ کا نام لے لیا کرو۔ کیونکہ اس طرح بند شدہ دروازہ شیطان نہ گھول سکتا ہے۔ اپنے برتنوں کو ڈھانپ دیا کرو اور ان کو ڈھانچے وقت بھی اللہ کا نام لیا کرو۔ چاہے کچھ بھی ملے۔ برتنوں پر رکھ لیا کرو اور اپنے چراغ بجھا دیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ کسی جن یا بہتے کی شرارت سے کسی چیز کو آگ لگ جائے۔

مراسلہ: خولہ بنت سلیمان۔ صابر

ناز۔ سراشیعہ عالمگیری

شادی عدنان سے کروانے کے لیے تیار نہیں
وقاص ابھی تک لاہور میں ہے جبکہ عدنان ابھی
گاؤں تو ابھی وقاص سے پاس لاہور میں ہوتا ہے
فریال سخت اذیت میں جبکہ مہوش کبھی ٹھیک تو کبھی
نیم پاگل رہتی ہے اور فیاض ویسے ہی فرار ہے ان
کی تلاش جاری ہے مگر نہیں مل رہا عدنان کے
مطابق فیاض نے فریال کے گھر آنے پر بھی کچھ عمل
کیا ہے جس کے نتیجے میں فریال کے اصراروں سے
تو کبھی ناس بردہ دیتے ہیں عدنان اور وقاص دونوں
سخت پریشان ہیں کہ کب خدا ان پر مہربان ہوگا
اور حالات کے ساتھ ساتھ ان دونوں کی قسمت
بھی جاگ جائے کہ وہ اپنی اپنی محبوباؤں سے مل
جائیں گے۔

ایک فیاض نے چار گھنٹوں کے چار تیوں کو
ان کی لڑی سے الگ کر کے بکھیر دیا ہے چار موٹی
یعنی وقاص مہوش عدنان اور فریال اب بھی اپنی
اپنی قسمت پر رو رہے ہیں میری دعا تو یہی ہے کہ
خدا فیاض کو ان سے ملوادے تاکہ وہ چاروں کے
درمیان میں عمل کو ختم کر دے یا خدا ہی سمجھ کر
دے کہ وہ چاروں یعنی بکھرے ہوئے موٹی چار
سے نہیں بند ہو جائیں۔

غزل

اگر دیکھی زمانے میں شرافت اس کی دیکھی ہے
ہمارے دل کو جو بھائی و بہنیت اس کی دیکھی ہے
انداز غفلت اس کا بڑا دشمن ہر فراست ہے
شجاعت بھی ملی اس میں عقیدت اس کی دیکھی ہے
اصولوں سے ہے جنگ اس کی شہرت وہ نہیں کرتا
خوش ہے اپنی زیست میں سکونت اس کی دیکھی ہے
یوں لگتا ہے کہ جیسے وہ گئے وقتوں کا حاتم تھا
پرکھا جب اسے ہم نے سیاست اس کی دیکھی ہے
اسے کھونا نہیں چاہتے کرن دنیا کی رسموں میں

طلسمی جادوگر

-- تحریر۔ از میراعوان۔ گل ڈھولک۔ --

قلم کو پہلی طلسم جو میں نے رات کو تمہیں بتایا تھا وہ پڑھ کر جس لڑکی کے اوپر بھی قلم پڑا کہ پھونکو گے وہ مدد ہوئی ہو جانے کی اور قلم نے اٹھا کر میرے پاس لانا ہے چند ہی کرو سخاوت چل پڑا اور جب وہ دوسرے گاؤں پہنچا تو راتے میں ایک قبرستان تھا وہ اس قبرستان میں سے نکل کر سیدھا قبرستان کی سطح سے نکل کر گاؤں میں پہنچ گیا گاؤں پہنچ کر ایک لڑکی کہیں گاؤں سے گھاس کاٹ کر لارہ تھی سخاوت نے اس کو اوپر کچھ پڑا کر پھونکا تو لڑکی مدد ہوئی ہوئی سخاوت اسے اٹھا کر جادوگر کے پاس لے گیا اور کہہ دیا کہ وہ لڑکی نے سخاوت کے کندھے پر لڑکی کو دیکھا تو جادوگر خوش ہو گیا اور کہا سالک تمہیں میں بڑی عشق دوں گا میں اس عشق سے اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزار سکوں گے اور جادوگر نے اس لڑکے کو طے خانے میں بند کر دیا سخاوت کا کہنا تھا کہ تم جادوگر سے کمرے میں سخاوت دوسرے کمرے میں چلا گیا وہاں پہنچ کر سو رہے تھے لگا کر کب تک میرا قلم ہو گا اور کب میں اپنے مقصد کو حاصل کروں گا خیر وقت کے گزرتا رہا سخاوت روزانہ لڑکیاں لایا رہا آج ساتویں دن تھا سخاوت چلے میں مصروف ہو گیا تھا تو اچانک ایک خوفناک قسم کا اڑدھوا حاضر ہوا اور سخاوت کو کہا انسان کی آواز میں اسے پتہ نکل آ اس دھوا سے دور نہ تیری موت بھیجی ہے اس لیے اس کی سنہری خیر کہانی۔

یہ روز کی طرح آج بھی گاؤں میں ایک حسین لڑکی غائب تھی کسی کا یہ کام ہو سکتا ہے۔ سہیل۔ اویس۔ موسیب۔ مجاہد مونا۔ یہ سب دوست بیٹھ کر سوچ رہے تھے کہ کیا پتہ ہے کہ ہو روز کوئی نہ کوئی غائب ہوتا ہے اور غائب ہونے والوں میں سے صرف میں سال کی لڑکی ہوتی مہیب نے فیصلہ کر لیا۔

پہرہ دیا جانے کہ اس خوفناک کام میں کس کا ہاتھ ہو سکتا ہے یہ سب اس بات سے حیران تھے کہ اتنا عرصہ ہو گیا ہے مگر اس انخوا کرنے والے مجرم کا ابھی تک کوئی پتا نہیں لگا سکتے سب دوستوں نے پہرہ دینے کا فیصلہ کر لیا۔

ہمارے محلے میں یہ پیام کان کس کا ہے۔ ابو نے کہا۔ بیٹا یہ لوگ ایٹ آباد سے آئے ہیں ان کا نام عامر سلیم ہے اور یہاں آتے ہی رہتے ہیں خیر سخاوت رات کو جلدی سو گیا تھا صبح وہ تقریباً سات بجے اٹھا منہ ہاتھ دھو کر ناشتہ کیا پھر دو قریبی پیازوں میں سیر کرنے کے لیے چلا گیا

سخاوت ایک کپڑے کی فیکٹری میں کام کرتا



کیونکہ سیرگاہ میں زیادہ پہاڑ ہی تھے خیر سخاوت ایک پتھر پر بیٹھ گیا اچانک سخاوت کی نظر بستی ہوئی مٹی پر پڑی جہاں ایک دو شیرہ پانی پینے میں مصروف تھے وہ کوئی جنت سے اتری ہوئی حور لگ رہی تھی سخاوت ڈرتے ڈرتے اس کے پاس گیا اور مشکل سے صاف اتار ہی کہا۔

م۔۔۔ مجھے سخاوت کہتے ہیں دو شیرہ نے غور سے دیکھا اور شرماتے ہوئے بولی میرا نام سنا ہے ہم ابھی کراچی میں رہتے تھے اب یہاں آ گئے ہیں۔

سخاوت حیرت سے بولا۔ وہ نیا مکان آپ کا ہے۔

جی ہاں سنا ہے جواب دیا سخاوت کہنے لگا ایک بات کہوں برا نہیں مانو گی۔

پنانے کہا۔ نہیں جان بھن سخاوت کہ دل کی دھڑکن تیز ہو گئی اس نے کہا سنا میں تم سے پیار کرنے لگا ہوں خدا کی لیے میری محبت کو مت ٹھکراتا۔

سنانے کہا سخاوت مجھے بھی تم سے محبت ہے لیکن

لیکن کیا سناؤں۔ سخاوت نے بات کاٹ کر کہا لیکن میں چند ماہ کی پہچان ہوں

وہ کیوں سخاوت نے کہا اس لیے کہ میرے ہر ملاٹ دشمن ہی دشمن ہیں وہ کبھی میری خوشی کو نہیں دیکھ سکتے سخاوت نے کہا فکر مت کرو میں انشاء اللہ تم کو حاصل کر کے رہوں گا آپ چلے

وہ دونوں اپنے اپنے کھر چلے گئے سخاوت حقیقت میں تخت پریشان تھا وہ پھر اٹھا اور اپنے دوستوں مہراں کے پاس گیا مہراں سخاوت کو دیکھ

طلبی جادوگر طلسمی جادوگر

کر بہت خوش ہوا اور کہا چلو یار اندر آؤ۔

سخاوت نے کہا یار مجھے تم سے ایک کام ہے چلو میرے ساتھ

مہراں اپنے گھر والوں کو بتا کر سخاوت کے ساتھ چل پڑا تھا راستے میں سخاوت نے تمام بات اسے بتا دی

مہراں نے کہا رات تمہارا اس کام میں ساتھ دوں گا تمہارے گھر والوں کو راضی کرنا میرا کام ہے مگر یار ایک مسئلہ بھی بنا ہوا ہے گاؤں میں

سخاوت نے کہا کیا مہراں نے کہا ہر روز کوئی نہ کوئی لڑکی پر

اسرار چڑھتے سے غائب ہو جاتی ہے پتا لگانے کے باوجود بھی کوئی حال نہ نکلا

سخاوت نے کہا مجھ کیا کیا جائے

مہراں نے کہا میں ایک بزرگ کو جانتا ہوں جو ہمیں اس مشکل سے نکال سکتا ہے

سخاوت نے کہا یار جلدی جاؤ بزرگ کہاں ہے

حوصلہ رکھو سخاوت صاحب اتنی جلدی نہ تھی نہیں ہوتی۔

سخاوت نے کہا۔۔۔ جلدی کرو کیونکہ یہ پورے گاؤں کا مسئلہ ہے۔

مہراں نے کہا مارکل چلے جائیں گے۔

سخاوت نے کہا تمہارا کوئی کام ہے تو وہ بے شک تم نہ جاؤ مگر میں ابھی جاؤں گا تم خود بتا دو۔

مہراں نے کہا تم سنو یہاں سے تقریباً

9 6 0

کلومیٹر دور شمال کی جانب ایک دریا بہتا ہے دریا کے پار ایک خوفناک گھٹنا جنگل ہے اس جنگل کے درمیان میں ایک کمرہ ہے اس کمرے میں بزرگ رہتے ہیں

بہت شکر یہ مہراں بھائی آپ کا میں آج ہی بالکل ابھی سے تیار ہوتا ہوں اور سنو میرے گھر والوں کو اور شاہ کو پتا نہیں چلنا چاہئے اب مجھے اجازت دیں مہراں نے سخاوت کو گلے سے لگایا اور سخاوت اپنے گھر کی طرف چل دی اس نے گھر آ کر والدین سے کہا۔

میری چھٹی ختم ہو گئی ہے میں چلتا ہوں

والدین نے سخاوت کو رخصت کیا سخاوت نے اللہ حافظ کہہ کر اپنی منزل کی طرف جانے لگا اس نے ایک ٹھوڑا لیا اور جاتے جاتے شاہ سے ملنا اس نے مناسب نہ سمجھا اور وہ شاہ کے گھر کے باہر اس کا انتظار کرنے لگا تو شاہ جب باہر آئی تو سخاوت اسے ملا اور سب کچھ اسے کہا اور کہا۔

اس کام میں ہمارے لیے جان بھی لگ سکتے ہیں تم نے میرا انتظار کرنا ہے

شاہن کر رہے تھے اور کہا سخاوت نے تم کو کبھی نہیں جانے دوں گی تم مجھے تنہا چھوڑ کر مت جانا خدا کے لیے

سخاوت نے کہا ثامیری بات سمجھنے کی کوشش کرو میں ایک نیک کام کے لیے جا رہا ہوں بہت جلدی واپس آ جاؤ گا بس آپ حوصلہ رکھو میری جان میرا انتظار کرنا سخاوت نے حوصلہ کر کے خود میں بھی ہمت پیدا کی اور اسے بھی منایا اور اس سے خوشی خوشی اجازت لی اور وہ اس کے سامنے پریشان ہوتا نہیں جانتا تھا کیونکہ پھر اس نے اجازت بھی نہیں دینی تھی۔

دوسری طرف اسمیل اور اولیس بھی جان توڑ کوشش کے باوجود بھی اس قاحل اور اغوا خور کا سراغ نہ لگا سکے اس لیے اولیس نے ایک بزرگ کے پاس جانے کا فیصلہ کیا اور بزرگ دوسرے گاؤں میں رہتے تھے اسمیل اور اولیس جب بزرگ

کے پاس پہنچے تو بزرگ نے کہا کیا بات ہے بیٹا تم کیوں اتنے پریشان ہو انہوں نے سب بات باباجی کو بتائی تو بزرگ نے کہا بیٹا میری بات غور سے سنو یہاں سے تقریباً دو کلو میٹر دور پہاڑ پر ایک جنم رہتا ہے وہ ایک طاقتور جادوگر کا غلام ہے اور وہ جادوگر کے کہنے سے یہ سب کچھ کر رہا ہے بیٹا جادوگر نے چوہوں کی لڑکیاں ذبح کر دی ہیں اگر اس نے چوہ لڑکیاں اور شیطان کے کہنے پر ذبح کر دیں تو وہ اس دنیا کا بہت بڑا جادوگر بن جائے گا پھر اس کو ختم کرنا مشکل نہیں بلکہ ناممکن ہو جائے گا ابھی بھی اس کے پاس ایک بہت بڑی طاقت ہے اس کے پاس ایک خوفی برندہ ہے وہ اس خوفی برندے کے ذریعے ہر مشکل کا مہلور اور انجام دلوا لیتا ہے۔

اسمیل نے ایک دم کہا بابا اس کی صورت کا راز کیا ہے بابا نے کہا

تم ایسا کرو تم آج رات یہاں ہی رہو میں چل کر آؤں آپ کو اس جادوگر کی موت کا راز بتا دوں گا

دونوں نے اشدات میں سر ہلا دیا

اس کو کافی دیر ہو گئی تھی مگر ابھی تک بابا چلے میں مصروف تھے اسمیل اور اولیس انتظار کر کر کے تھک چکے تھے پھر اچانک دل ہلا دینے والی چیخ بلند ہوئی جب انہوں نے پہاڑ کی طرف دیکھا تو بابا کا جسم طلسمی آگ میں جل رہا تھا اولیس نے کہا باباجی کیا ہو گیا ہے۔

بابا نے کہا بیٹا میں چلے کے دوران دھار بنانا بھول گیا تھا اس وجہ سے اس شیطان کی خوفی زنجیر

نے مجھے مار ڈالا بیٹا تم ایسا کرنا میری امداد میں سے چھٹی والی کتاب ہے اس میں کچھ چلے ہیں وہ کر کے آپ نے اس جادوگر کو ختم کرنا ہے پھر ایک دم خوفی زنجیر نے اسے تھکسا دیا چند منٹ بعد باباجی کی لاش پڑی ہوئی تھی

ایک چل کرتا ہوں تو سخاوت دوسرے کمرے میں چلا گیا تو جادوگر کچھ پڑھ کر پھونکا تو ایک چڑیل حاضر ہوئی ایسی خوفناک چڑیل جس کے دو دانت منہ باہر نکلے ہوئے تھے گوشت اس کے منہ سے ٹپک کر زمین کی طرف آ رہا تھا بالی اس کے اتنے لمبے تھے کہ زمین کو چھو رہے تھے آنکھوں کی جگہ دو گھڑے اور غار کی طرح اس کی زبان خون سے ایسے سرخ تھی جیسے ابھی کسی کا خون پیا ہو وہ کڑک دار آواز میں بڑبڑاتی

کیا حکمت میرے آقا تو جادوگر جس کا اصل نام جادو کر تھا اس نے کہا شی

چڑیل میں تم کو ایک مڑے کی بات بتانا چاہتا ہوں غلط چڑیل ہماری برسوں کی خواہش پوری ہونے والی ہے میں آج بہت خوش ہوں شیلہ نے کہا آقا ایسی کون سی آپ کی خوشی پوری ہونے والی ہے جو مجھے بھار ہے ہو پہیلیاں نہ بھجواؤ بلکہ صاف صاف بتا دو کیا بات ہے۔

جادوگر نے کہا چلو سنو پر آج ایک آدم زاد مجھے بزرگ سمجھ کر میرے پاس آ گیا ہے۔

ایک دم چڑیل بولی وا وا آقا وہ کیا بات ہے اس کا مطلب یہ آج گھر میں ہی ملے گی۔

جادوگر ایک دم بول اٹھا تمہیں اپنے پیٹ کے علاوہ کچھ اور بھی ہے اپنے پیٹ کے بارے میں ہی سوچتی رہی ہو میرے کہنے کہا مطلب ہے سخاوت اس لڑکے کا کام ہے یہ بڑے کام کا بندہ ہے اس سے میں نے شکھ کا نام کروانے ہیں جو میں خود بھی نہیں کر سکتا اور تم بھی نہیں کر سکتی کا کام کے لیے سخاوت کو ہی میں نے چنا ہے

اس نے کہا کہ ایسا کیا کام ہے آقا جو میں نہیں کر سکتی اور وہ بے نقش اور بے بندہ وہ کام کرے گا آقا اگر آپ مجھے سخاوت کا خون پیئے دیں تو میں آپ کا کام برکام کروں گی۔

سخاوت کو گھسنے ہوئے کئی دن ہو گئے تھے مگر سخاوت کا کوئی پتا نہیں تھا اس کی فیکٹری سے بھی کئی کاٹڑا رہی تھیں کہ سخاوت کو بھیجو مگر وہ سب حیران تھے کی سخاوت کیا تو کدھر گیا ہے۔

سخاوت جب ایک دریا کنارے بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا کہ اب کیا کرنا ہے اسے بزرگ کا گھر ملے گا بھی یا نہیں دو کافی دنوں کا تھکا ہوا تھا اچانک چلتے چلتے اسے بزرگ کا گھر ایک درخت کی اوندھ میں نظر آیا سخاوت خوش ہو گیا اس کے گھر کے قریب پہنچ گیا تھا اور اس نے دروازے پر دستک دی تو اندر سے ایک کڑک آواز آئی

اندرا جادو سخاوت جب اندر داخل ہوا تو اس نے دیکھا تو ایک خوبصورت آدمی آلتی پالتی مارے ہوئے بیٹھا ہوا تھا منہ گلے میں کھوپڑیوں کا بار تھا تو اس بزرگ نے جو دراصل جادو کر تھا اس نے سخاوت کو ایک طوفان جھینے کا کہا تو اس نے جھینے گیا تو بزرگ کہہ مارے میں سوچ رہا تھا کہ وہ کدھر سے جادو کر تھا تو سخاوت نے کہا بزرگ کو بتا دو تو اس نے کہا کہ بالکل مجھے سب چاہئے اس کام کے لیے تمہیں ساتھ لڑکیوں کو خون اور دل بنے ہوں گے جن کے اوپر میں چلا کر کے جادو کروں گا تو سخاوت نے کہا

کیا مطلب تو بتاؤ نے کہا کہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں روزانہ کی موت ہے تو بہتر یہ نہیں ہے کہ ایک بار ہی اس مسئلے کو چننا چاہئے بالکل اگر تم نے اس کو ختم کرنا ہے تو جو میں کہتا ہوں وہ کرو ورنہ اپنا راستہ پکڑو مجھے بھی ڈس نہ کرو ورنہ اپنا نام بھی ضائع نہ کرو سخاوت کو پتا نہیں کیا ہو گیا تھا اس نے کہا۔ اب بابا میں آپ کی ہر بات ماننے کو تیار ہوں لیکن بابا خدا کہ لیے کچھ کریں تو بابا نے کہا تم دوسرے کمرے میں چلے جاؤ میں

گاؤں سے لڑکیاں اٹھا کر لے جاتا ہے اس کا اصل ٹھکانا کہاں ہے۔

جن نے کہا سن میں تم کو بتانا نہیں چاہتا تھا مگر تم کو بتا دیتا ہوں اس کا نام جنا بر جن ہے وہ چار لڑیاں کہ پہاڑوں میں رہتا ہے وہی پر ایک غار ہے غار کے اندر ایک پتھر ہے جو بالکل سرخ رنگ کا ہے اس پتھر پر ایک دروازہ ہے دروازے کے اوپر سندھی زبان میں اسے کھولنے کا غلام لکھا ہوا ہے اگر تم وہ غلام بنو گے تو وہ دروازہ کھول دے گا مگر دھیان سے وہ دروازہ کھولنے والے ایک فیصد بھی آپ کی آواز جن کو آگئی تو پھر آپ کی خبر نہیں اس کے بعد جنا بر جن کی موت کا راز میں نہیں لکھا اور ہاں یہ مت سمجھنا کہ میں تم سے ڈر کر یہ سب کچھ بتا رہا ہوں نہیں بلکہ میں بھی جنا بر جن کے غلام بن کر دشمن ہوں کیونکہ اس نے مجھ سے تمام طاقتیں چھین لی ہیں مجھے ایک عام سا جن بنا دیا ہے اور اس کے ہی کھولنے پر آقا و شمال جادوگر نے مجھے قید کیا تھا اور اس ایک عام بول پڑا اگر تم میری مدد کرو تو اس جادوگر سے تمہاری جان ہی بچھڑا سکتے ہیں تو جنا بر جن سے بھی تمہارا انتقام لے سکتے ہیں نہیں ایک دن جن بولا۔

آپ کو پتا ہے کہ میں شمال جادوگر کوئی عام جادوگر نہیں ہے اس کے پاس کی طاقتیں ہیں اس کے پاس خونی زنجیر بھی ہے اور فلسفی زنجیر بھی ہے اور خونی پرندے بھی ہیں اور اولیس نے ایک دم حلال کی حالت میں آکر درود شریف پڑھا اور کلمہ پڑھا جن نے جب نواری کیفیت میں اولیس کے منہ سے کلمہ سنا تو اس کے دل کے اندر ایک کچھ بے چینی سے شروع ہو گئی جن نے کہا۔

اولیس میں مستمان ہونا چاہتا ہوں آپ مجھے کلمہ پڑھنا میں اولیس خوش سے جھومنا لگا اس نے

جادوگر بولا کیا مطلب ہے چڑیل تمہارا کیا مطلب ہے میں سخاوت کو تمہارا حوالے کر دوں اور تم اس کا خون کر دو میرے سب کام ادا ہو رہے رہ جائیں نہیں شیلہ چڑیل نہیں یہ کبھی نہیں ہو سکتا یہ صرف تمہاری سوچ ہے اس کو اپنی سوچ تک ہی محدود رکھنا اس کو حقیقت کے سامنے لانے کی کوشش نہ کرنا ورنہ تم رہو گی اور نہ تمہارے یہ سب س قسم کا کام ہے اچھا میری بات سنو میرا ارادہ ہے اس لڑکے سے سات لڑکیاں قتل کروا کر شیطان کے قدموں میں اس کی بیوی دوں گا۔

اس نے چڑیل کو کہا تم سخاوت کے پاس جاؤ وہ ایک جھپٹکتے ہی غائب ہو گئی دوسری طرف جب اولیس نے کسی کتاب کو یاد دلایا تو ایک دم وہاں پر ایک جن حاضر ہو گیا سہیل جن کو دیکھتے ہی بے ہوش وہ گیا اور اولیس پھر پھر کاپٹنے لگا اولیس نے زور سے کانپ رہا تھا تو ایک دم جن آگئے بڑھا اور اولیس کے قریب ہو گیا تو اولیس فوراً بول پڑا۔

ہم نے تمہارا کیا بگاڑہ ہے اور جو تم ہماری زندگی کے پیچھے پڑے ہوئے ہو تو جن نے کڑک دار آواز میں کہا۔

اے آدم زاد تم نے اس کتاب کو چھو کر بڑی غلطی کی ہے میں شمال جادوگر کا غلام ہوں تم اگر اپنی زندگی چاہتے ہو تو اس کتاب کو اٹھا کر فوراً مجھے دے دو ورنہ ورنہ اپنی موت کا انتظار کرو اولیس نے سن کر بوکھلا گیا اور کہا اے جادوگر کے غلام جن ہم وہی کریں گے جو تم کہو گے مگر ہمیں کچھ کہنا مست۔

اس جن نے کہا تم مجھے فوراً یہ کتاب دے دو اولیس نے کہا شرط پر تم کو وہ کتاب دوں گا۔ جن فوراً بولا کیا شرط۔

اولیس نے کہا تم اتنا بتا دو کہ جو جن ہمارے

فورا جن کو کلہ پڑھایا اور ارکان اسلام کہ متعلق بتایا اور کچھ اسلامی معلومات بھی دیں۔ تو جن کا دل نرم پڑھ گیا اور جن نے کہا۔

اولیس میں تم سے دوستی کرنا چاہتا ہوں جیسا سکون تم نے مجھے دیا ہے ایسا سکون آج تک میں نے اپنی زندگی میں نہیں لیا۔

اولیس نے کہا نہیں میرے دوست یہ خدا کہ مہربانی ہے تم پر کہ اللہ نے تمہیں ہدایت کا راستہ دکھانا تھا سو دکھایا اللہ نے آپ نے دل میں سکون ڈال دیا ہے اب تم بے فکر ہو جاؤ اگر ایک بڑا اونٹنی جادوگر آجائے گا میں گے تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے آپ بے فکر ہو جاؤ تم میرے ساتھ میرے گھر آؤ میں تمہیں کسی بزرگ کے پاس لے کر جاتا ہوں تمہیں دو جادوگر کی قید دے ٹٹکنے کا طلسم برادیں گے تم خود بخود ہی نکل جاؤ گے اب تم ایسا کرو کہ مجھے یہ بتاؤ کہ تم وہ کتاب کیوں پڑھا چاہ رہے تھے تو جن نے کہا۔

و شمال جادوگر نے مجھے بھیجا تھا کہ اس کتاب کو حاصل کر کے آپ سے چھین کے لاؤں کیونکہ اس کے اندر جادوگر کی موت کا راز ہے اسی وجہ سے اس سے پہلے جادوگر اولیس کو کچھ اور بتاتا کرے کہ وہ جھوٹا ہی دھواں پھیلنے لگا اور پھلتے پھلتے زیادہ ہونے لگا تو جن نے کہا کہ یہاں سے آنکھیں بند کرو اولیس اور اپنے دوست سمیل کا ہاتھ پکڑو جادوگر کو سب چھوٹ گیا ہے اس نے ہلکی سی زنجیر کو بھیج دیا ہے جلدی کرو وقت بہت ہم سے اسے ضائع نہ کرو ورنہ آج موت سے یقینی ہو جائے گی۔

اولیس نے اپنے دوست سمیل کا ہاتھ پکڑ لیا اور کچھ دیر بعد اسے ایک جھونکا سا لگا اور پھر جن نے اسے ایک کھیر کھونٹو تو انہوں نے جب اسے دیکھا تو اس نے اپنے گھر کا سامنے کھڑے

تھے سمیل بھی ہوش میں آچکا تھا جب پھر اس نے جن کو دیکھا پھر ذرے لگا اولیس نے کہا ذرہ دوست یہ ہمارا دوست ہے ہمیں کچھ نہیں کہے گا بلکہ ہماری مدد کرے گا سب چھ سمیل کو بتایا جن نے سب دیکھ کر مسکرا رہا تھا اور کہنے لگا سمیل تم بھی میرے دوست ہو آج سے آؤ میرے گلے ملو سمیل ڈرتے ڈرتے جن سے گلے ملا اور جن نے کہا۔

پاگل ذرہ دوست کچھ نہیں ہوگا اگر اسی طرح ڈرتے رہے تو جادوگر کو کیسے ختم کر دے گا اس لیے اسے اندر ہمت پیدا کرو اور اس جن کو آپ نے ہی ختم کرنا ہے کیونکہ تمہارے پاس بھی کچھ طاقتیں ہیں جو خفیہ طاقتیں ہیں جو تمہیں کسی بزرگ کے پاس جاکر دکھاؤ اگر ہم نے وقت ضائع کیا تو آپ کی جان بھی خطرے میں ہے میرے دوست جن اولیس نے کہا تو جن نے کہا مجھے کوئی ڈر نہیں ہے میرے دوست جو راستہ تمہارے ہاتھ میں ہے وہ بھی گھر میں نہیں گزرتی جاتی کچھ نہیں ہوتا خیر اگر آپ کہہ رہے ہیں تو میں چلا جاتا ہوں مگر آپ کو کسی بزرگ کے ٹھکانے کا پتہ ہے کیا سمیل نے کہا جھوٹا دیر کا ڈر ڈر کر کوئی بات کرنے کی کوشش کر رہا تھا کیونکہ اس کے دل پر ابھی بھی دھڑکن کا کام بڑی تیزی سے جاری تھا۔

اولیس نے کہا ماں یا ایک بزرگ ہے جو میری مدد کریں گے ہمیں آج ہی غلطی ہوگا ان بزرگ کے پاس تو سب جلتے گئے۔

شام کو آج سخاوت کی یاد بہت ستاری تھی وہ سوچ رہی کہ کب سخاوت آئے گا اور یہ نہ ہو کہ میرے گھر والے کسی اور سے میری شادی نہ کر دے میں دیر میں تو جیتے جی مر جاؤں گی سنا وہ سنا تھی جس نے بھی زندگی میں دین والے کام کی طرف توجہ نہیں دی تھی وہ ہر وقت نیا نیا فیشن ڈھونڈتی

رہتی تھی مگر جب سے سخاوت سے اسے پیار ہوا تھا اور سخاوت نے جب اسے جانتے وقت چاند جادوگر کے بارے میں بتایا تو وہ اس کے بعد پانچ وقت کی نمازی ہو گئی تھی ہر وقت اس کے ہاتھ میں پانچ سودانوں والی تسبیح ہوتی تھی ہر وقت وہ خدا سے یہی دعا کرتی تھی کہ اے اللہ اے میرے پروردگار میرے سخاوت کو کچھ مت ہونے دینا اس کا ہمیشہ ساتھ دینا ہر وقت اسکی مدد کرنا اس کے اوپر ہر نعم ہر پریشانی ہر مصیبت کو نال دے اسے میرے خدایا وہ ہر وقت پریشان رہنے لگی تھی ہر وقت افسردہ سی رہتی اس کے گھر والے بھی اس کی اس حرکت سے پریشان تھے۔

سخاوت اپنے کام میں لگی تھی کہ ایک دم ایک خوبصورت لڑکی کمرے میں حاضر ہوئی اور سخاوت کو کہنے لگی جناب کدھر بڑی سہا سہا سخاوت اچانک خوبصورت لڑکی کو اپنے پاس دیکھ کر ڈھکیا اور اپنا ڈر چھپانے کی کوشش کرنے لگا اور کہا جی نہیں ویسے ہی بیٹھا ہوں مجھے کہاں بڑی ہونا ہے جی مگر آپ ہو کون تو اس لڑکی نے کہا آپ برا نہ مانو تو بھانوں تو سخاوت نے کہا نہیں مانوں گا بتاؤ تو لڑکی نے کہا کہ میں وراصل آپ کی دوست آپ کی بہن انہوں نے سخاوت نے کہا کیا مطلب میں نے کچھ اور پوچھا تھا اس نے کہا میں اس بزرگ کی بیٹی ہوں اور سخاوت کے ساتھ زیادہ فری ہونے لگی سخاوت بھی اس کے جال میں آگیا تھا وہ بھی اس کی بات پر ہاں سے ہاں ملاتا رہا وراصل وہ لڑکی ونام جادوگر کی غلام چیزیں تھیں وہ ونام جادوگر کے کہنے پر سخاوت سے کچھ معلومات فراہم کرنے کے لیے آئی ہوئی تھی مگر اس کی کوشش کے باوجود بھی سخاوت کچھ نہیں بتا رہا تھا مگر خیر اس چیز میں نے سخاوت سے

اجازت چاہی اور غائب ہو گیا چیزیں ایک ونام جادوگر کہ پاس حاضر ہوئی کہا۔

آپ کا پتہ نہیں کیا بات ہے میں نے سخاوت سے پوچھنے کے لیے بہت کوشش کی مگر وہ کچھ بھی نہیں بتا رہا اپنے متعلق پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے اس کے دماغ کو لگتا ہے اس کا دماغ اس کے کنٹرول میں نہیں ہے تو ونام جادوگر ہنسے لگا اور کہا۔

شیلہ چیزیں وراصل میں نے سخاوت کا ذہن اپنے کنٹرول میں کر لیا ہے آپ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے کیونکہ میں نے آج رات کا چلہ کر کے اس کے ذہن کو قابو کر لیا ہے اس کو میں نے اپنا غلام بنا لیا ہے آپ وہ ساری زندگی میرے ہی قبضے میں رہے گا کچھ بھی نہیں کر سکتا وہ جتنا نہ انداز میں ہنسے لگا وہ اور شیلہ چیزیں میں آج چلا سکتی ہو جادو اپنا کام کرو اور رات کو پھر آنا۔ میرے پاس تم تک ایک کام ہے جو رات کو آپ سے وراصل کر کے اس کام کو کراؤں گا۔

چیزیں ایک دم غائب ہو گئی سخاوت اپنے ذہن میں ہل رہا تھا تو وہی جادوگر کمرے میں آیا اور کہا آپے بالک آج رات کو آپ نے ایک چلہ کرنا ہے آپ پہلے ایسا کرو کہ میری بات غور سے سنو تم کو ایک چلہ دے گا وہ بھی ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر لے کے دو ملن تم کو ہر طرح سے ڈرایا دھمکا یا جایگا مگر تم نے مجھے قدم رہنا ہے تم کو الوکا خون سے غسل بھی کرنا ہوگا اور شیطان کو سجدہ بھی کرنا ہوگا مگر کہتے ہیں کہ جب بندے کا ذہن کام کرنا چھوڑ دے تو بندہ اپنے نفعی نقصان کو سمجھ نہیں سکتا جاتا ہے یہی حالت سخاوت کی تھی اس کی عقل بھی پانی پڑ گیا تھا اس نے بھی ہاں میں ہاں کر دی جادوگر نے سخاوت کو چلے کے حروف بتائے سخاوت ان کو یاد کرتا رہا آخر کار سخاوت کو یاد ہو گئے ایسی طرح رات ہو گئی رات کو سخاوت

نے ایک دائرہ لگایا اور ایک پاؤں پر کھڑا ہو کر چلے کے ورد کو پڑھنے لگا پہلے وہ تین گھنٹے تو خیریت سے گزر گئے لیکن پھر سخاوت نے دیکھا کہ دور سے ایک گھوڑا دوڑتا ہوا آ رہا ہے اس گھوڑے پر ایک بزرگ بیٹھنے ہوئے ہیں اور وہ جب سخاوت کے قریب پہنچے تو سخاوت کو کہا جینا اس جگہ کو چھوڑ دو یہ شیطانی چلہ ہے تم کو تمہارے دوست نے غلط پتہ بتا کر اس جادوگر کے پاس بھیج دیا ہے یہ جادوگر اسلام کا دشمن ہے جینا آپ بھی نا تم سے نکل جاؤ حصار سے اللہ سے معافی مانگو الہ تمہیں معاف کر دے گا وہ معاف کرنے والی بڑی کریم ذات ہے جینا نکل آؤ حصار سے سخاوت جب حصار سے نکلنے کے لیے پاؤں زمین پر رکھنے ہی والا تھا کہ اس کو اچانک جادوگر کی آواز سنائی دی جینا تم مت ڈھکنا خیر ہمارے سب سچے دانش سے اپنے کام میں لگے رہو سخاوت نے ان کے پسند کر لی اور اپنے کام میں مگن ہو گیا۔ پھر بزرگ غائب ہو گئے ابھی کچھ نا تم ہی گزر رہا تھا کہ زمین تلے کی جیسے زلزلہ آگیا ہو زمین بھیٹی اور ایک خوفناک چلن باہر آگئی اور کہا۔

اے لڑکے اس چلے کو چھوڑ دے یہ بکواس بند کر ورنہ میں تمہارا غصہ میں آگئی اور جب دیکھا کہ ہر طرح سے سخاوت میری بات نہیں مان رہا تھا تو پھر وہ غائب ہوئی اور جب دوبارہ وہ نمودار ہوئی تو اس کے ہاتھ میں سناٹھی اور کہا لڑکے باہر آؤ ورنہ اس لڑکی کا خون پی جاؤں گی جادوگر کی آواز آئی سالک یہ سب نظر کا دھوکہ ہے تم اپنے کام سے کام رکھو کچھ نہیں ہوگا سخاوت انہل میں بہت ڈر گیا تھا غصہ میں آ کر اس کا خون پی لیا اس چیزیل نے اور غائب ہو گئی آخر کار سخاوت کا چلہ ختم ہو گیا اور جادوگر کے پاس گیا جادوگر کے کچھ اور ارادے تھے وہ سخاوت سے چلے کروا کر

شیطان سے شکتی حاصل کرنا چاہتا تھا جب وہ شکتی حاصل کر لیتا تو سخاوت کو بھی ختم کر دیتا ہے جادوگر نے سخاوت کو کہا کہ تم آلو کا خون سے غسل کرو خون سخاوت کو دیا پھر شیطان کو بندہ کیا پھر جادوگر نے سخاوت کو دل اور خون لانے کو کہا

وہ تیار ہو گیا گو وہ نکل سے ڈرتا تھا ساتھ ہی ایک گاؤں تھا جادوگر نے کہا۔

تم کو یہی ظلم جو میں نے رات کو تمہیں بتایا تھا وہ پڑھ کر جس لڑکی کے اوپر بھی تم پڑھ کر پھونکو گے وہ مدہوش ہو جائے گی اور تم نے اٹھا کر میرے پاس لانا ہے جلدی کرو سخاوت چل پڑا اور جب وہ دوسرے گاؤں پہنچا تو راستے میں ایک قبرستان تھا وہ اس قبرستان میں سے نکل کر سیدھا قبرستان کی سطح سے نکل کر گاؤں میں پہنچ گیا گاؤں پہنچ کر راستے لڑکی کہیں گاؤں سے کھاس کاٹ کر لا رہی تھی سخاوت نے اس کو اوپر چھو پڑھ کر پھونکا تو لڑکی مدہوش ہوئی سخاوت اسے اٹھا کر جادوگر کے پاس لے گیا اور جب جادوگر نے سخاوت کے کندھے پر لڑکی کو دیکھا تو جادوگر خوش ہو گیا اور کہا

سالک تمہیں میں بڑی شکتی دوں گا تم اس شکتی سے اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزار سکو گے اور جادوگر نے اس لڑکے کو طے خانے میں بند کر دیا سخاوت کو کہا

تم جادوگر کے کمرے میں سخاوت دوسرے کمرے میں چلا گیا وہاں پر بیٹھ کر سوچنے لگا کہ کب تک میرا چلہ ختم ہوگا اور کب میں اپنے مقصد کو حاصل کروں گا خیر وقت گزرتا رہا سخاوت روزانہ لڑکیاں لاتا رہا آج ساتویں دن تھا سخاوت چلے میں مصروف ہو گیا تھا تو اچانک ایک خوفناک قسم کا اثر دھا کا ضر ہوا اور سخاوت کو کہا

انسانی آواز میں اسے پتہ نکل آ اس حصار

غزل

تو یہ بھی لکھتا

اداسیوں، مایوسیوں، بے وقاؤں کا سبب جو لکھتا

تو یہ بھی لکھتا

کہ چاند، ستارے، سیارے دل و دماغ، چاہت
الغت، آنکھیں اپنے پرانے جو کہتے تھے ہم آپ کے
سب بدل گئے وہ لمحے جو تیری راہوں میں تیرے

آنے
کے پھر تھے وہ تھک کر بنا امید ہو کر سایوں میں ڈھل
گئے

ہیں! وہ تیری یادیں تیری باتیں خیال و صورت
تصویرات تیرے

وہ رنج و غم انداز تیرے دلائل تیرے، وہ تیری
دعائی

حیرتی آنکھیں سوال تیرے

دو تہ سے میرے تمام ناطے رشتے پھڑ گئے ہیں اجڑ
گئے ہیں

ڈھل گئے ہیں تڑپ گئے ہیں اداسیوں کا سبب جو لکھتا
تو یہ بھی لکھتا کہ روتے ہوئیوں پر لا کھڑائی دعا کے
سورج چمک گئے ہیں

زاہد اقبال، سحر سمندری

تیرے پیار کی دھوپ ہو تیرے پیار کے سائے ہوں
کجا موسم مجھے چاہیے سب نفاذوں کے بدلے
فقط زندگی پیار سے غلوں سے نہیں چلتی
جانے کیا کیا کرنا ہرے زمانے کی رضاؤں کے بدلے
ہے رشتی کرو گے تو میری بات یاد رکھنا
جان بچا جائے گی تیری دغاؤں کے بدلے
تیرے خیال کی قید اور نگاہوں کی یہ ڈھچکیں
یہ سزا اچھی لگے گی مجھ کو سب سزاؤں کے بدلے

زاہد اقبال، سحر سمندری

سے ورنہ تیری موت یقینی ہے سخاوت روزانہ جن
بھوت چڑیاہیں دیکھ دیکھ کر عادی ہو گیا تھا مگر آج
اسے اس اثر دھا کو دیکھ کر ڈر لگ رہا تھا وہ اثر دھا
کو ڈراتا رہا مگر سخاوت نے ثابت قدم رہ کر اپنا
چلہ پالیا تھا جب چلہ ختم ہوا تو ایک دم اندھی چلنے
لگی اور سخاوت ہوا میں اڑنے لگا اڑتے اڑتے وہ
ایک انجان منزل کی طرف جانے لگا اور آگے ہی
آگے جا رہا تھا ایسا لگ رہا تھا جیسے سخاوت کہ پیچھے
کوئی بلا لگی ہوئی ہو اور سخاوت کا ذہن کنٹرول سے
باہر ہوتا جا رہا تھا آخر وہ بے ہوش ہو گیا جب اس کو
ہوش آیا تو جلتی آگ میں پڑا ہوا تھا مگر حیرت کی
بات یہ تھی کہ آگ اس کے جسم پر بالکل بھی اثر نہیں
کر رہی تھی پھر ایک دم وہ جادوگر حاضر ہوا حیرت
کی بات یہ تھی کہ جادوگر کے جسم کو بھی آگ لگی
ہوئی تھی اس کے بعد کیا ہوا جاننے کے لیے اگلا
شمارہ پڑھنا نہ بھولنے گا۔

غزل

قصہ تیرے فراق کا مٹایا نہیں گیا
تیرے پیار کا زخم ابھی تک مٹایا نہیں گیا
اپنی اندھیری شب کو منور کرنے کیلئے
دل کا چراغ جلا کر بھجایا نہیں گیا
تیری قربت کیلئے پھولوں کو ترستے دیکھا
اک مدت سے بھی مسکرا کر نہیں گیا
ہر بزم حیران ہی تذکرہ تھا مگر آج
من کے حیران ہم آنسوؤں کو چھپایا نہیں گیا
اس طرح اپنے نقوش چھوڑ گئے ہو میرے دل میں
کسی بھی چہرے کو دل میں بسایا نہیں گیا
رمضان ہمیں گھ نہیں کہ وہ روٹھ گیا ہم سے
مگر انہوں نے یہ ہے کہ ہم سے وہ مٹایا نہیں گیا

زاہد اقبال، سحر سمندری

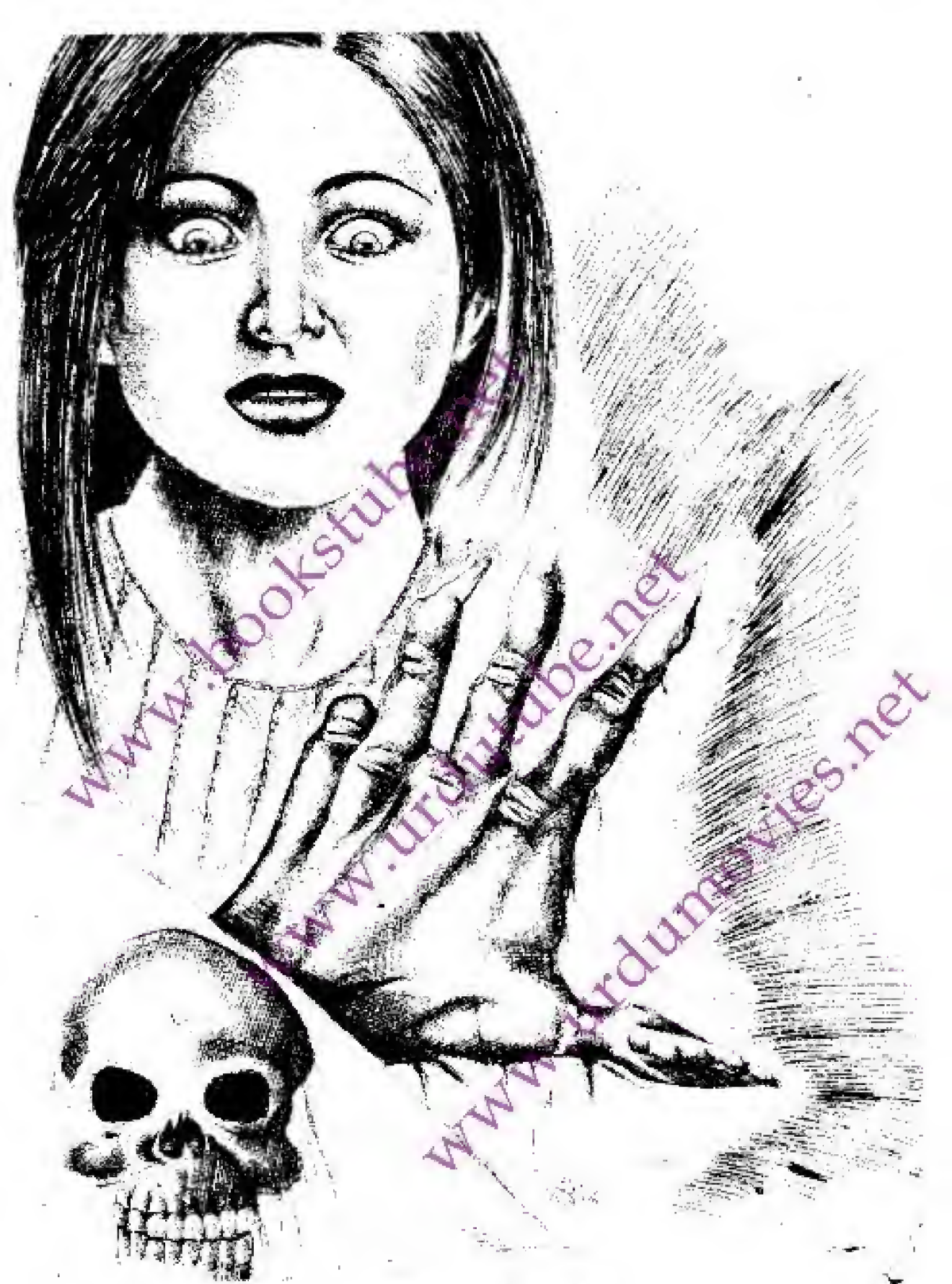
پُر اسرار !

قیدی ۔۔۔

میرے سامنے ایک بھیانک منظر تھا۔ فرش پر ایک عورت کے اعضاء بکھرے پڑے تھے اور ایک شخص تیغ سے اُس کے جسم کی بوٹیاں بنانے میں مصروف تھا، جسم کا گوشت کاٹتے وقت وہ ایک پیشہ ور قصائی لگ رہا تھا۔۔۔

مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ میں نے کب اس شخص کے بارے میں سنا ہو یا شروع کیا لیکن یہ احساس ضرور ہے کہ وہ پہلے دن سے ہی مجھ دوسروں سے کچھ الگ تھا۔ اور تھوڑا سا پُر اسرار لگا تھا۔ وہ تقریباً پچاس سال کا ایک دراز قد، سرخ و سفید اور صحت مند آدمی تھا۔ چہرے پر مٹھی موٹھیں تھیں جن میں سفید بالوں کا غلبہ تھا۔ عام طور پر وہ نیس قسم کی سیاہ شیروانی اور کلف لگی سفید برائیاں میں ملبوس نظر آتا۔ سر پر کبھی جناح کیپ ہوتی اور کبھی پٹا درمی کلاہ جس کا اکڑا ہوا شلہ اسے اور زیادہ بارعب بنا دیتا۔ خاصہ عمر ہونے کے باوجود وہ تن کر چلتا اور چمکتے ہونٹوں میں اس کے پسینے بڑی مضبوطی سے زمین پر پڑتے نظر آتے۔ اس کی دو عادتیں میں نے شروع سے ہی نوٹ کی تھیں۔ ایک تو وہ کبھی بگے سر نظر نہیں آتا تھا اور دوسرے زیادہ تر نظریں مٹکا کر چلاتا تھا میں نے کبھی اسے بار مٹھدا دھر دیکھتے ہوئے نہیں پایا۔ پیشے کے اعتبار سے میں اخبار نویس ہوں اور ایک روزنامے میں کرائم رپورٹر کے طور پر کام کرتا ہوں۔ ہر چیز کو گہری نظر سے دیکھنا میری عادت بن چکی ہے۔ میں جس علاقے میں رہتا ہوں وہ قدرے خوشحال متوسط طبقے کی آبادی ہے۔ میرے گھر سے ایک گھر چھوڑ کر وہ ایک خوشنما اور نئے تعمیر شدہ مکان میں بطور کرایہ دار آیا تھا۔ میں جس وقت کام پر جانے کے لیے گھر سے نکلتا تھا۔ اس وقت عموماً وہ واپس آ رہا ہوتا تھا۔ پہلے وہ قریبی سٹاپ سے دیگن سے اتر کر تھوڑا سا پیدل چل کر گھر آ رہا ہوتا تھا۔ پھر کچھ دن بعد اس کے پاس ایک پرانی سی موٹر نظر آنے لگی۔

اس کے گھر کے سامنے سے موٹر سائیکل پر گزرتے وقت دو تین مرتبہ میں نے اس کی نیوی کو بھی براہ سے



میں کھڑے یا مختصر سے لان میں کرسی پر بیٹھ کر ٹنگ کرتے یا کوئی رسالہ وغیرہ پڑھتے دیکھا۔ وہ بچتہ عمر کی ایک لمبی
 نرنگی عورت تھی۔ گوری رنگت جس میں ہلکی سی زردی جھلکتی تھی۔ بالوں میں کہیں کہیں سفیدی نظر آتی تھی اور ان کا
 وہ بڑی مضبوطی سے جوڑا بنا کر رکھتی تھی۔ ایک بار وہ گیٹ کے قریب کھڑی تھی تو میں نے اس کے ماتھے پر بند
 یاد رکھی لیکن یہ بند یا بعد میں کبھی نظر نہیں آئی۔ اسی روز قریب سے گزرنے کی وجہ سے مجھے اس کی آنکھیں دیکھنے کا
 اتفاق بھی ہوا۔ ان آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے تھے جیسے وہ کچھ عرصہ پہلے تک بیمار رہی ہو لیکن ان حلقوں کے درمیان
 اس کے آنکھیں۔۔۔! میں نے زندگی میں شاید ہی کبھی ایسی آنکھیں دیکھی ہوں۔ ان میں ایک برقی سی اداسی
 منجمد نظر آتی تھی لیکن اس اداسی کی تہہ میں ایک عجیب چمک تھی جیسے سرد ہواؤں کے عقب سے کبھی کبھی بجلی چمک
 اُٹھتی ہے۔ میں ان آنکھوں کا مجموعی تاثر لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا۔ یہی اتنا کہہ سکتا ہوں کہ جب اس نے ان
 بڑی بڑی، اس انجمد اور گہری آنکھوں سے میری طرف دیکھا تو میری ریڑھ کی ہڈی میں ایک سردی اور دوڑ گئی
 تھی اور غالباً ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے کے لیے مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں دو در کہیں تاریک کھنڈرات کے ایک
 لامتناہی سلسلے میں دھکیل دیا گیا ہوں، جہاں ہر طرف حشرات الارض ریگتے پھر رہے ہیں اور سچے ہوائیں کانوں
 میں بیٹیاں بجاتی گزر رہی ہیں لیکن جیسے ہی میں گیٹ کو اس کر گیا، میرے حواس مجھے حقیقت کی دنیا میں لے آئے
 لیکن غریب کی منٹ تک میری انگلیاں موڑ سائیکل کے ہینڈل پر مضطرب سی رہیں۔

ان دو دنوں میں اس بیوی کے پاس اولاد کوئی نہیں تھی اور نہ ہی انہوں نے کوئی ملازم وغیرہ رکھا تھا۔ میں نے
 کبھی کسی تیسرے فرد کو ان کے گھر کی چار دیواری میں نہیں دیکھا۔ انہیں اس علاقے میں آئے ڈیڑھ دو ماہ گزر
 چکے تھے لیکن نہ تو میں نے مرد کو کبھی اس پاس کے کسی آدمی سے بات چیت کر کے دیکھا اور نہ ہی عورت کو کبھی کسی
 ہمسائی کی طرف متوجہ پایا۔ یوں لگتا تھا کہ وہ اپنی محدود دنیا میں گمن ہیں نہ ہی وہ کسی کی ضرورت محسوس کرتے ہیں
 اور نہ کسی سے رابطہ و ضبط پیدا کرنا پسند کرتے ہیں۔ سودا سلف بھی مرد خود لانا تھا۔ عورت کو کبھی میں نے گیٹ سے با
 ہر نہیں دیکھا۔

ایک رات دو بجے کے قریب میں اخبار کی آخری کاپی میرے پاس میں جانے کے بعد دفتر سے واپس آ رہا تھا۔
 اپنی کالونی کا موڑ مڑنے کے بعد میں اس چھوٹی گلی میں ہولیا جو ہمارے مکان کے عقب میں پہنچتی تھی۔ یہ ایک
 طرح کا شارٹ کٹ تھا جس سے میں ذرا جلدی گھر پہنچ جاتا تھا۔ اپنی گلی میں پہنچ کر میں اس شخص کے مکان کے

عقب سے گزر رہا تھا کہ میری نظر ایک کمرے کی کھڑکی کے شیشے پر پڑی۔ پورے مکان پر تاریکی چھائی ہوئی تھی لیکن اس کمرے میں روشنی تھی۔ کھڑکی کے عقب میں گراہوا پر وہ ایک لمبے کے لیے غالباً شیشے کی ہوا سے پھڑپھڑایا تھا اور اسی ایک لمبے مجھے روشن شیشے پر ایک سایہ نظر آیا تھا۔ جوڑے چمکے کندھوں والا ایک سایہ جس کا سر گول اور گردن بھی سر کی سیدہ میں اتنی ہی موٹی نظر آرہی تھی۔ کچھ عجیب سی ہیبت تھی۔ وہ جو کوئی بھی تھا، غالباً میری موٹر سائیکل کی آواز سن کر یک لخت اس طرح ایک طرف کو ہو گیا کہ اس کا سایہ روشن شیشے پر سے غائب ہو گیا اور اسی لمبے کھڑکی پر پردہ بھی دوبارہ گر گیا۔ یہ سب کچھ بمشکل دو یا تین سیکنڈ میں ہوا اور میں نہٹھکتے نہٹھکتے بھی اپنے گھر کے عقبی دروازے تک پہنچ گیا۔ عقبی دروازے کو میں باہر سے تالا لگا کر جاتا تھا۔ تالا کھول کر جب میں موٹر سائیکل اندر لے جا رہا تھا تب بھی میرا ذہن اس سائے میں الجھا ہوا تھا جو مجھے اپنے سائے کی کھڑکی کے روشن شیشے پر ایک لمبے کے لیے دکھائی دیا تھا۔ وہ تھا تو یقیناً کسی آدمی کا سا۔ لیکن اس کا سر اور گردن کچھ عجیب سی تھی۔ دفعتاً ایک خیال بجلی کے کوغذے کی طرح میرے ذہن میں لپکا۔ اگر کسی آدمی نے کندھوں تک پہنچنے والی اتھا ب پہنچ رکھی ہو تو اس کا سایہ بالکل ایسا ہو گا۔ اس کا مطلب ہے اس کمرے میں کوئی نقاب پوش موجود تھا۔ موٹر سائیکل اندر رکھ کر میں نے اپنے کمرے میں سے پستول نکال کر چٹلون کی جیب میں رکھا، بڑی آہستگی سے دروازے کو دوبارہ تالا لگا یا اور گلی میں دے باؤں چلتا ہوا اسی کمرے کی کھڑکی تک آ گیا۔ کھڑکی کے کمرے کے کندھوں تک کی بلندی پر تھی۔ میں نے کھڑکی پر کان گا دیا۔ اندر کسی قسم کی کوئی آواز نہیں تھی۔ اگر وہ کوئی چور تھا تو لازماً اسے سامان کے ساتھ چھپڑ چھپڑ کرنا چاہئے تھی اور اس کی آواز یقیناً تھوڑی بہت مجھے سنائی دیتا تھی کیونکہ کمرے میں سے کسی کے جانسی لینے تک کی آواز مجھے ہلکی ہلکی سنائی دے رہی تھی لیکن یہ کسی خوابیدہ انسان کی آواز تھی۔ یکساں، ہموار اور قدرے کھکھراتی ہوئی!

پولیس عام طور پر جب کسی تھوڑے بہت بڑے لکھے مجرم کو پکڑتی ہے تو اس سے یہ بات سننے میں آئی ہے کہ جی میں مار دھاڑ کی فلمیں دیکھ کر اور جاسوسی لڑیچر پڑھ پڑھ کر جرائم کی طرف راغب ہو گیا تھا۔ اتفاق سے میں انگریزی جاسوسی اور ایکشن فلمیں کثرت سے دیکھتا ہوں اور جاسوسی لڑیچر بھی بڑی پسندیدگی سے پڑھتا ہوں لیکن ان فلموں اور لڑیچر نے مجھے جرم کی ترغیب دینے کی بجائے مجرم کو ذاتی طور پر پکڑنے کا شوق بخشا ہے کیونکہ اکثر فلموں اور کہانیوں کا اختتام یہی ہوتا ہے کہ مجرم کس طرح ایک چھوٹی سی غلطی سے پکڑا گیا۔ میرے خیال میں تو جرم

وسر کی فلموں اور کہانیوں میں ترفیب کا پہاؤ شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ جرم کار جھان تو ان مجرموں کے ذہنوں میں پہلے سے موجود ہوتا ہے جو پکڑے جانے کے بعد فلموں اور لڑ بچہ پر اپنی بد فطرتی اور بد اعمالی کا بوجھ لادنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر کتابوں اور فلموں سے کوئی مجرم بن سکتا تو آج ذلیل کاریگی کی کتابیں پڑھ پڑھ کر ہر آدمی دنیا کا ہر اعزیز، امیر ترین اور کامیاب ترین آدمی بھی تو بن سکتا تھا۔

یہ سب کچھ سوچتے ہوئے میں کھڑکی سے لگا سانسوں کی آواز چند لمحوں تک سنتا رہا۔ پھر ان سانسوں کی آواز بے ربط اور غیر واضح سی ہو گئی اور میں نے مسک کا کی بہت ہلکی سی جڑاہٹ بھی محسوس کی۔ کہیں نقاب پوش ڈاکو، مسہری پر خوابیدہ انسان کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اس کا گلا تو نہیں گھونٹ رہا۔ اس خیال نے مجھے ایک لحظت بے چین کر دیا میں بھاگتا ہوا دیوار کے اس حصے تک پہنچا جہاں سے لان شروع ہوتا تھا۔ یہاں دیوار قدرے نیچی تھی۔ دیوار اور دروازوں میں دبا کر میں نے دیوار پر ہتھیلیاں بٹھائیں اور جسم پر زور دے کر پھرتی سے دیوار پر چڑھا اور دوسری طرف کھڑک کو دیکھا۔ لان سے بھاگتا ہوا میں برآمدے میں آتا ڈرائنگ روم کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ سامنے دوسرا کوئی دروازہ نہیں تھا۔ بچوں کے بل دوڑتے ہوئے مکان کے باہر میں آیا۔ یہاں ایک چھوٹا دروازہ اور کچھ فاصلے پر ایک چھوٹی کھڑکی تھی۔ یہ دروازہ بھی اندر سے بند تھا البتہ جب میں نے کھڑکی پر ہاتھ کا دباؤ ڈالا تو وہ کھل گئی۔ اندر اندر میرا ہونے کے باوجود مجھے اندازہ ہو گیا کہ یہ کچن کی کھڑکی ہے کیونکہ اندر سے ایک محسوس ایک تھکی لاسٹر جلا کر میں نے اندر کا جائزہ لیا فرش لپاوا نہیں تھا۔ لاسٹر جلدی سے جھا کر میں نے کھڑکی کی پوزیشن پر پہلے اپنی ٹانگیں داخل کیں اور فرش پر پاؤں لگا کر جسم کو بل دے کر اندر پہنچ ہی گیا۔

کچن کا اندر دروازہ کھول کر جب میں نے پرلی طرف بھاگا تو وہ صدمہ سی روشنی میں وہاں ڈرائنگ ٹیبل وغیرہ نظر آئیں۔ غالباً یہ ڈرائنگ اور ڈرائنگ روم تھا۔ اس کی وجہ سے شیشوں والی کھڑکی پر پردوں کے باوجود بہت ہلکی سی روشنی برابر والے کمرے سے آ رہی تھی۔ برابر والا کمرہ روشن تھا اور وہی میرے اندازے کے مطابق وہ کمرہ تھا جہاں کچھ ہو رہا تھا۔

دبے پاؤں ڈرائنگ روم میں داخل ہو کر میں صوفوں اور کرسیوں سے بچتا بچتا اس دروازے تک پہنچا جو روشن کمرے میں کھلتا تھا۔ دروازے پر میں نے ہاتھ ہی رکھا تھا کہ وہ خاصا کھل گیا۔ میں تھک کر ایک قدم پیچھے اوٹ میں ہو گیا کیونکہ کھلتے ہوئے دروازے پر یقیناً اندر موجود آدمی یا آدمیوں کی نظر پڑ سکتی تھی۔ کئی سیکنڈ تک میں

سانس رو کے کھڑا رہا لیکن کوئی عمل ظاہر نہ ہوا۔ تب میں نے آگے بڑھ کر ایک آنکھ دروازے کی درز سے لگا کر اندر جھانکا۔ اندر کوئی ٹھہری نہیں تھا میں نے آنکھیں مل کر دو بارہ اندر دیکھا۔ حقیقتاً وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ کھڑکی جس کے ششے پر میں نے نقاب پوش کا سایہ دیکھا تھا، پردے میں چھپی ہوئی تھی لیکن محسوس نہ ہو سکتا تھا کہ وہ بند ہے۔ یہ کمرہ خوابگاہ تھا۔ درمیان میں ایک ڈبل بیڈ پڑا تھا جس کی چادر پر شکلیں بتا رہی تھیں کہ کچھ دیر پہلے تک یہاں کوئی محراب تھا۔ ایک گوشے میں سنگھار میز تھی جس پر سیک اپ کا سامان بے ترتیبی سے پڑا تھا۔ بیڈ کے عین قریب زنانہ سلیر پڑے تھے۔ ابھی میں غور ہی کر رہا تھا کہ اس کمرے میں موجود فرد یا افراد کہاں گئے، دفعتاً میری نظر کمرے کے ایک گوشے پر پڑی جہاں قالین اٹلا ہوا تھا۔ اس کے نیچے خلا نظر آ رہا تھا۔ اٹلے ہوئے قالین پر ایک چوکور مونا سا تختہ رکھا نظر آ رہا تھا۔ تختہ بڑی نفاست سے ترشا ہوا تھا اور اس کی بالائی سطح پر ایسا پینٹ کیا گیا تھا کہ وہ فرش کا ہی ایک اکھڑا ہوا ٹکڑا نظر آتا تھا۔ اُسے اگر غلا پر رکھ دیا جاتا تو فرش بالکل ہموار اور بے جواز نظر آتا۔۔۔ یہ خلا یقیناً کسی تہہ خانے کا راستہ تھا۔ پھونک پھونک کر قدم رکھتے میں اس خلا تک پہنچا اور میرے خیال کی تصدیق ہو گئی۔۔۔ وہاں سے میز میاں نیچے جا رہی تھیں۔۔۔ یہ گھر گزشتہ دنوں میرے دیکھتے ہی دیکھتے ہی دیکھتے تعمیر ہوا تھا لیکن یہ دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی کہ اس میں کوئی تہہ خانہ بھی تھا۔ تہہ خانے سے روشنی تو مجھے زاویے سے میز میوں پر پڑ رہی تھی۔ میں نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر نیچے جھانکا لیکن تہہ خانہ یقیناً میز میوں کے احاطہ سے خراب ہوا تھا اس لیے یہاں سے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ تہہ خانے میں اتنا خطرے کا باعث بھی ہو سکتا تھا لیکن اس انکشاف کی امید نے میرے خوف پر غلبہ پایا ہوا تھا۔ اتنا وقت نہیں تھا کہ میں اپنی مدد کے لیے کسی کو بلا کر لاتا۔ اتنی دیر میں نہ جانے کیا ہو جاتا۔

اللہ کا نام لے کر میں نے ریوالور مضبوطی سے تھام لیا اور میز میوں پر پہلا قدم رکھ دیا۔ جب میں ساتویں میز می پر پہنچا تو مجھے تہہ خانے کا مظہر نظر آنے لگا اور یہ منظر بہت بھیانک تھا میرے سامنے فرش پر ایک عورت کے اعضاء بکھرے پڑے تھے۔ ایک طرف لائیکس جو بیروں سے محروم تھیں۔ ان کے پاس ہی ہیر علیحدہ کئے پڑے تھے۔ برہنہ دھڑ جس سے ہانڈ علیحدہ کئے جا چکے تھے۔ ایک طرف عورت کا سر کٹا پڑا تھا جس پر لمبے لمبے بال چھتری کی طرح پھیلے ہوئے تھے مگر چہرے کا کافی حصہ نظر آ رہا تھا اور یہ چہرہ میرے پر اسرار پڑوسی کی بیوی کا تھا۔ اس کی وہ آنکھیں جن میں جھانک کر ایک مرتبہ میرا وجود جھنجھٹا کر رہ گیا تھا۔ اس وقت بند تھیں اور اس کے چہرے

پر کرب یا اذیت کا کوئی نقش نہیں تھا۔ یہ لگتا تھا کہ وہ بڑی گہری نیند سو رہی ہے۔ اپنے تمام تر خوف کے باوجود میں نے یہ بات محسوس کی کہ فرش پر خون کا ایک قطرہ تک نہیں تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے موسم کے مجسمے کو کسی نے تیز دھار آے سے تراش کر کھڑے کھڑے کر دیا ہو۔ اور تراشنے والا بھی فوراً ہی مجھے دکھائی دیا یہی غالباً وہ نقاب پوش تھا جس کا سایہ مجھے خواب گاہ کی کھڑکی کے شیشے پر نظر آیا تھا۔ وہ مضبوط تن و توش کا ایک چوڑا پکا آدمی تھا جس کا چہرہ گردن سے لے کر سر کے بالوں تک سیاہ نقاب میں چھپا ہوا تھا۔ سفید شلوار قمیض پہنی ہوئی تھی اور ان کپڑوں پر بھی خون کا ذرا سا دم بہ تک نہیں تھا۔ اس کا راباں پہاؤ میری طرف تھا اور اس وقت وہ اپنے کام میں بڑی تندہی سے مشغول تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک وزنی جھکدار تینہ تھا اور دوسرے ہاتھ میں مقتول عورت کا دوسرا بازو۔ اس کے سامنے لکڑی کا ایک بڑا سا گول کھڑا فرش پر رکھا تھا جیسا کہ عموماً تصانیف کے پاس قیصر کوٹنے کے لیے ہوتا ہے۔ اس کھڑے پر وہ عورت کا کٹا ہوا بازو رکھ کر تینے سے اس کی انگلیاں کاٹ رہا تھا۔ ٹھک ٹھک کی دو آوازوں کے ساتھ میرے سامنے عورت کی پانچوں انگلیاں کٹ کر فرش پر پڑ گئیں۔ نقاب پوش اکڑوں بیٹھا بڑی مہارت سے جلا دوں سے بھی زیادہ شقی اقلسی کا یہ کام انجام دے رہا تھا۔ وہ لکڑیوں بیٹھا ایک خون آشام درندہ لگتا تھا۔ ایک بار پھر اس کا ہاتھ بلند ہوا اور تینے کی چمک منکس ہو کر میرے چہرے پر پڑی اور دوسرے ہی لمحے ٹھک کی آواز کے ساتھ کٹے ہوئے بازو سے بغیر انگلیوں والا ہاتھ بھی کٹ کر فرش پر آ گیا۔

خوف نے میری رگوں میں خون بھرد کر دیا تھا اور چند لمحوں کے لیے میں بھول گیا تھا کہ میں کون ہوں اور کس مقصد کے لیے اتنی تک دود کر کے، جان بھیلی پر رکھ کر یہاں تک پہنچا ہوں، دفعتاً مجھے جھرجھری سی آئی۔ میں نے اپنے حواس مجتمع کئے اور ریوڑ کا رخ اس کی طرف کرتے ہوئے مضبوط لہجے میں لکارا۔ "خبردار۔ اپنی جگہ سے خلیش نہ کرنا۔"

وہ اس طرح اچھلا جیسے اس کے قدموں میں بم پھٹا ہو۔ تینہ اس کے ہاتھ سے پھوٹ گیا۔ میری طرف مڑ کر وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ نقاب کے دو سداخوں میں سے اس کی خونی آنکھیں مجھے گھور رہی تھیں۔

"خونی اور درندے۔ اس بے شکناہ عورت نے تیرا کیا بگاڑا تھا۔" "میرے اندر جرات لوٹ آئی۔" "ہج۔ ہج۔" نقاب پوش نے بچوں کی طرح مجھے ہچکارا۔ "اتنا غصہ ٹھیک نہیں ہوتا مسٹر راشد۔"

”تم میرا نام کیسے جانتے ہو ذلیل کتے۔“ مجھے اب خوف کی جگہ طیش آ رہا تھا۔ ”اس لیے کہ تمہارے دروازے پر تمہاری نیم پائیٹ لگی ہے اور میں تمہارا پڑوسی ہوں۔“ اور ہاں دیکھو غصے میں آنے اور گالی گادو جھگڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں جو کچھ کر رہا ہوں درست کر رہا ہوں۔“ یہ کہہ کر اس نے بالوں کی طرف سے اپنی نقاب پکڑ کر اوپر کھینچی۔ وہ اس عورت کا شوہر تھا۔

”بہت خوب۔“ میں نے ریوا اور کو جنش دی۔ ”کیا اب تم بتانا پسند کرو گے کہ کس مقصد کے لیے تم نے اس بے چاری کا خون کیا ہے اور اب اتنی بے دردی سے اس کے گلے کر رہے ہو۔“

”ضرورت بتاؤں گا لیکن پہلے مجھے اپنا کام کر لینے دو۔“ اس نے جھک کر عورت کا دوسرا کٹا ہوا بازو اٹھایا اور تینہ اٹھانے ہی کو تھا کہ میں نے ریوا اور کے ٹریگر پر انگلی کا دبانا بڑھا دیا۔ ”بند کرو اپنی یہ ذلیل حرکت اور سیدھے گلے کر رہو۔“

”مسٹر راشد۔“ اس نے دوبارہ سیدھے گلے کر رہے ہو کر پرسکون کھڑا ہوا۔ ”میں تمہارا مشکور ہوں کہ یہاں اکیلے ہی آئے ہو پولیس یا محلے والوں کو ساتھ لے کر نہیں آئے۔“ مجھے اپنی بیگناہی کا یقین دلانا مشکل ہو جاتا۔ بے فکر رہیں اپنا کام مکمل کر کے اپنے آپ کو تمہارے حوالے کر دوں گا لیکن یہ متعلق کوئی قدم اٹھانے سے پہلے میری پوری بات ضرور سن لینا۔“

”خوفناک کے پاس سنانے کے لیے ایک دلچسپ کہانی ضرور ہوتی ہے۔ لیکن میں تمہارا یہ خوفناک ڈرامہ مزید دیکھنا نہیں چاہتا۔ میں تمہارے قریب آنے کا خطرہ بھی سول نہیں ہوں گا۔ میں ایک ہوائی فائر کروں گا۔ فائر کی آواز سن کر یقیناً محلے والے جاگ اٹھیں گے اور بالآخر یہاں پہنچ ہی جائیں گے۔ جب میں تمہارے ہاتھ پیرسی سے باندھ کر پولیس اسٹیشن لے جائے گا تو خوش گوار فرض انجام دوں گا۔“

”یہ غضب نہ کرنا مسٹر راشد۔ وہ جلدی سے ہاتھ اٹھا کر بولا۔“ تم بار بار مجھے خوفناک کہہ رہے ہو کیا تمہیں یہاں خون کا ایک قطرہ بھی نظر آ رہا ہے؟“

”میں تمہیں اس رعایت سے کوئی نہیں کہہ رہا تھا کہ اس بے چاری کو گاڑی سے ہٹا کر ہرے کر پہلے ہی ہلاک کر دیا ہو گا اب صرف لاش کو ٹھکانے لگانے کا بندوبست کر رہے تھے۔ بہر حال تم اس کے قاتل ہو۔“

”میں قاتل۔“ وہ طنز پر سیٹھی کے ساتھ بولا اور دغتنا اس کے چہرے پر ادا سی کا گہرا رنگ پھیل گیا میں تو

مقتول سے بھی زیادہ مظلوم ہوں مسٹر راشد۔ اور میری قاتل یہ ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے بڑی حقارت سے فرش پر پڑے ہوئے عورت کے سر کو ٹھوکر ماری۔ سر لڑھکتا ہوا ایک گوشے میں چلا گیا۔

"قاتل ہونے کے ساتھ ساتھ مجھے تم ڈنٹی سر بیض بھی لگتے ہو" میں نے کہا اور فیصلہ کن انداز میں ٹریگر پر دباؤ بڑھایا کہ ہوائی فائر کر سکوں۔ اچانک بجلی کی سی پھرتی سے اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا عورت کا بریدہ بازو مجھ پر کھینچ مارا۔ ریو الور تو میرے ہاتھ سے نہیں چھوٹا لیکن جگ سیزمی پر کھڑا ہونے کے باعث میں لڑکھڑا گیا۔ اور فوراً ہی وہ عقاب کی طرح مجھ پر جھپٹ پڑا۔ اس نے میرا ریو الور والا بازو قابو میں کر کے پیچھے کی طرف موڑ دیا اور دوسرے ہاتھ سے میرے گرد گھلبھدال کر دو ریو الور چھیننے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے اس کے ہیٹ میں سمجھنے سے ضرب لگائی۔ یہ ضرب اگر کسی عام آدمی کو پڑی ہوتی تو وہ درد سے دو ہرا ہوا جاتا مگر اس نے آف تک نہیں کی دفعتاً ہم دونوں سیزمی پر سے لڑھک گئے اور اس لڑھکی میں اس نے اپنے آہنی ہاتھ سے میری کلائی پر ایسی ضرب لگائی کہ ریو الور میرے ہاتھ سے نکل گیا۔ اس نے ٹھوکر مار کر اسے دور پہنچا دیا۔ میں اس کی گردن کو کلائی کی گرفت میں بکڑنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن وہ میرے انداز سے سے کہیں زیادہ طاقتور تھا۔ اوجھڑ عمر ہونے کے باوجود اس میں بلا کی پھرتی تھی مٹھم گھٹھا ہو کر لڑھکتے لڑھکتے کبھی وہ نیچے آ جاتا اور کبھی میں ایک بار وہ نیچے آیا تو اس نے حیرت انگیز طریقے سے مجھے گھٹنوں پر بٹھا کر دوسری طرف اچھال دیا۔ میں دیوار سے جا ٹکرا اور ایک لمحے کے لیے میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ مجھے تو ایک لمحہ ہی لگا لیکن غالباً میں کئی منٹ کے لئے بے خبر ہو گیا تھا کیونکہ جب میرے حواس بحال ہوئے تو میرے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور میں ایک سنول پر دیوار کے سہارے بیٹھا تھا۔ میرے سامنے وہی شخص بیٹھا تھا اور اطمینان سے اپنے کام کے آخری مراحل پورے کر رہا تھا۔ اس نے عورت کی لاش کو ہر جوڑ سے کاٹ کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کر لیا تھا۔

"تمہیں ہوش آ گیا" اس نے تیز ایک طرف رکھتے ہوئے کہا "میں معذرت خواہ ہوں کہ تمہیں شور شرابے سے باز رکھنے کے لیے مجھے تھوڑی سی جی کرنا پڑی ورنہ میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں تمہارا دشمن نہیں ہوں اور نہ ہی تمہیں کوئی نقصان پہنچاؤں گا۔" یہ کہہ کر وہ لاش کے ٹکڑے میٹھے لگا۔ اس کے نرم لہجے اور مہربان الفاظ کے باوجود مجھے اندیشہ ہو رہا تھا کہ اب غالباً وہ مجھے لٹکانے لگانے کی تیاری کر رہا ہے۔ اس تیغ کی تیز دھار کو دیکھتے ہوئے میرے جسم میں موت کی سنسنی دوڑ گئی۔ میں نے چیخنا چاہا اور تب مجھے احساس ہوا کہ میرے منہ پر رومال بندھا

اس نے اٹش کے سارے ٹکڑے جمع کر کے ایک چادر میں باندھے تینڈ اور لکڑی کا ٹکڑا اٹھا کر ایک کونے میں پڑے ہوئے صندوق میں رکھ کر اسے مقفل کر دیا۔ پھر اس نے ٹکڑوں کی کھڑکی اٹھا کر اڑی اڑے کی طرف جانے لگا ہو۔

”آؤ اب اوپر چلیں“ اس نے ایک ہاتھ سے سہارا دے کر مجھے اٹھایا اور آگے آگے چلنے کا اشارہ کیا۔ میں بے جان سے قدموں سے سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ لیکن اب مجھ میں زندگی بچا جانے کی امید پیدا ہو چکی تھی مگر وہ بندھے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ میں اس طاقتور آدمی کی کسی بھی حرکت سے اپنا دفاع نہیں کر سکتا تھا مگر نہ جانے کیوں اب مجھے خطرے کا احساس کم ہو رہا تھا۔

اوپر خواہاں گاہ میں پہنچ کر اس نے ٹھنڈی کھولی اور اٹش کے سارے ٹکڑے بستر پر پھیلا دیئے۔ پھر اسی ٹھنڈی والی چادر میں سے اپنی بیوی کا لباس نکال اور ٹکڑوں کے اوپر ہی ڈال دیا۔ پھر اس نے مجھے بازو سے تھاما اور بڑی نرمی سے بولا ”آؤ چل کر ڈرائنگ روم میں بیٹھتے ہیں یہاں اس ٹکڑے ٹکڑے لاش کی موجودگی میں تم میری باتیں آؤجہ سے نہیں سن سکو گے“

ڈرائنگ روم میں آکر اس نے تہی جلائی اور مجھے ایک صوفے پر بٹھاتے ہوئے بولا ”ابھی میں تمہارے ہاتھ اور منہ نہیں کھولوں گا کیونکہ فی الحال تم مجھے قاتل ہی سمجھ رہے ہو اس لیے کہیں شور مچانا نہ شروع کر دو۔“

وہ میرے سامنے دوسرے صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس وقت وہ ایک مارلن، شرافٹ اور معزز آدمی لگ رہا تھا جو اپنے بیڈ سے اٹھ کر کسی ملاقاتی سے ملنے ڈرائنگ روم میں آکر بیٹھا ہو۔ کوئی اسے دیکھ کر کھان بھی نہیں کر سکتا تھا کہ تھوڑی سی دیر قبل یہ شخص ایک چیز دھارے میں سے ایک عورت جو اس کی اپنی بیوی تھی، کی لاش کے ٹکڑے کر رہا تھا۔

”آج سے چھ سال پہلے کی بات ہے اس نے غلام میں کسی انجانی چیز کی طرف گھورتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ میں ان دنوں کلکتہ کی ایک گھنچان آبادی میں رہتا تھا۔ یوں تو پورا کلکتہ ہی ایک گھنچان شہر ہے جس کا اندازہ تم اس بات سے لگا سکتے ہو کہ وہاں بارہ لاکھ آدمی فٹ پاتھ پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ ایک پوری نسل ان فٹ پاتھوں پر جنم لے کر جوان ہو چکی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس شہر میں رہائش کا مسئلہ کتنا سنگین ہو گا لیکن میری خوش قسمتی تھی کہ وہاں مجھے میری ضرورت سے زیادہ وسیع ایک مکان میسر تھا۔ کس طرح میسر تھا، یہ ایک علیحدہ کہانی ہے بہر حال وہ

میری ضرورت سے زیادہ پہنچ اس لیے تھا کہ اس میں صرف میں اور میری بیٹی شامل رہتے تھے۔ شاملہ میری اکانوٹی
 بیٹی تھی اور میری بیوی کا انتقال تقریباً پندرہ سال پہلے ہو چکا ہے۔ جس وقت کا میں ذکر کر رہا ہوں، اس وقت شاملہ
 لوہیوں سے نکل کر جوانی کی حدود میں داخل ہو رہی تھی اور میں اس کی طرف سے بڑا فکرمند تھا کیونکہ میں صبح ہی صبح
 کاروبار کے سلسلے میں گھر سے لٹکا تھا تو رات گئے والہی ہوتی تھی۔ اس دوران شاملہ مکان میں تیار رہتی تھی۔
 آبادی منجانب تھی ایک گھر دوسرے گھر میں گویا پوست تھا، ارد گرد ہر طرح کے لوگ رہتے تھے۔ کلکتہ میں یوں تو دنیا
 کی ہر نسل و قوم کے لوگ آباد ہیں لیکن میرے محلے میں اکثریت ہندوؤں کی تھی۔ مسلمانوں کے گھر دو یا تین ہی
 تھے اور ان کا بھی آپس میں بہت کم رابطہ تھا۔ وہاں زندگی اس قدر ٹھن ہے کہ ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہوتی ہے اور
 سماجی رابطہ و ضبط کی طرف دھیان کم ہی جاتا ہے خواہ لوگ اقلیت ہوں یا اکثریت والے۔۔۔۔!

وہ مکان جو میرے پاس تھا اور اس کے عقب میں ایک ہائی مائریٹ کمرہ تھا جو غالباً اس ہندو کلیہ کی
 عبادت کے لیے مخصوص تھا اس لیے کہ میرے قبضے میں آنے کے بعد اس میں ایک دو گھنٹیاں اور الماری سے ہونا
 دن دیا تو اور کرشن جی کی دو سورتیاں لگی تھیں جنہیں میں نے پچھلی طرف ہی واقع چھوٹے سے لان میں دفن کر دیا
 تھا۔

ان دنوں مغربی مشرقی پاکستان کا سانحہ تازہ ہی تھا اور کئی باہنی کے ہاتھوں سے بچ جانے والے بہاری مہا
 جین کی خاصی تعداد در بدر کی ٹھوکریں کھاتی کلکتہ میں بھی آن بکھری تھی۔ کچھ عورتیں تھیں جو بازاروں میں بچہ بچی
 تھیں، کچھ بچے تھے جو سڑکوں پر بچے چھپے انداز میں بھیک مانگتے تھے، کچھ بوڑھے یا جوان تھے جن میں سے بیشتر
 اپنے کسی نہ کسی جسمانی عضو سے محروم ہو چکے تھے اور فاقہ کشی کے عالم میں فٹ ہاتھوں پر لوگوں کے قدموں میں
 لٹے تھے اپنے ان بے رحم مسلمان بھائیوں کی حالت دیکھ کر دل خون ہوتا تھا۔ کلکتہ جیسے نامہربان شہر میں خدا نے
 اتنے تھوڑی بہت مالی آسودگی عطا فرمائی تھی سو میں اپنے وسائل کے مطابق ان مہاجرین کی حوصلہ دہن کر سکتا تھا، کر دیتا
 تھا۔

ایک دن میں طبیعت کی ماسازی اور کچھ ٹکڑے بارش کی وجہ سے کام پر نہ جاسکا۔ ناشتے کے بعد میں برآمد
 ہو کر سی ڈال کر بیٹھا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا کہ ایک عورت نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔ میری اجازت پا کر
 وہ اندر والاں تک آگئی۔ وہ بچی عمر کی ایک ہلکے حال عورت تھی کسی زمانے میں خوبصورت رہی ہوگی لیکن وقت

کے بے رحم ہاتھوں نے قبل از وقت اس کے خدو خال اجاڑ کر رکھ دیئے تھے۔ لباس بوسیدہ تھا جو گھٹنوں سے اوپر تک نیا لے پانی میں بھیجا ہوا تھا۔ ہاہر بارش کی وجہ سے سڑک پانی میں ڈوبی ہوئی تھی اور وہ لازماً اسی میں سے گزر کر آئی تھی۔ بال پریشان، ہونٹوں پر چڑیاں جمی ہوئی۔ آنکھوں میں وحشت، چال میں نقاہت اور چہرے پر صدیوں کی مظلومیت نقش ہو کر رہ گئی تھی۔

”سینہ صاحب! مجھے آپ کے گھر میں کوئی کام مل سکتا ہے۔“ اس نے سہی سہی آواز میں کہا مگویا میری طر ف سے کوئی بدترین رد عمل اس کے لیے پہلے ہی متوقع ہو۔

”کیسا کام بی بی۔۔۔“ میں نے نرم لہجے میں پوچھا۔

”یہی کوئی جھازو، برتن، کھانا پکانا، کپڑے دھونا۔۔۔ میں سب کام کر سکتی ہوں اور۔۔۔ اور صرف دو وقت کی روٹی چاہتی ہوں۔“ اس کی آنکھیں ڈبڈبائیں۔۔۔ ”مجھے گلی میں کسی نے بتایا تھا کہ یہ مسلمانوں کا گھر ہے۔ میں بھی مسلمان ہوں۔“

میں نے ناقدانہ نظروں سے اس عورت کا سر تاپا جائزہ لیا۔ میرے تجربے نے مجھے یہی احساس دلایا کہ وہ ایک شریف النفس مگر حالات کی ماری عورت ہے پھر میں نے تصور کی آنکھوں سے دیکھا کہ اگر اس نے نہاد جوگر صاف گھر سے کپڑے پہنے ہوں۔۔۔ کچھ عرصہ گھریلو محول میں سکون سے گزارا ہو تو وہ کیسی لگے گی۔؟ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ ایک معقول اور سادہ عورت نظر آئے گی اور اس کے وجود سے جو کراہت یا ناپسندیدگی اب محسوس ہوتی ہے وہ دور دور ہو جائے گی۔ پھر میں نے یہ غور کیا کہ واقعی ایک مخلص اور جیسی ملازمہ کی موجودگی میں میرے تفکرات بڑی حد تک آہستہ آہستہ بدل جائیں گے۔ شام کی طرف سے مجھے جو فکر رہتی ہے وہ خالص کم ہو جائے گی اور آجکل میں محض شام کی وجہ سے۔۔۔ محض طویل کادو باری سرگرمیاں ملتوی کر دیتا ہوں، انہیں جاری رکھ سکوں گا۔ اور شام کلمہ کے پانچواں کلمہ۔۔۔ سیانی ہونے کے بعد بے جوگر داری کا بوجھ پڑا ہوا ہے وہ ہٹ جائے گا اور وہ بھی نو عمر ی کی فارغ التحصیل۔۔۔ تدریس معظوظ ہو سکے گی۔

ساتھ ارباب ہی چلی تھی، میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا مگویا مشورہ طلب کر رہا ہوں کہ اس عورت کو رکھنے کے بارے میں تمہارے کیا رائے ہے۔ وہ بیچاری پہلے ہی اپنی تنہائیوں سے بیزار تھی۔ مجھے اس کی آنکھوں میں قوی تائید نظر آئی مگویا وہ اصرار سے کہہ رہی ہو۔ ”ابو! اس عورت کو رکھ لیجئے۔“ میں نے ایک طویل

استوار ہو جائے اور میں منافقت کا سر بیض نہ ہوں۔ تم مجھ سے نکاح کر لو۔“

اس کی لمبی پلکیں جھک گئیں، رخساروں کی شفق کچھ اور گہری ہو گئی اور ہونٹوں کے گوشے کنواہ پنے جیسی شرم سے کپکپا اٹھے۔

”اگر آپ مجھے اس قابل سمجھتے ہیں تو۔۔۔۔“ اس نے جھپکتے جھپکتے نظر بھر کر مجھے دیکھ اور بھاگ کر دروازے پر سے چلی گئی۔

نکاح ہو گیا۔ برسوں کے جھلستے صحرائیں راتوں کو انیس پڑنے لگی۔ شام تک بھی بہت خوش تھی اور بیشتر وقت اپنی نئی ماں کے پہلو سے لگی رہتی تھی۔ وہ اب خیر سے سولہویں برس میں تھی مگر مامتا کو ترسا ہوا ڈھن، ماں کو دودھ دیا کر بچوں کی طرح لاڈ کرنے لگا، ماما اٹھوانے لگا اور رضیہ بھی اسے بچوں کی طرح ہی سینے سے چمکا کر رکھتی اور اس کی چھوٹی سے چھوٹی معصوم ضد اولین فریضہ سمجھ کر پورا کرتی۔

مجھے یوں لگتا کہ کسی انجانی جنگ کے عوض مجھے جنت مل گئی ہے مگر میں سمجھ ہوتو گھر سے بڑی جنت بھی کوئی ہے۔ مگر مجھے نہیں معلوم تھا کہ جنت کے دھوکے میں درحقیقت میں نے اپنے گھر میں جہنم کے دروازے کھول لیے ہیں۔

ایک روز میں نے رضیہ کو بتایا کہ میں کاروباری سلسلے میں جاب ہوں، چار روز بعد واپسی ہوگی یا نہیں ہے ایک آدھ دن بڑا وہ ہی لگ جائے۔ اس نے سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ مجھے رخصت کیا۔ سبھی میں میرا کام ایک دن میں ہی ختم ہو گیا اور میں دوسرے دن رات کی فلائٹ سے ہی واپس روانہ ہو گیا۔ رات کے تقریباً ایک بجے میں کلکتہ پہنچا۔ مکان کے صدارت دروازے میں فلائٹ لاک تھا جس کی ڈیپٹی کیٹ چابی میرے پاس رہتی تھی کیونکہ میں رضیہ سے شادی کے بعد عموماً بے فکری سے رات گئے تک کام دھندے نہ کر دیتا تھا اور ماں بیٹی کے آرام میں غلط ڈالنے بغیر اطمینان سے نالاکھول کر اندر آ کر لباس تبدیل کرتا اور بچن میں رکھا کھانا گرم کر کے کھانے کے بعد خواب گاہ میں مانتا تھا۔ جب میں بیڈ پر لیٹا تب ہی رضیہ کو میری آمد کا پتہ لگتا۔

مجھے امید تھی کہ آج خلاف توقع مجھے بیڈ پر سو جو وہ پانچ روز بعد بچہ خوش ہو گئی لیکن جب میں نے اندر آ کر شام کی خواب گاہ میں جھانکا تو وہ بستر پر نہیں تھی پھر میں نے اپنی خواب گاہ میں جھانکا وہاں رضیہ بھی بیڈ پر نہیں تھی۔ یہ ایک خلاف معمول بات تھی در نہ وہ دونوں اس وقت سے بہت پہلے سو جاتی تھیں۔ میں نے سوچا ممکن ہے وہ

دوڑوں میری عدم موجودگی کو محسوس کرتے ہوئے ہال کمرے میں آتش دان کے پاس جا بیٹھی ہوں اور گپ شپ کر رہی ہوں۔ میں ہال کی طرف بڑھا تو کچھ دور ہی سے ٹھٹھک گیا۔ ہال میں سے مدھم آوازیں کچھ اشلوک سے پڑھتے جانے کی آواز آرہی تھی۔ ہال کے قریب پہنچتے پہنچتے مجھے اندازہ ہوا کہ یہ آواز رضیہ کی تھی۔ مگر رضیہ اور اشلوک ک پڑھ رہی ہو، یہ کیسے ہو سکتا تھا۔؟ میں دبے پاؤں ہال کی گھڑی کی طرف بڑھا جو کھلی تھی اور دیوار سے لگتے لگتے گھڑی کی چوکھٹ تک پہنچا اور ذرا سا سر آگے بڑھا کر اندر جھانکا۔۔۔ سب سے پہلے میرے نظر شامک پر پڑی جو ہال کے پختہ اور ٹھنڈے فرش پر چپت پڑی تھی اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں اور وہ گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ اس کے جسم پر کوئی گرم کپڑا لٹکا نہیں تھا۔ بس ایک جامی سوتی ساڑھی جو وہ کبھی بکھار کوئی کام کاج کرتے وقت پہن لیتی تھی۔ اس سے پہلے کہ میں اسے اس سردی میں یوں پرے دیکھ کر بیتابی سے آگے بڑھتا، میں رضیہ کو دیکھ کر اپنی جگہ پر دم بخود رہ گیا۔ آج اس کا رنگ ڈھنگ ہی اور تھا۔ اس نے چار خانے کی ایک سوتی ساڑھی خاص ہندو اندہ اسٹائل سے باغی ہوئی تھی، مانگ میں سینڈور اور ماسھے پر تلک تھا۔ وہ آتش دان کی کارنس کے سامنے دونوں ہاتھ باندھے، گردن جھکائے آنکھیں بند کئے گھڑی جھوم رہی تھی اور کچھ اشلوک پڑھ رہی تھی جو میری سمجھ سے بالاتر تھے اور سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ کہ اس کے سامنے کارنس پر ہنومان کی وہی مورتی رکھی تھی جسے میں باغیچے میں دفن کر چکا تھا۔ مورتی خوب صاف ستھری نظر آرہی تھی اور دور ہی سے چمکتی دکھائی دیتی تھی۔ دفعتاً رضیہ نے بڑھنا بند کر دیا لیکن ہاتھ بدستور باندھے رکھے اور آنکھیں بھی بند ہی رکھیں ذرا توقف کے بعد اس نے مدھم مگر صاف لہجے میں کہنا شروع کیا۔ ”ہنومان مہادیو۔ تیری اس واسی نے تیری آگیا کا پالن کرتے ہوئے اس مسئلے کے گھر میں رسائی حاصل کر لی ہے اور آج وہ شبھ گھڑی بھی آن پہنچی کہ میں تیرے چرنوں میں آج ایک کنواری کنیا کا بلیدان کر رہی ہوں۔ شبھ گھڑی دیکھنے اور تیرے درشن کرنے کے لیے ملک نے کیسے کیسے چلتر دکھاائے ہیں وہ تو جانتا ہے۔ اب تو بھی اپنا وعدہ پورا کر اور آ کر مجھے درشن دے اور ایک ہزار سال کے لیے میری آتما کو میرے شریر میں قید کر دے۔ میں ایک ہزار سال تک زندہ رہ کر جیون کی عیش و عشرت دیکھنا چاہتی ہوں۔ یہاں تیرے آشرم کو شت کرنے کا پائے میں نے کر دیا ہے۔ اب تو بھی اپنا وجہ نبھائے۔“

جب تک میں اس کی بات کا پورا مطلب صحیح طور پر سمجھا، اس وقت تک ہال کا فرش یوں شق ہوا جیسے پھلے ہوئے موم میں ابال آیا ہو اور جہاں شامک لٹٹی تھی اس کے سین نیچے سے نیا لے رنگ کی ایک گولی سی سطح اس طرح

امیر نے لگی کہ شائلڈ اس سٹیج پر ہی لیٹی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ بلند ہو رہی تھی۔ جب یہ سٹیج کچھ اور بلند ہوئی تو میں نے دیکھا کہ وہ ایک بہت بڑی کھوپڑی کا اوپری حصہ تھا۔ پھر وہ پوری کھوپڑی فرش سے باہر آ گئی۔ شائلڈ اس کے اوپر ہی لیٹی تھی اور اس کی ایک ٹانگ نیچے جھول رہی تھی۔ یہ کھوپڑی کم از کم آٹھ فٹ بلند تھی اور اس قدر بھیاٹک کہ مجھے جیسے مضبوط اعصاب کے مالک پر بھی لرزہ طاری ہو گیا۔ اس کے منہ کے بھیاٹک تار یک گڑھے میں دو مڑے ہوئے سیاہ دانت نظر آرہے تھے اور اس کی ایک آنکھ کی جگہ بھی تار یک خلا تھا مگر دوسری آنکھ زندہ تھی۔ اس آنکھ سے خون ٹپک رہا تھا اور ڈیلا گویا شیلے برسا رہا تھا۔ یہ آنکھ رفتہ رفتہ کچھ سبز گئی اور کسی عظیم الجثہ بندر کی آنکھ سے مشابہہ نظر آنے لگی اور اس سے ٹپکتا ہوا خون نمود ہو کر روکیا کی کہ جو قطرے کھوپڑی پر پھسل رہے تھے، وہ بھی اپنی جگہ ساکت ہو گئے۔ رضیہ دیا جو بھی درحقیقت وہ تھی، منہ سے میں گزرتی تھی۔

”دنا ایسی آواز آئی جیسے ہزاروں بندر ایک ساتھ فوخیائے ہوں۔ پھر ایک منمناتی ہوئی آواز نے کہا۔ ”جاد اسی تیرے من کی کامنا پوری ہوگی۔“ اس کے بعد وہ کھوپڑی واپس فرش کی سطح پر گئی۔ وہ پوری کی پوری واپس زمین میں ڈھنس گئی اور اس کے ساتھ شائلڈ بھی چند لمحوں بعد میرے سامنے فرش جوں کا توں ہموار تھا اور کھوپڑی یا شائلڈ کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ مجھے احساس تھا کہ آخر میں یوں دم بخود کیوں کھڑا رہ گیا۔ میری بچی میری آنکھوں کے سامنے غائب ہو گئی اور میں کھڑا رہ گیا۔ میری کپٹیاں جھٹکی گئیں، میں چند لمحوں تک خشک اور یقین کے درمیانی خلا میں جھولتا رہا، پھر تیرا آکر زمین پر گر اور دنیا مائیہا سے بے خبر ہو گیا۔

جب مجھے ہوش آیا تو میرا سر رضیہ کے زانو پر تھا اور وہ حسب معمول میری وفا شعار بیوی کے روپ میں میرے چہرے کا پسینہ اپنی سادھی کے پتوں سے پونچھ رہی تھی۔ میں اچھل کر اس کے زانو کے علاحدہ ہو گیا۔ ”شائلڈ کہاں ہے۔“ میں نے پچھلی پھٹی آواز میں پوچھا۔ ہائے ہائے اتنی جلدی آپ بھول گئے شائلڈ کی خبر میں کر رہی تو آپ بے ہوش ہو گئے تھے نہ رخصت کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

”کون سی خبر؟“ میں نے وحشت سے پوچھا۔

”میں نے آپ کو بتایا تو تھا کہ وہ کافی دنوں سے فلمی دھماکے بڑی لگن سے پڑھنے لگی تھی۔ مجھ سے بھی اکثر فلموں اور ہیر دنوں کی باتیں کرتی رہتی تھی۔ آج میں سو کر انھی تو وہ غائب تھی۔ اپنے کپڑے اور زبور بھی لئے گئی

ہے۔۔۔ ہائے کتنی سمجھ دار تھی مگر جانے کہاں سے اس کے دماغ میں میری بننے کا بے ہودہ خیال پیدا ہو گیا۔۔۔
 اتنا اچھا گھر چھوڑ کر جانے کس اندھیر مگرمی میں بھٹک رہی ہوگی۔۔۔ میں نے تو صبح سے کسی کے سامنے اسی ڈر سے
 زبان نہیں کھولی کہ اپنے کپڑے پھاڑیں گے تو اپنا ہی تن ننگا ہوگا۔ آپ کی عزت کا معاملہ تھا، وہ اپنے آنسو پونپھنے
 لگی۔

”کو اس بند کرو ذلیل عورت۔۔۔ دنیا تمہاری باتوں کا یقین ضرور کر لے گی مگر میں نے اپنی آنکھوں
 سے تجھے ہومان کی بھیٹ چڑھاتے دیکھا ہے۔۔۔ میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔۔۔“
 میں نے دیوانگی کے سے عالم میں کہا۔۔۔ میں اس وقت بھی اسی طرح شلوار کرتا پہنا کرتا تھا اور ایک
 معزز شریف اور کاروباری آدمی ہونے کے باوجود اپنی حفاظت کے لیے کچھ نہیں چاہتا ضرور رکھتا تھا۔۔۔ وہی چا
 تو میں نے نکالا اور رضیہ کی پسلیوں میں گھونپ دیا اس کے بلاؤز میں سوارخ ہو گیا مگر اس کے جسم سے خون کا ایک
 قطرہ تک نہ نکلا میں نے پے در پے چھوڑ دیے مگر وہ کھڑی ہستی رہی اس کے جسم میں چا تو میں اترا تھا جیسے گند سے
 ہوئے آٹے میں اترتا ہے اور دوسرے لئے اس کا زخم بھر جاتا تھا۔

میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا تو اس نے ہنستے ہوئے کہا۔۔۔ ”اگر تم نے سب کچھ دیکھ ہی لیا ہے تو اب میرا کدو
 اگر تم نے زیادہ شور مچایا تو میں دنیا کو یہی کہانی سناؤں گی اور مہاراجی جگہ ہنسائی ہوگی۔ تم اب میری ٹھنی میں ہو اور
 مجھے ایک ہزار سال تک کوئی نہیں مار سکتا جب ایک ہزار سال پورے ہونے لگیں گے تو میں ایک کنواری کنیا کا
 بلیڈان کر کے ایک ہزار سال کی عمر اور حاصل کروں گی۔۔۔ فی الحال تم میرے خواہگاہ کے ساتھ رہو گے جب تم
 بوڑھے ہونے لگو گے تو میں تمہیں جو سے ہوئے آم کی طرح اپنی دنیا سے نکال پھینکوں گی اور کوئی نیا تندہ مست و توانا
 مرد صوفیوں کی۔۔۔ تم اگر اپنی یہ کہانی سچ چچ کر پوری دنیا کو سناتے پھرو گے تو آج کے رات ہی پافے دور میں رہنے
 والے تمہیں پاگل سمجھ کر بھرماریں گے۔۔۔ میں نے ایک ہاکا ساتھ لگایا اور اٹھ کر بڑے سلوں سے خواہگاہ کی
 طرف چل دی۔۔۔ ہمیشہ کی طرح بل کھاتی، بکر پکاتی۔۔۔!

اس کے جانے کے بعد میں نے ٹھنڈے دل سے عذر کیا۔۔۔ میں ایک عجیب جال میں پھنس چکا تھا،
 میرے اعصاب جواب دے رہے تھے۔ تھکے ہارے ذہن نے بالآخر مشورہ دیا۔۔۔ ”دلاور خان، اس غلیظ
 پھندے سے بھاگ نکل۔۔۔ بھاگ جا یہاں سے۔۔۔“ میں نے چپکے سے اپنا بریف کیس اٹھایا اور دبے پاؤں پا

ہر کو چل دیا۔ ابھی میں نے باہر کے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ ہی رکھا تھا کہ ایسا محسوس ہوا جیسے سینکڑوں لہجے مگر مضبوط ہالوں بھرے گھناؤ نے بازوؤں نے مجھے جکڑ لیا ہو میرے کانوں میں بندروں کے خوشیاں کی آواز گونجنے لگی اور وہ اُن دیکھے بازو مجھے خوابگاہ کی طرف کھینچنے لگے میں تقریباً گھسٹتا ہوا خوابگاہ تک پہنچا۔۔۔ وہاں رضیہ لباس سے بے نیاز، بانہیں پھیلائے میری منتظر تھی۔

”بھاگ کر جا رہے تھے۔۔۔“ اس نے گھٹکھٹاتی آواز میں کہا ”اب مجھ سے بھاگ کر کہیں نہیں جاسکتے بھاگنے کی نیت لے کر کبھی گھر سے نہ نکلتا تم خواہ کہیں بھی چلے جاؤ لیکن اگر مجھے چھوڑ کر جانے کا ارادہ کر رہے ہو گے تو یہ زہمان جی کے چیلے تمہیں وہیں سے کھینچ لائیں گے۔“

اور غیر مرئی بازوؤں نے مجھے اس کی بانہوں میں دھکیل دیا۔ اس کے بعد زندگی یوں گذرنے لگی جیسے میں کسی شیطانی قفس میں قید ہو گیا ہوں۔ شام کی یاد آتی تو کایہ پھلنے لگتا، اپنے آپ پر غور کرتا تو اپنے وجود سے گھن آنے لگتی۔ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں، کدھر جاؤں۔۔۔؟ کام کاج کے لیے سب معمول باہر جاتا تھا لیکن جب بھی گھر چھوڑ کر بھاگنے کا ارادہ کیا، اُن دیکھے سینکڑوں بازوؤں کی گرفت نے سڑک پر گھٹنے پر مجبور کر دیا۔ پھر اس خوف سے یہ کوشش ہی ترک کر دی کہ لوگ پاگل نہ سمجھے لگیں۔

ایک روز کام پر سے واپس آ رہا تھا۔ عشا کا وقت تھا۔۔۔ سائیکل رکشا ایک گلی سے گزر رہا تھا کہ اچانک ایک چھوٹی سی مسجد پر نظر پڑی۔ مصیبت میں خدا یاد آتا ہے، خدا کا گھر دیکھ کر مجھے بھی ایسا محسوس ہوا جیسے میں نے تلاطم خیز سمندر میں راستہ کھودیا تھا اور اب بیزار نور نظر آ گیا ہے۔ میں نے سائیکل رکشا رکھ کر کوایا۔ رکشا کھینچنے والے کو جلدی سے پانچ کوٹے چھایا اور بٹایا لیے بغیر جلدی سے مسجد میں گھس گیا کہ کہیں غیر مرئی بازو مجھے اندر جانے سے بھی نہ روک دیں۔

جماعت ہو چکی تھی اور اکا دکا نمازی مسجد میں رہ گیا تھا۔ میں نے وضو کیا اور زندگی میں پہلی بار اس قدر خشوع و خضوع سے نماز شروع کی کہ سکون قلب سے سینہ آشنا ہونے لگا، دل کے زخموں میں گویا ٹھنڈک سی پڑنے لگی۔

نماز نہ جانے میں نے کتنی دیر میں ختم کی اور اس کے بعد ایک مرتبہ اور مسجد سے میں گر گیا۔ مجھے احساس ہوا کہ آنسو میری آنکھوں سے گر کر چٹائی کو بھگور رہے ہیں۔ میں صدق دل سے خدا کے حضور فریاد کرنے لگا کہ مجھے اس

دنیا دی جہنم کے عذاب سے چھٹکارا عطا فرما۔ غالباً دعا مانگتے مانگتے مجھ پر غنودگی سی طاری ہو گئی تھی۔ مجھے کچھ خواب کی سی کیفیت محسوس ہوئی میں ایک لائق و ارق صحرائیں کھڑا تھا جہاں گولے میرے چہار طرف رقص کر رہے تھے اور ہوا کانوں میں بیٹیاں بجا رہی تھی۔

وفا سکوٹ چھا گیا، گولے زمیں بوس ہو گئے اور ریت کی چادر کو چاک کرتے ہوئے ایک بزرگ نمودار ہوئے۔ ان کا چہرہ میں غور سے نہ دیکھ سکا کیونکہ چہرے پر نظر پڑتی نہ تھی۔

”آج تیرے باطن میں بھی ایمانی ثروت جاگی ہے ایسے دنیا دار اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تیری دعا کو شرف قبولیت حاصل ہوا ہے جو کچھ ہم اب بتانے والے ہیں اسے غور سے سن اور اس پر عمل کرنا تیرے گرد موجود سب باتیں انشاء اللہ تیرے ہی ہاتھوں انجام کو پہنچیں گی۔“ یہ انہی بزرگ کی آواز تھی۔ اس کے بعد انہوں نے مجھے تین آیتیں پڑھوائیں اور جب وہ مجھے حفظ ہو گئیں تو فرمایا۔

”ہر جمعرات کو جب وہ مامون عورت خوابیدہ ہو تو یہ آیتیں پڑھ کر پھونکنا اور بلا خوف و خطر کسی تیز دھار آگ سے اس کے گلے کر ڈالنا۔ صبح ہوتے ہی وہ پھر سالم و جود میں آجائے گی اور سانس بھی حاصل کرے گی۔“ جو طمانت اس نے حاصل کی ہے وہ بہت کم ہو چکی ہوگی۔ ہر جمعرات کو یہ عمل دہرانا ہوگا۔ اسے پتہ نہیں چلے گا کہ خوابیدہ حالت میں ہر جمعرات کو اس کا جسم گلے گلے ہو جاتا ہے۔ جس جمعرات کو یہ عمل ایک سو ایک مرتبہ مکمل ہو چکا ہوگا اس روز وہ عورت گلے گلے حالت ہی میں پڑی رہ جائے گی۔

”اگر کوئی عیطانی عورت اس کے جسم میں داخل نہ ہو سکے گی، تب تم انکی ذرا بے ان نگاہوں کو نذر آتش کر دینا اور رہائش بدل دینا۔“ تو آواز ہوگا اور نیکو چہین کی زندگی گزارے گا۔ اگر تو نے دنیاوی دنیا کے ساتھ ساتھ دینی فرائض کو بھی اپنائے رکھا ہوتا تو کوئی عیطانی ثروت تجھ پر غالب نہ پاسکتی۔“ بہر حال ہم نے خدا کا حکم پورا کیا اب ہم جاتے ہیں۔ خدا حافظ“ ہمیں اس لمحے ہی نے مجھے کندھے سے تمام کر ہلایا۔۔۔

”بھائی، نجدے میں سو گئے ہو کیا۔۔۔؟ اب اھو ہم نے مسجد کو تالا لگانا ہے۔ یہاں مسجد میں بھی چوریاں ہو جاتی ہیں۔“ میں ہزبڑا کر اٹھا۔ وہ ایک نمازی تھا جس نے مجھے چونکا یا تھا۔

”برادر، مجھے دو رکعت نماز شکرانہ پڑھ لینے دو، اس کے بعد میں چلا جاؤں گا۔“ میں نے اس شخص سے

کہا۔

”بہر و چشم۔۔۔“ اس نمازی نے کہا۔۔۔۔۔ ”میں انتظار کئے لیتا ہوں۔۔۔۔۔“ خوشی سے میرا رواں رواں

کانپ رہا تھا مجھے نجات کی راہ مل چکی تھی۔

چنانچہ۔۔۔ اے میرے نوجوان دوست! میں ہر جمعرات کو اس عورت کے نکلنے کے کرتا ہوں۔ وہ صبح کو

پھر صبح سالم میرے سامنے ہوتی ہے لیکن اب دو روز بروز مضمل ہوتی جا رہی ہے چھپا نوے۔ جمعراتیں گزر چکی ہیں

۔ پانچ ہفتوں کی بات اور ہے کہ میں نجات پا جاؤں گا۔۔۔۔۔ اب تمہیں پتہ چلا کہ جو کچھ تم نے دیکھا اس کا پس

منظر کیا تھا۔۔۔؟“

اس شخص نے اٹھ کر میرے منہ پر سے رو مال گھول دیا اور بولا۔۔۔۔۔ ”اب تم میری سنائی ہوئی آپ جی پر

اظہار رائے کر سکتے ہو۔“

مجھے اس کہانی پر یقین نہیں آ رہا۔۔۔۔۔ ”میں نے اپنے بندھے ہوئے ہاتھوں کو کسمساتے ہوئے کہا

۔۔۔۔۔ ”آج کے سائنسی دور میں کوئی بھی اس کہانی پر یقین نہیں کر سکتا۔“

”پھر میری صداقت کا ثبوت دیکھنے کے لیے تمہیں صبح ہونے کا انتظار کرنا پڑے گا تاکہ تم اس عورت کو،

جسے میری بیوی کی حیثیت حاصل ہے، ملنا اور صبح سلامت دیکھ سکو۔۔۔۔۔ صبح کا ذب کے آگے دوڑا رہا ہے ہیں،

تھوڑی دیر تمہیں اور تکلیف اٹھانا پڑے گی۔“ اس شخص نے صوفے کی پشت گاہ سے سر کاٹا۔ اس کے

چہرے پر جھکن کی تہہ میں اطمینان اور راست گوئی کی جھلک تو محسوس ہو رہی تھی مگر میرا ذہن اس کی بات کو مدلل کر

نے میں نے ذب کا شکار تھا۔

”تمہیں اندھا ہے آئے کتنا عرصہ گزرا ہے۔۔۔۔۔؟“ میں نے وقت گزاری کی خاطر باتیں شروع کر

دیں۔

”تین ماہ۔۔۔۔۔ اس نے مختصر سا جواب دیا۔

”بالفرض تمہاری کہانی پر یقین بھی کر لیا جائے تو۔۔۔۔۔ میں نے طویل سانس لے کر کہا۔“ تب تمہیں

ایک اُلجھن پیش آ سکتی ہے۔ بقول تمہارے۔۔۔۔۔ جب تمہارا عمل ایک سو ایک مرتبہ مکمل ہو چکا ہوگا۔ اس دن تمہاری

بیوی زندہ نہیں ہو سکے گی اور تم اس کی لاش کے ٹکڑے ملنا نہ تمہیں کر دو گے تو پاس پڑوس کے لوگ آئندہ جب اسے سو

جو نہیں پائیں گے تو ہو سکتا ہے، کوئی پولیس کو مطلع کر دے۔ تب کیا ہوگا۔۔۔؟“

”ہاں۔۔۔۔۔۔ یہ تم نے کام کی بات پوچھی ہے لیکن میں نے اس کا حل سوچ رکھا ہے۔ میں اس

سے کئی دن پہلے اپنے مالک مکان کو باتوں باتوں میں بتا دوں گا کہ میں نے عنقریب اپنی بیوی کو کسی بیماری کے مارنے کے سلسلے میں لندن بھیجنا ہے۔ اس کو ٹھکانے لگانے کے بعد میں بتا دوں گا کہ وہ لندن چلی گئی ہے اور کاروباری مصروفیتوں سے ذرا فراغت پا کر میں بھی جا رہا ہوں۔ اس کے چند دن بعد مجھے لندن سے ایک نیلی گرام آنے کا کہ تمہاری بیوی کا انتقال ہو گیا ہے۔ یہ نیلی گرام میرا ایک دوست بھیجے گا۔ وہ نیلی گرام مالک مکان کو دکھا کر میں رو تا پڑتا لنڈن روانہ ہو جاؤں گا اور تحقیقاً میں سمجھتا ہوں کہ بعد مالک مکان کو خط لکھوں گا کہ اب میرا واپس آنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ میں یہیں کی شہریت حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں جہاں میری بیوی کا مدفن ہے اور اس مکان میں جو سماں ہو گا وہ میں تحفۃً مالک مکان کے نام کر دوں گا۔ وہ یقیناً ایک کرایہ دار کے اس حسن سلوک سے بہت متاثر ہوگا میں لندن سے واپس ضرور آؤں گا مگر اس شہر میں نہیں رہی اور شہر میں رہوں گا۔۔۔ پیسہ میرے پاس کافی ہے، میں کہیں بھی کوئی کاروبار شروع کر سکتا ہوں، کاروباری آدمی ہوں۔۔۔ "وہ یہ بتاتا کر مسکرایا گویا آنے والے نجات پانگی کے دلوں کے تصور سے محفلوظ ہو رہا ہو۔

اس کے بعد ہم خاموش ہو گئے۔ دیوار کے کھانک کی ٹنگ ٹنگ سکوت کو مرقعش کر رہی تھی۔ لمحہ لمحہ بتلا رہا تھا کہ کبھی کبھار مجھے چھنچھن گئے۔ اس وقت چھنچھن کر چونتیس منٹ ہوئے تھے جب میں نے خوابگاہ میں سے ایک سوا فی آواز سنی۔ کسی نے فین کے کنارے سے بوجھل لہجے میں پکارا تھا۔ ”دلاور، کیا تم غسل خانے میں ہو؟“

میں اپنی جگہ بچھل پڑا۔ دلاور خان نے میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بیٹیں سے جواب دیا۔ ”نہیں جان! میں یہاں ڈیڑھ انگ روم میں ہوں، ہمارے ایک پڑوسی آئے ہیں۔“

اس نے اُٹھ کر جلدی سے میرے ہاتھ کھول دیے اور مجھے پر سکون انداز میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ چند لمحوں بعد اس کی بیوی سلیمہ گھنٹیتی ہوئی۔ ڈرائنگ روم کے دروازے میں کھڑی ہوئی اور چند حیا ئی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ وہ بلاشبہ وہی عورت تھی جس کا جسم میں نئے نئے ککڑے ککڑے ہوتے دیکھا اور اس کے جسم پر وہی لباس تھا جو دلاور خان نے اس کی لاش کے ککڑوں پر ڈال دیا تھا۔

”یہ ہمارے پڑوسی راشد صاحب ہیں۔“ دلاور خان نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
ان کا کتنا کہیں غائب ہو گیا ہے۔ پوچھنے آئے تھے کہ ہمارے گھر میں تو نہیں آیا۔ میں نے انہیں بٹھالیا کہ چلو

اس بہانے تعارف وغیرہ ہی ہو جائے۔

میں اس تمام تر زحمت کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ اس نے انتہائی مفساری سے میرا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔ ”لیکن میں مجبور تھا، اگر ایسا نہ کرتا تو میری ساری کوشش پر پانی پھر جاتا۔ مجھے امید ہے کہ تم اپنے اس مصیبت زدہ بھائی کو معاف کر دو گے۔“

اس نے اپنے نیٹے سے میرا رپو الوور نکال کر مجھے پیش کیا اور رخصت کرنے کے لیے دروازے تک آیا۔ آج اس واقع کو 57 سال گزر چکے ہیں۔ ملا اور خان اب نہ جانے کہاں ہوگا۔ اس نے نجات حاصل کر لی تھی اور اپنے منصوبے کے مطابق رخصت ہو گیا تھا۔ اس کے بعد سے میں نے اسے دوبارہ نہیں دیکھا۔ اس کے ساتھ اس رات کسٹم کشتی میں میری ہڈیوں و کلیوں کو واقعی زحمت تو بڑی ہوئی تھی لیکن میں پھر بھی اس کا مشکور ہوں کہ مجھے ایک محیر العقول کہانی دے گیا ہے 000

ابیں۔ اشیانہ (کراچی)

غزل

کے ترک حیرگی اب اجالوں میں لوٹ آ
آ جا تو پھر سے میرے خیالوں میں لوٹ آ
کام بڑھتے جاتے ہیں اہل ستم بچت
موت ہے پھر سے چاہنے والوں میں لوٹ آ
فرمودہ و رسم و راہ کی تقلید چھوڑ دے
چابیوں کے سچے خوابوں میں لوٹ آ
اپنا لے چہرہ ہے خواہ قلندری
پھر اس د آشتی کی مثالوں میں لوٹ آ
نہ بول رہے دے تو اغیار کی خطاں
کر مہربانی پہلے سوائوں میں لوٹ آ
تہذیب غیر سے اتنا شغف نہ رکھ
بچان خود کو اپنی چالوں میں لوٹ آ
جانی تک کرے نہ ہنگامہ سخن
کہتا ہوں سچ کے لکھنے والوں میں لوٹ آ

زاہد اقبال، سحر سمندری

غزل

خونفاک ڈانچٹ 103

کوئی چاند رکھ میری شام پر

خولچہ عاصم سرگودھا

تم۔۔۔ ماروی نے حیرت سے سوال کیا۔

جی بی بی جی میں۔۔۔ وہ شرما کر اور سر جھکا کر بولا۔

تم وہی ہونا۔۔۔ ماروی پھر بول اٹھی۔

جی میں وہی ہوں۔۔۔ اس کی آواز بڑی تیز اور بھاری تھی جیسے گلے میں کچھ بچھ

کر بول رہا ہو۔

تم تو بھیک مانگتے تھے۔۔۔

جی۔۔۔ مانگتا تھا جی۔۔۔ وہ صراحت سے مسکرا کر بولا۔

مگر یہ ریزمی۔۔۔

جی یہ ریزمی۔۔۔ وہ پھر سر جھکا کر بولا تھا۔

کس کی ہے۔۔۔ تنگ آ کر ماروی چیخ پڑی۔

میری ہے جی۔۔۔ اس نے سراٹھا کر کہا اب کی بار اس کے چہرے پر خوف تھا

شائد ماروی کے چیخ کر بولنے سے وہ ڈر گیا تھا۔

ماروی اس کے ہونٹ انداز پر ہنس پڑی۔

وہ بھی ماروی کو ہنستا دیکھ کر مسکرا اٹھا۔ اس کی آنکھوں کی چمک اور تہری ہو گئی۔ وہ

ماروی کو دیکھتا ہوا ایک بار پھر مسکرایا تو ماروی کو وہ بہت عجیب سا لگا۔

وہ جلدی سے بولی، "بہت اچھا کیا تم نے کل بھکاریوں والا پیشہ چھوڑ کر یہ باعزت

پیشہ اپنا لیا خود کماؤ گے خود کماؤ گے کسی پر بوجھ تو نہیں بنو گے، خدا بھی خوش ہوگا۔۔۔۔۔ اور

ہاں وہ جو تمہارے ساتھ ایک اور تھا۔۔۔۔۔ وہ۔

بی بی جی میں نے تو جی پر رے خاندان سے لڑائی کر کے اپنا کھانا علیحدہ کر لیا ہے



جی۔۔۔۔۔ پر اس نے بڑا جھگڑا کیا میرے ساتھ، وہ نہیں مانتا جی۔۔۔۔۔ پر مجھے کسی کی پرواہ نہیں ہے۔ اب کی بار بھی جملہ ختم کر کے وہ نظریں جھکا کے کھڑا ہو گیا جیسے مارونی سے شرما رہا ہو۔

بھئی مجھ سے اس طرح گھبرانے یا شرمانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں بالکل تمہاری طرح ایک عام سی چیز ہوں۔۔۔۔۔ ماروی آسمان کی طرف نظر اٹھا کر بولی تھی۔
جی۔۔۔۔۔ وہ نظریں اس کے چہرے پر رکھ کر بولا۔۔۔۔۔ آپ آپ ہیں جی۔
۔۔۔۔۔ میں میں ہوں۔

ماروی کو اچانک یاد آیا کہ اے درہنور! ہے وہ پلٹنے ہی والی تھی کہ اس کی نظر اس کی ریڑھی کے پاس نیچے زمین پر پڑے رباب کی طرف پڑی۔ اسے اچانک کل کی رات کو اپنے نیند سے اٹھ جانے والی بات یاد آ گئی۔ کہ کس طرح ایک مدھر سانس اس کی نیند چھین لی تھی۔۔۔۔۔ اسے فوراً اندازہ ہو گیا کہ وہ رباب کی ہی آواز تھی۔

یہ کس کا ہے اس نے حیرت سے پوچھا۔
بیرا ہے جی اس نے جلدی سے جواب دیا۔
تم رات کو کہاں تھے۔
یہیں تھا جی اسی باغ میں آ کے سو گیا تھا جی۔
خواتین کو۔۔۔ اس نے نہ جانے کیوں بھی لہجے میں پوچھا۔۔۔ تم یہ بجا
رہے تھے۔
آپ نے سنا تھا جی۔

ہاں۔۔۔۔۔ وہ حیرت کو چھپاتے ہوئے بولی۔۔۔۔۔ ہاں۔ میری آنکھ کھل گئی تھی۔ دراصل وہ اس قدر مدھرا اور ہنسنے ساز کی توقع اس جیسے آدمی سے نہ کر رہی تھی۔۔۔۔۔ لیکن اچانک اس نے سوچا کہ فن اور ہنر اگر ذات پات اور اونچ نیچ میں بنا ہوتا تو بڑے بڑے لوگوں میں فقیروں کے چو لے پہننے والے کبھی شامل نہ کیے جاتے۔ اور ایسا نہیں تھا۔

بی بی جی آپ میری پہلی گاہک ہیں۔۔۔۔۔ کتنے چنے دوں بی بی کو۔۔۔۔۔ وہ
خوفناک ڈائجسٹ 106

شادی شدہ بھی اور ایک عدد بچی کی ماں بھی۔۔۔۔۔ وہ مسکرا کر بولی۔
 واقعی۔۔۔۔۔ ماروی پھر حیرت سے بولی۔۔۔۔۔ اچھا تمہیں دیکھ کر گلتا نہیں ہے۔
 Any way تم یہاں کیوں ہو اگر تمہاری Family ہے تو۔۔۔۔۔ اب کی بار
 ماروی نے ذرا دھیسے لہجے میں سوال کیا۔۔۔۔۔ نہ جانے انیٹا اس سوال کو پسند کرے نہ
 کرے۔ یہ بات اس کے ذہن میں تھی۔

میری اور میرے شوہر کی لڑائی ہو گئی تھی۔ میں گھر چھوڑ کر اپنی ماں کے گھر جانے
 کے بجائے یہاں چلی آئی۔۔۔۔۔ اب دو تین ماہ یہاں آرام سے رہوں گی۔۔۔۔۔
 سارے گھر کے جھگڑوں اور ذمہ داریوں سے دور۔۔۔۔۔ جب دل چاہے گا چل جاؤں
 گی۔

دو تین ماہ۔۔۔۔۔ تو تمہارے گھر والے اتنا عرصہ تمہیں۔۔۔۔۔ ماروی کو وہ کوئی
 خطیلی قسم کی مخلوق معلوم ہوئی جس کی باتیں سمجھ سے بالاتر تھیں۔

پتہ ہے۔۔۔۔۔ سب کو میرا پتہ ہے۔۔۔۔۔ کہ میرا دماغ بہت الٹا کام کرتا ہے۔
 لیکن اتنا بھی سب جانتے ہیں۔۔۔۔۔ کہ میں جہاں کہیں بھی ہوں Safe ہوں۔
 میری ماما۔۔۔۔۔ یعنی میری رینل ماما یہاں میری موجودگی سے واقف ہیں۔
 وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔۔۔۔۔ ماروی۔۔۔۔۔ کو اس کا مسئلہ اب بھی سمجھ
 میں نہ آیا۔ I know کہ تم Surprise ہو لیکن میں ذرا مختلف لڑکی ہوں میں آرام کرنا
 چاہتی تھی۔ اور میری ماں کے گھر میرے سسرال والوں نے مجھے ہرگز آرام سے نہ رہنے
 دینا تھا۔۔۔۔۔

آرام۔۔۔۔۔ اب کی بار ماروی کا دل چاہا کہ اس پزل PUZZLE کو کمرے
 سے نکال کھڑا کرے جس کی کوئی بات بھی اس کی سمجھ میں نہ آئی تھی۔

ہاں آرام۔۔۔۔۔ تین نندیں چار دیوہ سہاس سر شوہر بنی۔۔۔۔۔ اف اتنی بڑی
 فیملی کی دن رات خدمت کرتے کرتے میں تھک گئی ہوں۔۔۔۔۔ اسی لئے سب سے فرار
 حاصل کر کے میں اپنی آزاد زندگی جیسے شادی سے پہلے تھی اس کو یاد کرنے یہاں آئی
 ہوں۔۔۔۔۔

اوپر۔۔۔۔۔ اب کی ہار ماروی کچھ بات کی جہ تک پہنچی۔

آخر کو پھر وہی بھار بھونکنا ہے۔۔۔۔۔ وہ چلتی ہوئی کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی۔

ایسے تو نہ کہو آخر وہ تمہارا گھر ہے۔ اب کی ہار ماروی نے اسے خبطی تسلیم کر کے

مزید کریدنے سے خود کو باز رکھا اس لیے مزید کچھ نہ پوچھا۔

پلیز ماروی۔۔۔۔۔ وہ تیزی سے ہلٹی۔۔۔۔۔ پلیز میں تم سے امید کرتی ہوں کہ تم

مجھے بڑی پوز میوں کی طرح Treat نہیں کرو گی اور سمجھانے نہیں بیٹھ جاؤ گی کیونکہ

بحر حال اس جنگل سے جسے میری سسرال کہتے ہیں میں آئی ہوں اور میرا اندازہ کہہ رہا ہے

کہ تمہاری ابھی شادی نہیں ہوئی تو میں تم سے زیادہ جانتی ہوں۔۔۔۔۔ ماروی نے جواب

دینے کے بجائے قہقہے میں سر ہلایا تو وہ دوبارہ بول اٹھی hope اتم مجھے دوستوں کی

طرح سمجھو گی میری بڑی نہیں بنو گی۔۔۔۔۔

ہاں۔۔۔۔۔ Sure۔۔۔۔۔ لیکن کیا بیٹی یا نہیں آگے گی۔۔۔۔۔

صرف میری بیٹی نہیں ہے اپنے باپ کی دادا دادی پوچھو چچا کی بھی کچھ جانتی ہے

بلکہ چہیتی ہے۔۔۔۔۔ سب سننا لیں گے۔ She is in safe hands۔۔۔۔۔

وہ مطمئن تھی۔

Okay۔۔۔۔۔ تو کیا لڑائی ہوئی تھی۔ ماروی نہ رو سکی تو پھر بچہ چہ جی بھی

کھڑکی کی طرف آ گئی۔

وہ تو ہوتی رہتی ہے۔۔۔۔۔ دراصل میں اپنے سوڈ کی لڑکی ہوں سب جانتے ہیں

میری ماما سب سننا لیں گی۔ اور میں یہاں سکون سے رہوں گی۔۔۔۔۔ تم نے کہیں

ماروں کی اپنی پسند بے کھاؤں گی اپنی مرضی سے سوڈں کی انھوں کی مجھے کوئی روکنے والا

نہیں ہوگا۔ وہ مسکرا کر آسمان کو دور تک دیکھتی ہوئی بولی۔

ماروی اسے چند لمبے دیکھتی رہی اسے اس کی باتیں ہی نہیں وہ بھی عجیب سی لگ

رہی تھی۔ پھر سوچا کہ اسے کیا ضرورت ہے اسے سمجھانے کی جو جیسا کرتا ہے ٹھیک سمجھ کر ہی

کرتا ہے چند لمبے توقف کر کے وہ بولی ایک تم ہو جو گھر ہوتے ہوئے بھی بے گھر ہو ایک۔

ہم ہیں کوئی گھر ہی نہیں ہے۔۔۔۔۔ ماروی پلٹتے ہوئے بول رہی تھی۔

اچھا ہے نا اتنی آزاد زندگی کسے نصیب ہوتی ہے۔۔۔۔۔ وہ رشک سے بولی۔

ماروی کو اس کی بات پر ہنسی آگئی اس نے دل میں سوچا کہ یہ تو محسوس کرنے کی بات ہے کچھ لوگوں کے لیے شاید گھر کی کوئی اہمیت نہ ہو مگر کوئی چیز نہ ہو لیکن میرے لیے تو اپنا گھر اس دنیا کی سب سے خوبصورت اور سب سے حسین چیز ہے۔

کیا سوچنے لگیں انیتا اونچی آواز میں بولی تو ماروی کی سوچ کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔
کچھ نہیں۔۔۔۔۔ چائے چلے گی وہ چونک کر بات بدل کر بولی تو انیتا نے خوشگوار لہجے میں جواب دیا۔ بالکل چلے گی اور دوڑ دوڑ کے چلے گی۔

ابھی لاتی ہوں۔۔۔۔۔ ماروی مسکراتی ہوئی کمرے سے نکل آئی۔ وہ آفس سے
تھکی ہوئی آئی تھی۔ زندگی میں پہلی بار اسے اس طرح کام کرنا پڑا تھا وہ آفس ورک سے
واقف نہ تھی سارا دن ایک کرسی پر پابند بیٹھیں رہنا ماروی کے لیے مشکل ہو رہا تھا وہ تو کشمیر
کی آزاد فضا کی آزاد دلچسپی تھی جس نے دور آسمانوں میں سفر کرنا سیکھا تھا جس نے اعلیٰ
داہیوں میں اعلیٰ فضاؤں سے دوستیاں کی تھیں ایک محدود آفس کی محدود دیمز کسی اس کے
لئے زندگی کی تلخیوں میں اضافے کے علاوہ صرف دور دردی کا ذریعہ تھی اور اس دور دردی کے
لیے ایسے تلخ ذریعوں کو اپنی زندگی میں وسیع جگہ دینی تھی یہ بات اسے آہستہ آہستہ سیکھنی
تھی۔ اور وہ سیکھ رہی تھی۔ آج واپس آتے وقت وہ شامل کے لیے سوچ رہی تھی کہ جب
وہ واپس آئے گی تو یہ کمرہ اسے مل سکے گا یا نہیں البتہ اب انیتا کے آنے اور بقول انیتا کے
دو تین ماہ تک یہاں رہنے کا یہ مسئلہ حل کر دیا تھا۔

ماروی نے انیتا کو وہی سب بتایا جو اس نے شامل کو اپنے بارے میں بتا رکھا تھا۔
انیتا کا بی باتونی لڑکی تھی ماروی کا دل لگا رہا۔ انیتا کو آئے ابھی دو دن ہوئے تھے کہ بالکل
ویسا گلدستہ جیسا اسے شامل کی موجودگی میں ملا تھا جس میں ایک اکلوتا سفید گلاب مہک رہا
تھا پھر ملا۔

ماروی آفس کے لیے تیار تھی۔ ناشتہ بھی کر چکی تھی وہ کئی لمحوں تک بغور اس
گلدستے کو دیکھتی رہی۔ انیتا جو چند لمحوں پہلے بیدار ہوئی تھی اس کی نظریں بھی گلدستے پر
تھیں چند لمحوں بعد وہ کھانکھنکار کر بولی۔ کس نے بھیجا ہے نام نہیں بتاؤ گی۔

نہیں۔۔۔۔۔ میں نہیں جانتی۔۔۔۔۔ ماروی حمزہ سے بولی۔

اجی ماروی صاحبہ مجھ سے جھوٹ مت بولو۔۔۔۔۔ تم جیسی پیاری اور محسوس لڑکی کے تو ہزار عاشق ہوں گے۔۔۔۔۔ مجھے بچی نہ بھنا۔۔۔۔۔ سب سمجھتی ہوں۔۔۔۔۔ وہ معنی خیز لہجے میں بول رہی تھی۔

ایک لمحے کو تو ماروی کو اس کا انداز برا لگا پھر اس نے سوچا کہ جب وہ اسے جانتی ہی نہیں تو غصہ کرنا فضول ہے اور سچ تو سچ ہی ہوتا ہے بھلے کوئی یقین کرے یا نہ کرے وہ لہجے کو سادہ بنا کر بولی۔۔۔۔۔ یقین مانو انیتا۔۔۔۔۔ یہ مجھے دوسری بار ملا ہے۔ مگر کسی نے نام وغیرہ نہیں لکھا تھا۔۔۔۔۔ میں قسم کھا کر کہہ رہی ہوں۔

اچھا تو یہ کوئی غلط لگ رہا ہے۔۔۔۔۔ انیتا نے سرخ ربن کے قریب ایک سفید رنگ کے لٹاؤنے پر نظر ڈال کر کہا جس پر ابھی تک ماروی کی نظر نہ پڑی تھی۔

ماروی نے اچک کر وہ لٹاؤ نکال لیا۔ وہ کشمکش میں تھی۔

خط۔۔۔۔۔ اسے مسائل کی بات یاد آگئی۔۔۔۔۔ کوئی حسین شہزادہ تمہیں دل و جان سے پسند کر بیٹھے اور کل اس کا ایک عدد خط تمہیں ملے۔ وہ تمہارے لئے دل کی دنیا کا ہر دروازہ کھول دے ہر پہرے دار شادے اور کبے کہ آؤ ملکہ اس دل پر حکومت کرو مسائل کے الفاظ اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔

کھولو بھئی۔۔۔۔۔ کیا سوچ رہی ہو۔۔۔۔۔ انیتا جلدی سے بولی ماروی سے جلدی اسے تھی۔

بہسی بھی بہت چھوٹے عمل بہت بڑے بڑے مسائل پیدا کر دیتے ہیں۔۔۔۔۔ انیتا ہو سکتا ہے اس خط کو پڑھ کر اس کا جواب دینا پڑے پھر اس کا جواب آئے بات بڑھے میں کسی مصیبت کسی مسئلے میں نہ پھنس جاؤں۔۔۔۔۔ اس نے انیتا کو بغور دیکھا اس کے ماتھے پر ہل آگئے۔۔۔۔۔ بہتر ہے اس چکر کو چلنے سے پہلے روک دیا جائے۔۔۔۔۔ ماروا کا ارادہ اس خط کو چاک کر دینے کا تھا کہ انیتا نے بڑھ کر وہ لٹاؤ پکڑ لیا۔

بے وقوف ہو تم۔۔۔۔۔ پہلے اس شخص کے ارادے تو معلوم کر لو ضروری تو نہیں بات آگے بڑھنے پر تم کسی مصیبت میں ہی پھنسو۔ بات آگے بڑھنے پر تمہاری بہت

ممبیتیں ختم بھی تو ہو سکتی ہیں۔۔۔۔ ہو سکتا ہے کوئی سچا شخص ہو شریف انسان ہو۔۔۔۔۔
 سبھی کو ترازو کے ایک پلڑے میں ڈالو گی تو پلڑا برابر کبھی بھی نہیں ہوگا۔۔۔۔۔ وہ بولتے
 بولتے لغافہ چاک کر کے اس سے کاغذ نکال چکی تھی۔۔۔۔ اگر تم ماسٹرنہ کرو تو میں
 پڑھوں۔

ماروی نے چند لمحے سوچا اور پھر جب وہ لغافہ چاک کر ہی چکی تھی تو اس نے
 سادگی سے سر مثبت میں ہلایا انیتا نے بلند آواز میں پڑھنا شروع کیا۔

مس ماروی۔۔۔۔۔ ہنہ طرز تھا طلب تو یہ قول ہے انیتا نے comment کیا
 اور پھر پڑھنے لگی۔

آپ کو پہلی بار مخاطب کرنے کی ہمت کر رہا ہوں یہ دوسرا جگہ سہ اپنے ہاتھوں کو
 لہو لہو کر کے بھیج رہا ہوں۔۔۔۔۔ دل نے اس آگ میں کودنے کی ہمت کی سو کو دیا اب دل
 کندن ہونے کی ہمت کر رہا ہے۔ جانتا ہوں کندن ہونا میرے بس کی بات نہیں کیونکہ کوئلہ
 جل کر راکھ تو ہو سکتا ہے کندن نہیں ہو سکتا مگر آپ کی قسم میں اتنا جلا ہوں جتنا کندن بجھنے
 کے لیے لوہا جلتا ہے۔ ہر قسم ہوں نصیب کو نکلے کا لے کر آیا ہوں۔ کیا کر سکتا ہوں آپ
 کو دیکھ کر زندگی کی ہر تلاش ختم ہو چکی ہے۔ میں تو خاک ہونے چلا تھا زندگی کو سوکھی لکڑی
 کی طرح جلانے پر تلا بیٹھا تھا۔ مگر آپ رم جھم برستے ٹھنڈے سادون کی طرح اچانک
 چلی آئیں۔ مجھے زندگی دے کر احسان کیا۔ لیکن میں آپ کو کچھ نہیں دے سکوں گا حتیٰ کہ
 مل بھی نہیں سکوں گا۔۔۔۔۔ آپ میں اور مجھ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

ایک معمولی انسان

اسفند یار

سمجھ نہیں آیا کہ کیا کہنا چاہتا ہے۔۔۔۔۔ خط مکمل کر کے انیتا نے ماتھے پہ پل ڈال
 کر کہا۔ مل نہیں سکتا تو بھائی پھول، وقت اور کاغذ کیوں ضائع کر رہے ہو۔

ماروی خاموشی سے ان لفظوں پر غور کر رہی تھی دو دن پہلے جب شائل نے کوئی
 پرانا جاننے والا کہا تھا تو دل میں شک کے ناگ پھرنے لگے تھے اس خط نے ان خیالوں کو
 تو تھپک تھپک کر سلا دیا مگر یہ بات تو سراسر خود ہی ایک مسئلہ تھی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ

چوکیدار ہا ہا کو سمجھا دے گی کہ آئندہ کسی سے اس طرح کوئی چیز اس کے لئے نہ لے بلکہ جو بھی لائے اسے مار دی سے ملوادے انہی سوچوں میں ڈوبی وہ بس شاپ کی طرف چل پڑی رستے میں حسب معمول سلطان نظر آیا ابھی بس آنے میں وقت تھا وہ دودن سے اسے مسلسل نظر انداز کر رہی تھی وہ روز ہی وہاں موجود ہوتا تھا۔ ماروی اس کی طرف بڑھ گئی سڑک پر اکا دکا آ دی چل رہے تھے ٹریفک بھی کم تھی۔

ماروی کا دل بڑا ہوا، محصل ہو رہا تھا وہ دل کے قریب بنی چھوٹی دیوار پر بیٹھ گئی۔

لی بی۔۔۔۔۔ پنے دوں۔۔۔۔۔ سلطان اس کے قریب آ کر بولا۔

خدا کے لیے سلطان یہ صبح سویرے مجھ سے مہرچوں والے یہ چنے مست پوچھا کرو۔۔۔ وہ اچانک غصے میں بھر گئی۔ ماروی کو اپنے غصے کی وجہ سمجھ نہ آئی۔ کیا وہ اسفند پر خفا تھی جس نے اتنے حسین لفظ استعمال کیے تھے مگر نہ ملنا بھی بیان گراویا تھا۔ ماروی نے سر جھٹک کر سلطان کی طرف دیکھا۔ وہ پریشانی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا ہمدردی سے بولا۔

طبیعت ٹھیک ہے لی لی۔

نہیں سلطان۔۔۔۔۔ طبیعت بہت بوجھل ہے۔ دل چاہتا ہے کشمیر چلی جاؤں
۔۔۔۔۔ وہاں کے شخصدے چشمے پر نہا کر ٹھیک ہو جاؤں گی۔۔۔۔۔ مگر۔۔۔۔۔ کیسے چلی جاؤں
۔۔۔۔۔ وہ ہاتھ مل کر بولی۔ کوئی بھی تو نہیں جوڑ حال بن کر سرے لئے لڑ سکے۔ مجھے اس
جگہ کا راستہ دکھا سکے۔۔۔۔۔ ہر راستہ بند ہے سلطان۔۔۔۔۔ ہر راستہ۔۔۔۔۔ ہر راستے پر
خارجہ ہیں۔ پاؤں لہو لہو ہو جائیں گے ایک قدم بھی اس راستے پر رکھا تو لٹ مروں گی
۔۔۔۔۔ اور لہو لہو ہونے کی ہمت نہیں ہے مجھ میں۔۔۔۔۔

کیا غم ہے لی بی، خلاف توقع اس کی آواز بڑی رس وارتھی ماروی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تو اس کی مہری سیاہ چمکدار آنکھیں اس کے چہرے پر لگی تھیں۔
کیا پوچھا تم نے۔۔۔۔۔ ماروی نے دوبارہ سوال کیا۔

پھر بتاؤں گا بی بی۔۔۔ ابھی وجہ ہو رہی ہے۔ اگلی سڑک پر جو بچوں کا سکول ہے وہاں جانا ہے۔۔۔۔ چاؤں بی بی سلطان اپنی بھاری بھر کم آواز میں بول رہا تھا اور اپنا

سامان سیٹ رہا تھا۔ ماروی نے اثبات میں سر ہلایا اور سناپ کی جانب چل دی۔
شام کو انیتا نے اسے اخبار میں ایک اشتہار دکھایا۔ کسی ایڈورٹائزنگ ایجنسی کو ایک
فی میل سیکٹری کی ضرورت تھی۔۔۔۔۔ ماروی حیرت سے بولی۔

مگر میرے پاس تو جاب ہے۔۔۔۔۔ میں کیوں جاؤں۔۔۔۔۔
تغواہ ماروی تغواہ۔۔۔۔۔ دیکھو تو تمہاری تغواہ سے تین گنا زیادہ ہے پھر کتنی
مراعات ہیں فلیٹ ملے گا گاڑی ملے گی الاؤنسز الگ۔۔۔۔۔ انیتا اسے سمجھانے لگی۔
مجھے ان تعیشات کی ضرورت نہیں۔ میری جاب میرے لئے کافی ہے۔۔۔۔۔
ماروی ایک میگزین پڑھتی ہوئی بولی انیتا کو ایک دم غصہ آ گیا۔۔۔۔۔ ندی کا مینڈک مت
بنو اپنے لئے ترقی کرنے کے لیے ہر شخص کو پورا حق حاصل ہے کہ وہ ہاتھ پاؤں مارے
۔۔۔۔۔ تم آخر اتنی قنوطی کیوں ہو۔ مختصر مختصر ہر خوش رہنے والی۔۔۔۔۔

میری نیچر ایسی ہے تو میں کیا کروں، ماروی ماتھے پر ہاتھ ڈال کر بولی اب کی بار
وہ اس کے غصے کو نظر انداز کر کے مسکرا رہی تھی۔
لیکن ٹرائی کرنے میں کیا حرج ہے ویسے بھی اتوار کو تمہاری چھٹی ہوتی ہے اور
انٹرویو اتوار کو ہے۔

انیتا جس چیز کی ضرورت نہ ہو اس کے لیے سر کھپانے سے فائدہ۔ اس کی نظریں
پھر سیکڑا بن چکیں۔

دوسری طرف چند سیکنڈ خاموشی رہی پھر اچانک انیتا بولی۔
اچھا تو تم میرے ساتھ تو چل سکتی ہونا۔۔۔۔۔ ماروی نے سراٹھا کر اسے دیکھا
جیسے اس کی بات نہ سمجھ سکی ہو۔۔۔۔۔ میں ضرور انٹرویو دوں گی۔۔۔۔۔ تم بس میرے ساتھ
چلنا۔۔۔۔۔ میں کروں گی یہ تو کبری۔۔۔۔۔ انیتا سکون بھرے لہجے میں بول رہی تھی۔
ماروی نے پہلے گھور کر اسے دیکھا پھر مکمل متوجہ ہو کر چند ثانیے بعد بولی۔۔۔۔۔
تم۔۔۔۔۔ تم عموماً مجھے بہت حیران کر دیتی ہو۔۔۔۔۔ تم کیا کرو گی تو کبری کا۔۔۔۔۔
کچھ تو کروں گی۔۔۔۔۔ آدھا دن کرسی پر بیٹھ کر آرڈر آرڈر کروں گی اس طرح
آدھا دن تو اس چڑیا گھر یعنی میرے سسرال سے باہر نہ سکوں گی۔۔۔۔۔ کچھ کھاؤں گی تو

independent یعنی ہو جاؤں گی۔۔۔۔۔ مگر کی ذمہ داری بھی کم ہو جائے گی۔۔۔۔۔ انیتا مزے سے پلاننگ کر رہی تھی۔

ہنہ۔۔۔۔۔ اب بات کچھ سمجھ میں آتی ہے۔۔۔۔۔ اچھا میں چلی چلوں گی۔۔۔۔۔
ماروی نے جان چھڑانے کو کہا۔

اچھا جب چلوگی تو اپلائی کرنے میں کیا حرج ہے۔۔۔۔۔ انٹرویو ہی تو ہے۔۔۔۔۔
انیتا تیزی سے بول اٹھی۔

پھر وہی۔۔۔۔۔ میں تم سے کہہ رہی ہوں مجھے نہیں۔ ماروی تنک اٹھی۔

تو مست کرنا لیکن انٹرویو دینے میں کیا حرج ہے۔۔۔۔۔ تجربہ ہی سہی۔ مجھے ذرا
ڈھارس ہو جائے گی۔ مجھے ڈر نہیں لگے گا۔ تم انٹرویو پہلے دینا مجھے پتا چل جائے گا کہ کس
قسم کا انٹرویو ہے میں Mently prepare ہو جاؤں گی۔

کبھی کبھی تم بالکل بچوں کی طرح سوچتی ہو۔۔۔۔۔ ماروی اسے اتنی خیال کر رہی
تھی۔۔۔۔۔ مگر

ایک تو تم اگر مگر بہت کرتی ہو اس کی چھٹی کا ایک ٹھنڈے مجھے دے دو گی تو کیا ہو
جائے گا۔

میرے لیے تم اتنا بھی نہیں کر سکتیں، انیتا ممکن صورت بنائے اسے دیکھنے لگی تو

ماروی بس پڑی۔

اچھا بابا چلوں گی۔۔۔۔۔ بس، اس نے انیتا کے آگے ہار مانی۔

Very good یہ، وہی نا اچھے بچوں والی بات۔ انیتا خوش ہو کر بولی۔

راتوں کا سلطان کار باب بجاتا اب معمول ہو گیا تھا۔ لگتا تھا اس نے اسی بارٹ میں

رات کو ڈیرہ جمالیا تھا۔ اکثر و بیشتر ماروی کی آنکھ کھل جاتی۔ وہ بہت دیر تک اس ترنم میں

ڈوبے ساز کو سنتی رہتی تھی۔ سلطان شکل و صورت کا جیسا بھی تھا اس کے دل میں باتوں میں

اور ہاتھوں میں بہت مناس تھی وہ جن انگلیوں سے رباب بجاتا تھا دنیا جہاں کی مناس

کشیدہ کر لاتی تھیں۔ رات کا سنا نا جیسے بہت ساری روشنیوں رنگوں اور حسن کے سمندر میں

ڈوب جانا اور حسن بھی وہ جس سے ماروی کو ازلی لگاؤ تھا۔

اتوار کو ماروی اور انیتا سمنز ایڈورٹائزنگ ایجنسی پہنچ گئیں۔ وہاں اور بھی لڑکیاں موجود تھیں چونکہ ماروی نے پہلے اپنا نام ریسپشن پر دیا تھا تو اسے پہلے Call کیا گیا۔

ماروی انٹرویو دینے کے لئے کمرے میں داخل ہوئی۔ پہلی نظر میں اس نے کمرے کا جائزہ لے لیا سیٹ پر ایک ادھیر عمر کا شخص بیٹھا تھا رجسٹر صاف اور کھلتی ہوئی جب کہ آنکھیں اور بال دونوں ہی گرے تھے ارد گرد کی ہر چیز سے ظاہر تھا کہ یہ ایجنسی اچھا بزنس کرتی ہے۔ بیٹھو۔۔۔۔۔ اس شخص نے ماروی کو گھورتے ہوئے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اس کی آواز گنگنائی ہوئی تھی۔ ماروی کو اس کا گھورنا اور اس کی آواز دونوں ہی ناگوار گزرے لیکن وہ نظر انداز کر کے بیٹھ گئی۔ اب اسے احساس ہوا کہ انٹرویو میں کوئی بھی سوال پوچھا جاسکتا ہے لیکن اس نے خود کو یہ کہہ کر مطمئن کر لیا کہ کون سا اسے یہ جواب کرنی ہے وہ تو انیتا کا حوصلہ بڑھانے کو چلی آئی تھی۔ اسی اثنا میں اس نے یہ بھی محسوس کر لیا کہ جب سے وہ کمرے میں داخل ہوئی ہے وہ بوز حاضریٹ میں اسے گھور رہا تھا۔

بس ماروی۔۔۔۔۔ وہ پھر اپنی گنگنائی آواز میں بولا۔

جی۔۔۔۔۔ یہی نام ہے میرا، اس نے ادب سے جواب دیا مگر بچہ تھوڑا سخت تھا۔

آپ کو یہ نوکری مل گئی ہے۔۔۔۔۔ اب کی بار اس نے بیٹھے لہجے میں جواب دیا۔

ماروی حیرت سے بول اٹھی۔۔۔۔۔ جی کیا مطلب سر۔۔۔۔۔ ابھی تو میں نے

انٹرویو بھی۔۔۔۔۔

انٹرویو تو ایک Formally تھا۔۔۔۔۔ ہمیں اہلیت نہیں صورت چاہیے تھی

۔۔۔۔۔ وہ ذرا جھٹی لہجے میں بولا۔۔۔۔۔

میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی سر۔۔۔۔۔ اب کے وہ پھر رجسٹر لہجے میں بولی تھی۔

دیکھو ماروی۔۔۔۔۔ وہ فرینک ہو رہا تھا۔ ہمیں ایک جوان اور ہوٹر باسن کی

مانک لڑکی کی ایک عرصے سے تلاش تھی۔ تمہیں پہلی نظر میں دیکھتے ہی میری تلاش ختم ہو

گئی۔ تم اس جواب کے لئے بہت سوز دل ہو۔ اوکے۔۔۔۔۔ تم کل سے آ سکتی ہو۔۔۔۔۔

اپنا کٹنٹ لیٹر تمہیں کل ہی مل جائے گا وہ خوشدلی سے بولتا چلا گیا۔

میرا کام کس نوعیت کا ہو گا سر۔۔۔۔۔ اب کی بار ماروی اس کی ہر بات سمجھ چکی

تھی۔ لیکن دانت پس کر سوال کر بیٹھی۔

۔۔۔ وہ شخص اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اب وہ ماروی کی کرسی کے قریب آ گیا نیل سے فیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔۔۔۔۔ کام۔۔۔۔۔ تم کام کرو گی۔۔۔۔۔ دنیا میں کام کرنے والے سرگمے ہیں کیا جو تم اپنے ان برہمیں ہاتھوں سے۔۔۔۔۔ اس نے ماروی کا ہاتھ پکڑا ہی تھا کہ۔۔۔۔۔

ایک زمانے کا تھپڑ اس کے منہ پر لگا تھا۔ یہ سب اچانک اور آفاٹا ہوا تھا۔ ماروی نے سوچ سمجھ کر کچھ بھی نہ کیا تھا۔ ماروی کچھ بھی تو نہ کر سکی سوائے اس کے تھپڑ مارنے کے۔۔۔۔۔ وہ شخص ہنسی کھڑا رہا۔ ماروی اپنے حواسوں میں آئی تو دروازے پر کھڑی تھی۔

سب سے پہلے اپنی عمر کا لحاظ کرو۔۔۔۔۔ اس کے بعد انسان دیکھ کر ہاتھ کرنا اپنی سرشت میں باندھ لو میں تھوکی جوں تمہاری نوکری پر اور تم پر اس سے بہتر ہے کہ میں فاتوں مر جاؤں۔۔۔۔۔ وہ تیزی سے باہر نکل آئی انیتا اسے باہر جاتے دیکھ کر اس کے پیچھے لپکی وہ تیزی سے سیڑھیاں اترتی گئی انیتا نے اسے پکارا وہ پھر بھی نہر کی سڑک پر آ کر اس نے دم کیا جب اس کے حواس مکمل طور پر قابو میں آئے تو اس نے مڑ کر اس براؤن رنگ کے شیشوں سے بنی اس بلند و بالا عمارت پر نظر ڈالی جس کے پانچوں فلور سے وہ ابھی نیچے آئی تھی وہاں سفید روشنائی سے بہت نمایاں کر کے Sans Advertising لکھا ہوا تھا۔ ماروی نے نفرت سے زمین پر تھوکا اور ٹیکسی کورکنے کے لیے ہاتھ دے دیا۔

اتنے میں انیتا ہاتھی ہوئی اس کے قریب پہنچ گئی۔ "کیا ہو گیا" وہ حیرت سے پوچھ رہی تھی۔

"کچھ نہیں" ماروی تلخی سے بولی۔ مگر ابھی مجھے انٹرویو دینا ہے۔ انیتا جو حیرت سے بولی تھی۔

کوئی انٹرویو نہیں دینا تم نے۔۔۔۔۔ ہاسٹل چلو۔۔۔۔۔ وہ پھر تیزی سے بولی۔ مگر کچھ پتہ تو چلے۔۔۔۔۔ اب کی بار انیتا کے سوال کا جواب دینے کی بجائے ماروی ٹیکسی میں بیٹھ چکی تھی مجبوراً انیتا کو اس کی تقلید کرنی پڑی۔

تو کیا مجھے پتہ تھا وہ ایسے لوگ ہوں گے۔ ہاسٹل پہنچ کر انیتا کو ساری حقیقت کا پتہ چلا تو وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی وہ شرمندہ تو تھی لیکن یہ تو سچ تھا کہ ماروی کی طرح حقیقت سے وہ بھی بے خبر تھی۔

مگر اتنی مراعات دینے والوں کے مقاصد کا اندازہ تو ہونا چاہیے تھا۔۔۔ تمہارا شوہر اس جگہ کام کرنے پر تمہیں ہمیشہ کے لیے اپنے گھر سے چھٹی دے دے گا۔ اور وہ بڑھا۔۔۔ وہ فضول بڑھا۔۔۔ گھنیا۔۔۔ لفنگا۔۔۔ دل چاہ رہا تھا دو چار اس کے منہ پر اور جزدیتی۔۔۔ ماروی کی آنکھوں میں شدت جذبات سے پانی تیر گیا اس نے سوچا۔

کیا یہ حیثیت رہ گئی ہے میری کہ کبھی کوئی آئینہ پکڑتا ہے کبھی کوئی ہاتھ۔ اتنی بے وقعت بے حیثیت ہو گئی ہوں کہ کوئی میری عزت نہیں کرتا گلاؤں کی وہ العز ماروی کا جو دنیا جہاں میں گھومتی پھرتی تھی مگر کوئی بھی اسے قریب سے گزرتا دیکھ کر عزت سے نظریں جھکا لیتا تھا۔ اور اب ہزار بار غیر اگھور کر دیکھتا ہے۔ ہاں۔ ایسا ہی ہونا چاہیے۔۔۔ ادا۔ ادا۔ کچھ اچھا نہیں کیا مجھے بے آسرا کر کے۔ بھیڑیوں کی کالی دنیا میں بھیج کے۔ ماروی کے پر بھی نوٹ مئے کہ اڑ نہیں سکتی۔ کیسی حسین تھی تیری ماروی بچ پھلاں رانی تیری کشمیر کی شہزادی، تیری پنگی۔ اب ساری دنیا مجھے بھیک میں ملا سکے سمجھ کر اچھالتی پھرتی ہے۔ میری کوئی حیثیت نہ رہی۔ اتنی اکیلی ہو گئی ہوں کہ ہر رنگ کو مجھ پر اٹھنے کا حق خود بخود مل گیا ہے۔ وہ مسلسل سوچوں میں ڈوبی تھی۔

تو جزدیتیں ما۔۔۔ کس نے منع کیا تھا۔۔۔ انیتا جو ہاتھ روم میں اس کی باتیں سن رہی تھی تو لیے سے ہاتھ پونٹھتی باہر نکلی۔

چند ثانیے وہ انیتا کو گھورتی رہی۔ "اس کی عمر نے"

اگر کوئی جوان آدمی ہوتا تو۔۔۔ وہ دلچسپی سے کھوجتی ہوئی بولی۔

تو ضرور اور جزدیتی۔۔۔ اب ختم کر دو۔۔۔ ایسے مزہ لے رہی ہو جیسے فلم دیکھ کر آئی ہو۔۔۔۔

ماروی دکھ سے بولی اور تیزی سے کمرے سے نکل کر ہاسٹل کے بیچ لان میں

چلی آئی۔ اس نے دل سے سوچا کہ انیتا تو کیا کوئی بھی میری اس ہنک کو نہیں سمجھ سکے گا دل کی بات دل کا عہد وہ کسے سنائے کاش کہ کوئی ہمدرد ہوتا جو اسے اس واقعے کے بعد تسلی دیتا۔ انیتا تو مذاق اڑانے لگی تھی۔ ماروی کو شائل اور صدف یاد آ گئیں مگر وہ ابھی اب تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ وہ واپس کمرے میں آئی تو انیتا موجود نہ تھی اس نے کھڑکی سے باہر جھانکا دو پہر کا وقت تھا باغ میں ہلکی ہلکی سنہری دھوپ تھی جسے بہت سے لوگ اور بچے Enjoy کر رہے تھے ایک کونے پر سلطان بھی کھڑا تھا۔ ماروی اس کے پاس چلی آئی۔ وہ اسی جگہ بیٹھ گئی جہاں وہ ہمیشہ بیٹھتی تھی۔ ماروی کے چہرے کی اداسی کو سلطان نے محسوس کر لیا اس کے قریب آ کر بولا ”بی بی“

”ہنہ“ ماروی نے اس کے چہرے کو دیکھ کر جواب دیا۔

”کیا پریشانی ہے بی بی“

ماروی نے سر خندہ ہنسی ہنس دی۔ پریشانی۔ زندگی پریشانی ہے سلطان۔ اس سے زیادہ کچھ ہونے کا نام ہی نہیں لیتی۔۔۔۔۔ تم بناؤ سلطان تم بھی تو پریشانی ہو رات کی تاریکی میں جب تم اپنا درباب چھوڑتے ہو تو ایسا کیوں لگتا ہے کہ دل کا بہت سا درد ناخوشی سازوں سے نکل رہا ہو۔۔۔۔۔

مجھے تو غم ہے نا بی بی۔ بہت سے اچروں کو کھو یا ہے۔ دھوکا کھایا ہے۔ ایک بھالی بڑا پیارا تھا مجھے۔۔۔۔۔ اسے کھو بیٹھا۔ سب کو چھوڑ آیا۔۔۔۔۔ پوری برادری۔۔۔۔۔ تو درد تو دل میں اٹھے گا نا جی۔۔۔۔۔ مگر بی بی۔۔۔۔۔ وہ سوچوں میں ڈوبتا ابھرتا پھر اسی کی غمگساری میں لگا تھا۔ تجھے کیا غم ہے تو اتنی اداس کیوں رہتی ہے سلطان کے چہرے پر دنیا جہان کی ہمدردی اتر آئی وہ اس کے قدموں سے چند قدم کے فاصلے پر زمین پر بیٹھا تھا۔

بہت سارے غم ہیں سلطان اتنے کہ جمہولی تنک پڑ جاتی ہے۔ کسی سے بات کرتے ڈر لگتا ہے نہ جانے کون کس گھر میں مل جائے۔ مگر تمہاری آنکھوں میں نہ جانے کیا ہے۔۔۔۔۔ جو مجھے تم سے کبھی ڈر نہیں لگا۔ تبھی تو تمہارے پاس آ جاتی ہوں۔

بی بی ان غموں کا علاج کیوں نہیں کرتی۔

”علاج“

ہاں بی بی۔۔۔۔ چاند جیسی صورت ہے تیری۔۔۔۔ شادی کر لے کوئی دکھ
 ہانٹنے والا مل جائے گا۔۔۔۔ وہ سادہ لہجے میں مگر نظر جھکا کر بہت بڑا مشورہ دے گیا۔
 کیا:- کیا کروں! ماروی نے حیرت سے پوچھا۔

شادی بی بی۔۔۔۔

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اس کا چاند چہرہ سورج کی کھلتی ہوئی روشنی میں مزید کھل گیا۔
 ”شادی“۔۔۔۔ اس نے اس لفظ کو دھیرے سے دہرایا جیسے جانتی ہی نہ ہو۔ میرے پاس
 کسی کو دینے کے لیے کچھ نہیں ہے سلطان۔ اور پھر کون ہے جو مجھ سے شادی کرے گا۔ یہ
 زر کی دنیا ہے اور میرے تو دونوں ہاتھ خالی ہیں سلطان۔۔۔۔
 مگر اتنی سندر تو ہے تو۔

کس کام کی یہ سندر تار۔۔۔۔ جو بھی دیکھتا ہے ہاتھ پکڑتا ہے کوئی بھی آنچل سر پر
 نہیں ڈالتا۔ میں تو رعایتوں کی گود میں پلٹا ہوں۔ شرم دھیا کا آنچل میرے سر پر حرے
 سے پڑا ہے۔ مگر اب اس کی حفاظت کرنے والا کوئی بھی نہیں رہا۔ کوئی ہو بھی نہیں سکتا
 ۔۔۔۔ سارے غیرت مند تو پیچھے چھوڑ آئی ہوں۔۔۔۔ ہر پل ڈرتی رہتی ہوں کوئی غلط
 قدم نہ اٹھ جائے۔ مگر بد نصیبی ہمیشہ جس بدل کر دھوکہ دیتی ہے۔ ماروی اپنی دھن میں
 پونے جا رہی تھی۔ اسے سلطان کا خیال ہی نہ آیا جو اس کے دکھ سے بے کھل ہو گیا تھا۔ اس
 کی گہری کالی آنکھوں میں بے چینی کی ناؤ غوطے گا رہی تھی۔ ماروی نے اچانک سوال
 کیا۔

تم۔۔۔۔ تمہاری شادی ہو گئی سلطان۔۔۔۔

جی۔۔۔۔ وہ یکدم شرمایا۔۔۔۔ نہیں جی پر۔۔۔۔

پر کیا۔۔۔۔ وہ سوؤں پر گری ہوئی۔

پر جی دل مل گیا ہے جی۔۔۔۔

اچھا۔۔۔۔ کیا کوئی پسند آگئی۔

جی۔۔۔۔ وہ اپنے انداز میں سر جھکا کر بولا۔

کیسی ہے۔۔۔۔ اب کی بار وہ دلچسپی سے بولی اسے نہ جانے کیوں سلطان میں

سفیر کی مٹی دکھائی دیتی تھی۔ اپنائیت کی واسپنے پن کی قربت کی اور اپنے دیس کی۔
 بڑی سوتی ہے جی۔۔۔۔۔ بڑی سندر ہے۔۔۔۔۔ وہ شرمارہا تھا اس کا سالتولارم۔
 چمک اٹھا۔

کیا نام ہے۔۔۔۔۔ اس نے پھر مسکرا کر سوال کیا۔
 جی۔۔۔۔۔ ملکہ۔۔۔۔۔ سلطان کی ملکہ۔۔۔۔۔
 واہ۔۔۔۔۔ کیا میچ ہے میرا مطلب ہے سوچ سمجھ کر نام رکھا ہے۔ تمہارے قبیلے کی
 ہے۔۔۔۔۔

انسانوں کے قبیلے کی ہے جی۔۔۔۔۔ وہ مسکرا کر لہجے میں بولا۔
 ہند۔۔۔۔۔ اچھا تو کب کر رہے ہو شادی۔
 بس جی ہونے والی ہے۔۔۔۔۔ وہ مسلسل شرمارہا تھا ماروی کو اچھا لگ رہا تھا۔
 بہت مبارک ہو تمہیں۔۔۔۔۔ خدا کرے کہ وہ تمہیں بہت ساری خوشیاں دے
 اتنی کہ دامن تنگ پڑ جائے۔ ماروی نے بچے دل سے دعا دے ڈالی۔
 بی بی۔۔۔۔۔ وہ سراٹھا کر بولا جو تیرے گلے میں جی زنجیر ہے نا۔۔۔۔۔ یہ بڑی
 پیاری ہے۔۔۔۔۔ وہ زنجیر پر نظر ڈال کر بولا۔

یہ میری بہن کی نشانی ہے۔ ماروی نے زنجیر کو چھوتے ہوئے اسے بتایا۔
 بی بی مجھے ایسی زنجیر بنوادے میں۔۔۔۔۔ اے دوں گا جی۔۔۔۔۔ اپنی ہونے
 والی گھر والی کو۔۔۔۔۔ ملکہ کو۔۔۔۔۔ وہ اشتیاق سے بول رہا تھا۔
 ماروی ایک سو سوچ میں پڑ گئی۔ یہ زنجیر تو سنار چاچا نے بنائی تھی۔ یہاں شہر میں تو
 وہ کسی سنار کو نہیں جانتی تھی اور پھر پتہ نہیں ایسی چیز یہاں کوئی بنا پائے یا نہ۔۔۔۔۔ مگر
 سلطان یہ تو میرے گاؤں کے سنار نے بنائی تھی۔۔۔۔۔ یہاں شہر میں تو۔۔۔۔۔ ماروی
 بات بناتے لگی۔

اچھا جی۔۔۔۔۔ چلو جی ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ وہ بے دلی سے بولا۔
 ماروی کو اس کا یہ انداز اچھا نہ لگا اس نے پہلی بار سلطان کی آنکھوں میں مایوسی
 دیکھی تھی۔ اس نے بغیر کچھ سوچے سمجھے وہ زنجیر اتاری اور سلطان کے آگے کر دی۔ اچھا تو

بھر یہ تم لے لو ہلکے بھری طرف سے اپنی ملکہ کو یہ تھو دے دینا۔۔۔۔۔ سلطان مٹی ہا چھیں خوشی سے کھل گئیں۔

جی بڑی مہربانی بی بی۔۔۔۔۔ وہ دیکھے گی تو بڑی خوش ہو جائے گی۔ سلطان نے اس کے ہاتھ سے وہ زنجیر لے لی۔

سلطان کو وہ زنجیر پکڑاتے وقت اس نے آخری بار اس کے کندھے کو چھوا جو سونے کا تھا اسے ٹھنڈک سی محسوس ہوئی۔ یہ قہر نسب کی آخری نشانی تھی اس وادی کی آخری یاد تھی اس کے پاس۔ مگر اب وہ سلطان کو دے چکی تھی اب سوچنے سے کیا فائدہ تھا۔

اگلے دن اسے جو تھو ملا وہ اس کی توقع کے اس قدر خلاف تھا کہ ایک ہل کو وہ ڈر گئی کون تھا جو اسے اتنا جانتا تھا۔ پہلے سفید گلدستے میں ایک نیلا پھول اور اب یہ۔ وہ ضرور کوئی بھیدی تھا ورنہ ماروی کو اس کی پسند کون یاد دلا سکتا تھا۔

وہ سنگ مرمر سے تراشا ہوا سفید تاج محل تھا جس کا سائز 16 انچ کے نیلی ڈیشن کے برابر تھا۔ کاغذ ہٹاتے ہی اس کی آنکھوں میں روشنی سی بھر گیا۔ چونکدار بابا کا چھوٹا لڑکا وہ پیکٹ کھلا ہوا تاج محل اس کے کمرے میں دے گیا تھا۔ ماروی نے جیسے ہی اسے دیکھا اس کا اندر کا سانس اندر اور باہر کا باہر رہ گیا۔ انیتا بھی اپنے بستر پر بیٹھی نکر نکر اس عمارت کو دیکھ رہی تھی۔

اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔ آگے بڑھ کر اس نے سائیز پر مگے ایک کاغذ کے پرزے کو اٹھا کر پڑھا لکھا تھا اسفند یار۔۔۔۔۔ مان لو ماروی کہ اسفند تمہارے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا ہے تمہارے پسندیدہ رنگ کے پھول اور اب تمہاری پسند کی یہ عمارت۔ لگتا ہے وہ جہنمیں بہت قریب سے جانتا ہے۔۔۔۔۔ مگر حیرت ہے کہ سامنے نہیں آتا۔

مجھے حیرت اسی بات پر ہے کہ وہ یہ سب کیسے جانتا ہے۔ ماروی کی نظریں مسلسل اس عمارت پر جمیں حقیقت تو یہ تھی کہ اس مازل پر سے نظریں ہٹانے کو دل ہی نہ چاہ رہا تھا۔ اس دن سے اس نے سنجیدگی سے اسفند کے بارے میں سوچا اس کا خط نکال کر کئی

ہاڑ پڑھا۔ جس میں صاف لکھا تھا کہ وہ اس سے مل نہیں سکتا۔ کیا مجبوری ہو سکتی تھی یہ بات اس نے کئی بار سوچی آفس کے خارجہ اوقات میں بھی اس کا ذہن انہی خیالات میں اڑھتا رہا۔ ہاسٹل واپس آئی تو انیتا کے پاس ایک خط موجود تھا۔

ابھی ابھی تمہارے لیے آیا ہے۔۔۔۔۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اسفند کا ہے۔۔۔۔۔
جلدی کھولو۔۔۔۔۔ وہ بے چینی سے بولی۔

مگر صہیں یقین کیسے ہے۔۔۔۔۔ وہ لفافہ چاک کرتے ہوئے بولی۔
مچھلی ہار بھی یہی لفافہ آیا تھا۔ سفید لفافہ جس کے کونے میں دو چھوٹے چھوٹے نیلے ستارے ہوئے تھے۔ ماروی نے خط پڑھنا شروع کیا۔
میں ماروی۔۔۔۔۔

جانتا ہوں جو تھو آپ کو بھیجا ہے آپ اس کی قدر کریں گی۔ یہ محبت کی یادگار غارت ہے اور مجھے بے حد پسند ہے۔ نہیں معلوم آپ کو پسند ہے یا نہیں۔ بس یہ مت سوچئے گا کہ یہ کسی کا مقبرہ ہے۔ بلکہ یہ کسی کی حسین خواہش کا حسین عملی جامہ ہے۔
ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ آپ اتنی اداس کیوں رہتی ہیں آپ کا غم میرے دل کو بہت جلاتا ہے۔ کاش میں آپ کے ہر دکھ کو اپنی باہوں میں سیٹ کر امر ہونے کی طاقت رکھتا مگر مجبور ہوں میں آپ کے لائق نہیں ہوں۔ آپ میں اور مجھ میں زمین آسمان کا فرق ہے میری دنیا تنگ دلوں اور تنگ دستوں کی دنیا ہے اور آپ قدرت فطرت محبت اور پاکیزگی سے گندھا ہوا سمندر۔۔۔۔۔ یقین مایہ اس دل کو رواہتی پن سے نفرت تھی آپ کی محبت میں میں اس قدر رواہتی ہو جاؤں گا اگر پتہ ہوتا تو زندگی کا پہلا کام ہی آپ کی پرستش ہوتا۔

اسفند یار
۱۔۔۔۔۔ ماروی۔۔۔۔۔ یہ جلد تو سیرین ہو گیا۔۔۔۔۔ انیتا خط سن کر حیرت سے بولی۔
لیکن انیتا وہ مجھے اسنے قریب سے کیسے جانتا ہے۔ میں خوش ہوں یاد دہی اسے کیسے پتہ چل جاتا ہے۔۔۔۔۔ انیتا یہ تو مجھے ڈرائے دے رہا ہے۔۔۔۔۔ ماروی کی انہی سوچوں میں انیتا بھی شامل تھی۔

ایک دن سے اس نے اپنے ارد گرد پر سختی سے نظر رکھنا شروع کی یہاں کسی آنکھ
 زمین کوئی چمک دیکھ سکے کسی نظر میں کوئی کہانی نہ کر۔ پہچان لے مگر وہ کامیاب نہ ہو سکی۔
 وہ اسفند کو ڈھونڈنا چاہتی تھی روبرو بیٹھ کر اس کی وہ باتیں سننا چاہتی تھی جو وہ خط
 میں لکھتا تھا۔

ماروی غیر محسوس انداز میں بہت وقت اس کے بارے میں سوچنے لگی مگر اس کا
 ذہن الجھتا جاتا اس نے کیوں لکھا تھا کہ وہ ماروی کے قابل نہیں ہے۔ ماروی اس کے خط
 کئی بار پڑھ چکی تھی اور کئی بار خوش ہوئی تھی کہ زندگی میں کوئی ہے جو اس کے لئے سوچتا ہے
 اس کے بارے میں اپنے دل میں کچھ رکھتا ہے۔

ایک دن انیتا اسے شاپنگ کے لیے مارکیٹ لے گئی ماروی ملک صاحب کے
 کہنے کے مطابق ہاسٹل سے زیادہ دور جانا نہیں چاہتی تھی لیکن انیتا کو وہ کئی دن سے انکار کر
 رہی تھی اس کے پاس اب کوئی بہانہ بھی نہ تھا سو مجبوراً اسے اس کے ساتھ آنا پڑا۔
 انیتا کے گھلے کی سونے کی چین ٹوٹ گئی تھی وہ دونوں ایک جیولری کی دکان میں
 داخل ہوئیں چین دینے کے بعد انیتا دکان کے مالک سے سونے کے ریٹ کے بارے
 میں بات کر رہی تھی کہ ماروی کی نظر سامنے پڑی ایک انگوٹھی پر جا گئی۔

نیلا رنگ شائیدہ وہ نیلم تھا سونے کی انگوٹھی میں بہت حسین نیلم سے آرائش کی گئی
 تھی۔ ایسی کہ ماروی نظر ہٹانا بھول گئی۔ وہ اس کا دل کاٹ چکا تو وہ کاندھ سے ماروی نے
 وہ انگوٹھی نکالنے کو کہا۔ دوکاندار نے انگوٹھی نکال کر اس کے آگے کر دی۔

ماروی نے الٹ پلٹ کر دیکھی انگلی میں ڈال کر جب اس نے ہاتھ سامنے کیا تو
 دکان میں موجود بے شمار روشنیوں میں اس کا ہاتھ سب مرمر سے زیادہ چمک اٹھا اس
 انگوٹھی نے اس کے ہاتھ کو سجاد یا تھا یا اس کے ہاتھ نے اس انگوٹھی کو یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا
 تھا۔

کیا قیمت ہوگی اس کی۔ ماروی نے سادگی سے سوال کیا۔ دوکاندار نے جو قیمت
 بتائی وہ اس کی پہنچ سے باہر تھی۔ سونے کی قیمت بہت زیادہ تھی۔ زندگی میں پہلی بار ماروی
 کو پیسے کی اہمیت کا احساس ہوا۔ اگر اس کے پاس اتنے پیسے ہوتے تو وہ ایک پل لگائے

بہنیر وہ انگوٹھی خیر لیتی۔ اس نے انگوٹھی واپس کر دی انبیاء کی جین جڑ چکی تھی وہ پہیے انہیں
 حصار کا باہر کل آئیں۔

آئی ایم سوری ماروی۔۔۔۔۔ باہر نکلتے ہی اذیتا نے ہولے سے ماروی سے کہا۔
 جگ اگر میرے پاس اتنے پیسے ہوتے تو میں پیچھے کی فکر کے بغیر وہ انگوٹھی تمہیں لے دیتی
 ۔۔۔۔۔ مجھے پتہ ہے تمہیں سونے کی انگوٹھی سے زیادہ اس میں لگے نیلم attract کیا
 تھا۔

جواب دیا۔

بھئی لا پرواہ طبیعت سے تو واقف ہوں۔۔۔ ماروی نے مسکرا کر

کہا۔۔۔ میں دو تواجھی لگ رہی تھی۔۔۔ مگر میں اتنی سہلی چیز کی

لیکن دل میں وہ ٹھان چکی تھی کہ تنخواہ ملتے ہی وہ اسے ضرور خرید لے گی۔
 اگلے ہی دن اسے ایک چھوٹا سا پارسل ملا۔ وہ جانے کے لئے بالکل تیار کھڑی
 تھی۔ خاکی رنگ کے لفافے کو کالے رنگ کی ٹیپ سے بڑے بڑے ڈھنگے طریقے سے
 باندھ رکھا تھا۔ ماروی نے بڑی مشکل سے اسے کھولا باہر اسفند کا نام وہ پہلے ہی پڑھ چکی
 تھی۔ اندر سے جو چیز برآمد ہوئی وہ ماروی کو ڈرانے کو کافی تھی ماروی کے منہ سے ہلکی سے
 جھج بھی نکلی۔ انیتا اس کی آواز سن کر دوش روم سے باہر آ گئی تھی۔

کیا ہوا۔ اس بنے ماروی کو دیکھا جس وقت انداز میں بیٹھ پر پڑی کسی چیز کو کھور رہی تھی اس نے نظر ڈالی اور حیرت سے آگے بڑھ کر دماغ کو غصی اٹھالی۔

یہ تو۔۔۔ یہ تو وہی ہے۔۔۔ کہاں ہے آلی کون لایا۔۔۔ اُمیتا بے یقینی سے اسے الٹ پلٹ رہی تھی۔ ہاں۔۔۔ ماروی کے منہ سے نکلا۔

کہیں اس فن نے تو۔۔۔ انیتا نے اندازے سے Guess کیا جو ٹھیک تھا۔
ہاں۔۔۔۔۔ ہاں انیتا۔۔۔۔۔ وہ کل ہمارے ساتھ تھا وہیں۔۔۔۔۔ ماد کیسٹ میں۔۔

یاد کرو انیتا۔۔۔ یاد کرو جب ہم انگوٹھی دیکھ رہے تھے تو۔۔۔ ماروی بے چہری سے ہاتھ ملتی ہوئی بولی۔ انگوٹھی انیتا کے ہاتھ میں تھی۔

لیکن میں نے تو دوکان سے باہر دیکھا ہی نہیں تھا۔۔۔۔۔ وہ سادگی سے بولی تھی۔

دیکھا تو میں نے بھی نہیں تھا۔۔۔۔ اور کیوں نہیں دیکھا تھا۔۔۔۔ وہ ہاتھ پر ہاتھ مار کر جھنجھلا کر بول اٹھی۔

آئیڈیا۔۔۔۔ انیتا نے چٹکل بجا کر کہا ماروی نے اسے دیکھا تو وہ چند لمبے رک گئی۔

اتم اس کے بارے میں جاننا چاہتی ہوتا کہ وہ کیسا ہے۔

ہاں۔۔۔۔ ماروی نے اثبات میں سر ہلایا

تو چلو یار۔۔۔۔ یہ بالکل وہی انگوٹھی ہے اس دوکان والے سے جس نے خریدی ہم اس کے بارے میں اس دوکان والے سے تو پوچھ گئے ہیں کہ کیسا تھا کون تھا۔ کچھ نہیں تو حلیہ تو پتا چلے گا۔

پھر ہم دیکھ لیں گے کہ آپ کے یہ عاشق میاں کتنے پانی میں ہیں۔ ہماری چاندی ماروی کے قابل بھی ہیں یا نہیں۔ انیتا خوشگوار مسکراہٹ کے ساتھ اپنے بال تولیے سے خشک کرتی ہوئی بولی۔ چلو پھر۔۔۔۔ ماروی جلدی سے بولی۔

ابھی۔۔۔۔ ابھی تو نو بجے ہیں انیتا نے حیرت سے کہا ماروی جھینپ گئی اس نے اٹھیا سے انگوٹھی اسی کاغذ میں لپیٹ کر سنبھال دی۔ یادیں اور نشانیاں بڑھتی جا رہی تھیں نہ جانے کوئی منزل کا تعین کرنے والی تھیں نہ جانے اسے ڈرنا چاہیے تھا یا خوش ہونا چاہیے تھا ہمیشہ سے بے یقینی کی ناؤ میں غوطے لگاتی ماروی بازار کھلنے کے انتظار میں اپنے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

دوکاندار سے ماروی نے انگوٹھی کے بارے میں سوال کیا اس کی نظریں شوکیں پر تھیں جہاں وہ انگوٹھی کل تھی آج نہیں تھی۔

وہ تو کل ہی بک گئی میڈم۔۔۔۔ دوکاندار نے ادب سے جواب دیا۔

کس نے خریدی۔۔۔۔ انیتا نے سوال کر ڈالا۔

کیوں میڈم کوئی خاص بات۔۔۔۔ دوکاندار نے پھر مسودہ ہانہ انداز میں پوچھا۔

نہیں تو۔۔۔۔ بس میں وہ خریدنا چاہتی تھی۔۔۔۔ ماروی جلدی سے بولی۔

تو میڈم ہم آپ کو بالکل ویسی ہی اور ہزا دیتے ہیں۔ آپ آرڈر نکھوادیں

را۔ ماروی کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دے کہ انیتا بول اٹھی ۔۔۔ ہمیں دراصل کچھ دیر بعد ہم شہر سے باہر جا رہے ہیں۔ ہمیں بس وہی چاہیے تھی۔ کیا آپ خریدنے والے کا ایڈریس بتا سکتے ہیں۔ سنیتا نے شاطرانہ انداز میں لا پر واہی سے پوچھا۔

No میڈم ہمارے پاس نئے کسٹمرز کا ایڈریس نہیں ہوتا۔ جہاں تک اس انگوشی کا تعلق ہے تو مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ یہ کس نے لی ہے لیکن نہ تو اس کا ایڈریس ہے نہ فون نمبر۔۔۔ وہ کچھ عجیب سا شخص تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے آپ لوگوں کے جانے کے فوراً بعد وہ آ گیا تھا۔۔۔ اور مجھ سے کہنے لگا کہ بی بی نے کیا پسند کیا ہے۔۔۔ اس نے ماروی کی طرف اشارہ کر کے کہا تو ایک بل کماروی شرمندہ ہو گئی مگر اسے ابھی پوری بات سننی تھی۔ میں نے وہ انگوشی اسے دکھائی تو اس نے وہ خرید لی۔ دوکاندار کا لہجہ ذومعنی ہو گیا تھا ماروی کو اس کا لہجہ برا لگا۔

یہ تو آپ نے بروہی عجیب بات بتائی ہے اب تو اس کے بارے میں جاننا اور زیادہ ضروری ہو گیا ہے۔۔۔ آپ اس کا حلیہ تو بتائیے۔۔۔ اخیانے بھی فحشائی میں حد کر دی تھی۔

جی وہ کوئی چھ فٹ کا چوڑے شانوں والا نہایت کالے رنگ کا آدمی تھا۔۔۔۔۔
آف داکٹ جیلوار قمیض تھی۔ ہاتھ میں ایک انگلی پکڑی ہوئی تھی۔ وہ بول رہا تھا اور کانے
رنگ سے نہ جانے کیوں ماروی کے ذہن میں صرف سلطان کا چہرہ مگھم گیا۔
سلطان۔۔۔۔۔ وہ جب باہر آئی تو اس کی زبان سے نکلا۔

سلطان کون سلطان۔۔۔۔۔ انیتا نے حیرت سے پوچھا۔
وہی آلو چھو لے وال۔۔۔۔۔ جو ہاٹل کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ میں نے تمہیں
بتایا تھا جو پہلے فقیر تھا۔۔۔۔۔ ماروی حیرت سے بول رہی تھی۔

وہ سنگ مرمر کا ماڈل اور اس قدر حسین پھول جیسے بھیج سکتا ہے۔ ایک ان پڑھ جاٹل سے تم کیسے توقع کر سکتی ہو۔ اور پھر اسفند کی تحریر دیکھی ہے۔ جیسے کاغذ پر موتی بکھیر دیے ہو۔

اور اس کے لفظ اس کی سوچ اس کی باتیں۔۔۔۔۔ پلیز۔۔۔۔۔ وہ تو کافی پڑھا لکھا لگتا ہے۔ اسے فقیر سے تو مت ملاؤ ایک گھٹیا قسم کے آدمی سے۔۔۔۔۔ انیتا روانی سے بول رہی تھی۔

نہیں انیتا ایسا مت کہو۔۔۔۔۔ اس کا چہرہ بے شک کالا ہے مگر اس کا دل تو اجلا ہوگا ہاں کل خیرے اور تمہارے دل کی طرح۔ اس کے دل میں بھی وہی خواہشیں آتی ہوں گی جو سب کے دل میں آتی ہیں کسی کو چاہنے کی کسی کو پانے کی وہ بھی اپنے اسی دل سے اسی خدا کو یاد کرتا ہوگا جس سے میں تم یا ہم سب کرتے ہیں۔ ماروی بات کو بہت دور لے گئی۔

اچھا بس فلسفہ مت جھاڑو۔۔۔۔۔ مجھے ان باتوں سے دلچسپی نہیں ہے۔ حیرت اس بات پر ہے۔

کہ تمہارے ذہن میں سلطان کیسے آ گیا۔ دنیا میں ایک اسی کا کالا رنگ نہیں ہے۔ وہ سواری کی تلاش میں نظر دوڑاتی ہوئی بولی۔

ہاں یہ تو ہے۔ سلطان تو واقعی ایک ان پڑھا انسان ہے۔ میں اسے جانتی ہوں۔ ویسے بھی وہ تو ملکہ کا دیوانہ ہے۔۔۔۔۔ وہ ہولے سے ہنسی اس کی ہنسی میں نہ جانے کیوں دیکھ ساسٹ آیا۔

لیکن ایک بات ہے جو حلیہ و کاندار نے بتایا اس کو سن کر تو اچھا ہی ہے کہ اسفند ہم سے نہ ملے ہیں تو اس شخص کو ٹیل قرار دیتی ہوں۔ صحیح کہتا ہے کہ تمہارے قابل نہیں ہے۔

انیتا کی صحیح بات کا ماروی کوئی جواب نہ دے سکی تھوڑی دیر میں وہ ہاسٹل واپس پہنچ گئیں۔

اسفند کے خط برابر آتے رہے۔ وہ اکثر ایسی باتیں کر جاتا جو ماروی کو حیران کر دیتیں۔ مگر آہستہ آہستہ ماروی ان خطوں کی عادی ہوتی جا رہی تھی۔ اگر اس کا خط کچھ دن نہ آتا تو وہ بے کل ہی رہتی۔ انیتا نے ان خطوں میں دلچسپی لینی بند کر دی تھی۔ ماروی اس کی باتوں سے اکثر خوشی کشید کرتی رہی اس طرح اس نے اپنے خوش رہنے کا طریقہ ڈھونڈ لیا تھا۔ منزل اور انجام کی پروا وہ کیے بغیر اسفند اس کی زندگی میں ہولے ہولے داخل ہو چکا تھا۔

سلطان بھی اب کبھی کبھی ہی نظر آتا تھا اس نے بات کرنے کا زیادہ موقع بھی نہ ملتا تھا انیتا کو آئے بھی دو ماہ ہو چلے تھے ماروی کو بس ہر صبح اسفند کے خط کا انتظار رہتا رہ ماروی کی شان میں قصیدے لکھتا کبھی پھولوں کی باتیں کرتا کبھی چاندنی رات کے قہصے سناتا اور کبھی بھنڈی ہواؤں کی راجنی کا تا کبھی بھٹاؤں کی کہانیاں ہوتیں اور کبھی سمندروں کی روانی سے دل بہلاتا اس کا ہر خط ایک نئی کہانی ہوتا اس کا انداز بیان اس قدر خوبصورت تھا کہ ماروی ایک ہل کو ہی سہی خوشی سے نہال ضرور ہو جاتی تھی مگر اس سے نہ ملنے سے بے چین بھی رہتی تھی۔

ایک رات جب موسلا دھار بارش پڑ رہی تھی اندازہ یہی تھا کہ یہ بارش سردی کو اور بڑھا دے گی۔ انیتا جو بستر میں دیکھی سوئچ پھلیاں کھا رہی تھی ابھی چند دن پہلے ہی اس نے ایک کلرٹی وی لاکر کمرے میں رکھ چھوڑا تھا وی کے پروگرام سے لطف اندوز بھی ہو رہی تھی لیکن دھن دھن سنا کر ماروی کو بھی نوک دیتی جو پچھلے آدھے گھنٹے سے کھڑکی کھولے گرم شال جسم سے لپیٹے بارش سے لطف اندوز ہو رہی تھی ماروی نے سکرا کر انیتا کے کسی سوال کا جواب دیا ایک نظر ٹی وی پر ڈالی اور دوبارہ باہر دیکھنے لگی ایسے میں اسے سامنے باغ کے ایک کونے میں ایک بڑی ہی پونلی پڑی نظر آئی۔ اس نے مزید غور کیا تو اسے محسوس ہوا کہ دو آنکھیں اس کی طرف اٹھی ہوئی ہیں۔ باغ کی روشنی قدرے مدھم تھی اس نے چند لمحوں میں ہی پونلی میں حرکت سی ہوئی محسوس کر لی وہ یقیناً کوئی انسان ہی تھا جو سردی کی بارش میں ٹھنڈ رہا تھا ہمدردی سے ماروی کا دل بھر گیا۔ اس لمحے تو اس نے خود پر شکر بھیجا کہ پرانی ہی سہی اسے سر چھپانے کو ہاسٹل کی چھت تو میسر ہے مگر نہ لوگوں کو تو گرم سرد سے بچنے کو چھت بھی میسر نہیں ہوتی۔

انیتا۔۔۔ دیکھو۔۔۔ ماروی نے پاٹ کر اسے پکارا۔

کیا ہے۔۔۔ انیتا نے اچک کر اسے دیکھا۔

سامنے کوئی ہے جو بارش میں بھیگ رہا ہے۔ وہ حیرت سے بولی۔

تو بھیگنے دو تمہارا کیا جا رہا ہے۔ اب کے انیتا بے زاری سے سوئچ پھلی منہ میں

رکھتے ہوئے بولی۔

ماروی نے بڑ کر اس کی طرف دیکھا۔۔۔۔۔ کس قدر سنگ دل ہوئی۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ اس میں سنگ دلی والی کیا بات ہے۔۔۔۔۔ اپنے کمرے میں تو لانے سے رہے

۔۔۔۔۔ وہ ہنک کر بولی۔۔۔۔۔

ہاں ٹھیک ہے لیکن نیچے میڑھیوں کے پاس خالی جگہ پڑی ہے اسے وہاں بٹھایا جا

سکتا ہے۔ ماروی ارادہ پاندھتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھی۔

مگر ایسے لوگ تخریب کار ہوتے ہیں۔ انیتا اچانک ڈرانے والے لہجے میں

لا پرواہی سے بولی تھی۔

وہ بچا رہ غریب کوئی بوزھا آدمی لگ رہا ہے۔۔۔۔۔ ماروی اپنے اندازے سے

بولی۔۔۔۔۔ اور اب تم یہ مت کہنا شروع کر دینا کہ وہ ہم رکھنے آیا ہے۔۔۔۔۔ ماروی نے

دروازہ کھولا ہی تھا کہ انیتا پھر بول اٹھی اور نہیں تو کیا۔۔۔۔۔ اگر وہ ہم رکھ گیا تو۔۔۔۔۔ ہم تو

مگے۔

شٹ اپ۔۔۔۔۔ ماروی انیتا کی گول گول گھومتی آنکھوں سے محسوس کر گئی کہ انیتا

اس کی مہربان طبیعت کا مذاق اڑا رہی ہے لیکن وہ اسے نظر انداز کر گئی وہ دہائی کرنا چاہتی تھی

جو اس کا دل کہہ رہا تھا۔

اس نے سوچا تھا کہ چونکہ اربابا سے اس آدمی کو اندر بلوائے گی مگر میٹ بھی بند تھا

اور چونکہ ارباب بھی موجود نہیں تھا۔ ماروی نے ادھر ادھر نظر دوڑائی مگر بابا کہیں نظر نہ آیا۔ ادھر

بارش مسلسل بڑھ رہی تھی اس قدر شدت تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ بھائی نہ دے رہا تھا ماروی دل

میں سوچ سوچ کر دنگی ہو رہی تھی کہ وہ جو بھی تھا بارش اور سردی میں ٹھہر رہا ہوگا۔ اچانک

ہی ماروی نے بارش کی پرواہ نہ کرتے ہوئے خود میٹ کھولا اور باہر نکل آئی۔ تیز بارش نے

اسے فوراً بھگونا شروع کر دیا وہ سڑک پار کر کے بمشکل اندھیرے کو چیرتی اس شخص تک پہنچی

پہلی نظر میں ہی ماروی نے اس کا جائزہ لے لیا تھا۔ وہ ایک ادھیڑ عمر انسان تھا ستراسی سے

کم کسی صورت نہ تھا اس کی ہنسیوں تک عجیب ہو چکی تھیں۔ کچھڑی سفید اور کچھ کالے بالوں

اور بے ہتھم سی داڑھی میں وہ عجیب و غریب لگ رہا تھا۔ کچھ بارش نے حلیہ بگاڑ رکھا تھا

جام حالات میں تو ماروی اس سے ڈر سکتی تھی لیکن اس نے دل کڑا کر کے اس کو پکارا "بابا"

۔۔۔ اس آدمی نے پلاسٹک کے چھوٹے سے ٹکڑے سے خود کو بارش سے بچا رکھا تھا جب کہ بڑی سی کالی چادر مکمل طور پر پانی سے بھیگ چکی تھی جو اس نے اوڑھ رکھی تھی۔
 ”بابا۔۔۔ اٹھو بابا“ ماروی نے تقریباً چیخ کر کہا بارش کے شور میں آواز سنائی نہ دے رہی تھی اس نے بمشکل اپنی آنکھیں کھولیں اور ماروی کی طرف چند ہیاتی آنکھوں سے دیکھا۔

بابا اٹھو بابا۔ یہاں بارش ہو رہی ہے۔۔۔۔۔ مائے کی جگہ پر آ جاؤ۔
 شاید وہ ٹھیک سے ماروی کی بات نہ سن سکا اس لئے اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ ماروی پوری پانی میں بھیگ چکی تھی اس نے بابا کو ہارو سے پکڑا اور اسے تقریباً کھینچتی ہوئی ہاسٹل کے گیٹ تک لائے میں کا حساب ہو گئی۔ وہ ہانپ سی گئی ایک جگہ بیٹھ کر اس آدمی نے اپنے منہ پر ڈھکا ہوا پلاسٹک کا ٹکڑا ہٹا دیا ماروی کو اس کے کچھڑی بالوں اور کچھڑی بازو سے ڈر سا لگا مگر وہ دل کڑا کر کے بولی۔

وہاں کیوں بھیگ رہے تھے بابا اسی مائے میں کیوں نہیں بیٹھے۔ ماروی نے چادر جھٹک کر دوبارہ اوڑھی اور بالوں پر ہاتھ پھیرا اس کا سارا چہرہ پانی میں تر تھا اسے سردی لگنے لگی تھی۔

سایہ۔۔۔ کہاں ہے سایہ۔۔۔ وہ اپنی کھٹی ہوئی آنکھوں میں بولا تھا۔
 آنکھیں کھول کر دیکھو بابا۔۔۔ میں تمہیں یہاں برآمدے میں بے آئی ہوں۔
 یہاں سایہ ہے۔۔۔ اچھا۔۔۔ سایہ ہے۔۔۔ وہ آنکھیں چندھیا کر بولا۔

ہاں بابا۔۔۔ تم بہت بھیگ گئے ہو۔۔۔ میں تمہارے لئے چادر لاتی ہوں۔
 ماروی فوراً اوپر گئی اور اپنی نئی شال انیتا کے منہ پر کرنے کے باوجود اٹھ لائی۔
 ”اسے ایڑے لٹو بابا“

بابر ہارش بلکی ہو گئی تھی چوکیدار بابا بھی آ گیا۔ ماروی نے اسے بتا دیا کہ وہ بابا ہارش میں بھیگ رہا تھا۔ ایسے میں بابا بیچ میں بول اٹھا۔ اب چلتا ہوں۔۔۔ دیر آجائے گی۔

مگر بابا احم نے یہ نہیں بتایا کہ تم اتنی ہارش میں گھر سے باہر کیوں نکلے تھے۔ کیا تمہارے گھر والوں نے تمہیں نہیں روکا۔۔۔۔۔ یا کوئی کام تھا ماروی نے ملاحت سے پوچھا۔

میرا کوئی نہیں ہے۔۔۔۔۔ گھر سے پریشان ہو کر نکلا تھا۔۔۔۔۔ دل کو چین نہیں آ رہا تھا چاند جو نظر نہیں آیا تھا۔ اسی لیے بارش میں نکل آیا۔۔۔۔۔
مگر آسمان پر چاند نہیں نکلا بابا۔۔۔۔۔ ماروی بے نادہی سے بولی اس کی باتیں جو عجیب تھیں۔

ہاں آسمان پر نہیں ہے۔۔۔۔۔ مگر میری جھولی میں تو ہے۔۔۔۔۔ بابا! اپنی جھولی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا، اس کا انداز پاگلوں والا تھا۔

ماروی بیٹی مجھے تو یہ کوئی سنی بڑھا لگتا ہے، بارش ختم چکی ہے اسے جانے دو۔۔۔۔۔ چوکیدار نے ماروی کے کان میں سرگوشی کی۔

اچھا میں چلتا ہوں۔۔۔ کیا یہ چادر لے جاؤں؟۔۔۔ بڑی سردی لگ رہی ہے۔۔۔ شاید مجھے یہی پناہ دے دے، اس نے اجازت طلب کی۔

ہاں بابا لے جاؤ تمہارے لیے ہی تو اوپر سے لائی تھی، مادیوی اپنی اس خلی چادر کو دیکھتی ہوئی بولی جو اس نے دو دن پہلے ہی تنخواہ ملنے پر خریدی تھی۔ مگر اب وہ اسے بابا کے حوالے کر چکی تھی۔

بابا لاشی ٹیکتا آہستہ آہستہ سرگ پر چلتا ہوا اندھیرے میں گم ہو گیا اور ماروی اپنے
کمرے میں آگئی، اذیتا نے اس کی اس رحم دلی پر اسے دو چار باتیں بھی سنائیں مگر ماروی
خاموش رہی۔۔۔۔۔ وہ اپنی ملن سارا اور دوسروں پر ٹھخا اور ہو جانے والی طبیعت سے مجبور
تھی۔

چند دن بعد انیتا نے اسے ایک اور اشتہار دکھایا۔

بس بی بی اس کہیں نہیں جاؤں گی۔۔۔ ہرگز نہیں جاؤں گی۔۔۔ ماروی جو اپنے کپڑے استری کر رہی تھی تنک کر بولی۔

کون زبردستی کر رہا ہے، مگر دیکھ تولو۔۔۔ انیتا اخبار لے کر اس کے قریب آ بیٹھی۔

پھر ہنگامہ اور پھر گاڑی کی آفر۔۔۔ اور پھر تین گنا تنخواہ۔۔۔ ماروی اخبار دیکھتی ہوئی بولی۔

انیتا اونچی آواز میں اشتہار پڑھنے لگی۔ فی زید انڈسٹریز کو اپنے گھر ایک بچی کی دیکھ بھال کے لیے میچر کم گورنس کی ضرورت ہے، رہائش بچی کے ساتھ ہوگی ضرورت پر چھٹی مل سکتی ہے۔ بہترین تنخواہ کے علاوہ کھانا اور رہائش مفت۔

مجھے نہ تو رہائش کا مسئلہ ہے نہ پیسوں کی ضرورت، رہائش کے تھوڑی دور آفس ہے آنے جانے کا بھی کوئی مسئلہ نہیں۔ اس لیے یہ سب میری ضرورت کو کافی ہے، جب ضرورت پڑھے گی تب ہاتھ پاؤں ماروں گی، ماروی بولی اور اٹھ کر اپنے کپڑے الماری میں رکھنے کے لیے مڑ گئی۔

انیتا نے بھی شاید اس لیے زور نہیں دیا کہ اس کی وجہ سے کچھ دن پہلے ماروی ایک بڑے خبریے سے گزر چکی تھی۔

☆☆☆

اگلے دن آفس سے واپسی پر وہ ہو گیا جس کا تصور ہی ماروی کو ہولا دیتا تھا وہ گاؤں کا اچھا خاصا بااثر آدمی بہادر خان تھا۔ وہ بہادر خان جسے ماروی اور وہ ماروی کو اچھی طرح جانتا تھا۔

ماروی بس کے دروازے پر تھی کہ ایک گاڑی اس کے بہت قریب آ کر رکی، ماروی نے بس میں بیٹھنے کے بعد غیر ارادی طور پر اس کی طرف دیکھا تو اس کا سانس الٹ پلٹ ہونے لگا، خیر ہوئی کہ بس چل پڑی تھی دونوں نے ایک دوسرے کو واضح طور پر دیکھا تھا۔ بہادر خان کی سرخ آنکھیں ماروی کو ذرا جھکی تھیں۔ وہ اس کی برادری کی تھی اور بہادر

خان کئی بار ماروی سے ایسی بات کر چکا تھا جو ماروی کو جی جان سے جلا دیتی تھی۔ ماروی ہمیشہ اس سے کئی کترا جاتی تھی حتیٰ کہ بہادر خان نے ایک بار اس سے شادی کا ارادہ بھی ظاہر کیا تھا۔ مگر ماروی اس کے منہ پر تھپڑ رسید کر چکی تھی۔ بہادر خان شاید اس کی تلاش میں اس شہر میں آ گیا تھا۔ اسے موقع مل رہا تھا کہ وہ ہر بدلہ اتار لیتا۔ ماروی نے خوف کے مارے اپنے دوپٹے کو اچھی طرح اپنے چہرے پر لپیٹ لیا تھا۔

وہ ہاسٹل کے قریب اتری تو سرخ گاڑی کو دور سے آتے ہوئے دیکھ لیا۔ ماروی کا دل ایک ہل میں کئی بار دھڑکا، اس نے ہاسٹل کا رخ کرنے کے بجائے اس کی پچھلی سائیڈ کا رخ کیا۔ وہ ان گلیوں سے واقف نہیں تھی۔ مگر بہادر خان اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ اس لیے اس نے ایک بالکل انجان گلی کا رخ کیا۔ آخری مکان کے برابر والا پلاٹ خالی تھا۔ شام بڑھ رہی تھی۔ ماروی ایک کچی دیوار کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گئی۔ گلی میں اکا دکا لوگ گزر رہے تھے۔ ویسے بھی گلی کا اختتام تھا۔ ماروی کے آنسو گئی مار چل اٹھے، مگر وہ سختی سے اپنی آنکھوں کو مسل دیتی، وہ اس بارے میں سوچنا نہیں چاہ رہی تھی کہ اس پر کیا بیت رہی تھی۔ کیونکہ اگر وہ اس بارے میں سوچے گی تو پھوٹ پھوٹ کر رو دے گی۔ کہیں اس کی آواز کسی نے سن لی تو یہ دنیا کسی کا بھی ایک منٹ کے اندر تماشا بنانے میں ماہر ہوتی ہے۔

فریدہ کا چہرہ اس کی نظروں میں محوم کیا۔ حسب فریدہ چوہدری باپ کی بیٹی ہو کر نہ بچ سکی تھی۔ تو پھر ماروی تو ایک عام انسان تھی نہ باپ نہ ماں نہ بہن نہ بھائی۔ ایک ادا نور محمد اس کی ڈھال بنے لیے کس قدر ناکافی تھا اس بات کا احساس اسے ابھی طرح تھا۔ رات گہری ہوتی چلی گئی مگر ماروی کے دل سے ڈر ختم نہ ہوا۔ وہ تین گھنٹے سے اسی جگہ بیٹھی تھی۔ حلق سوکھ کر لکڑی بن گیا تھا۔ سردی کے موسم میں بھی پسینے میں شرابور تھی۔ اس کی آنکھیں رو رو کر سرخ ہو رہی تھیں۔ زندگی نے ایسا کڑا وقت بھی دکھانا تھا۔ کاش اپنی وادی میں ہی موت آ جاتی شہر کی اس اجنبی دنیا میں چوہدری تو نصیب نہ ہوتی۔

آخر کار وہ امت کر کے وہاں سے نکل آئی۔ خیال یہی تھا کہ بہادر خان تھک ہار کر واپس ہو چکا ہوگا، صبح سے بھوکی تھی۔ آفس میں کچھ کھانے کو دل نہ چاہا تھا۔ سوچا تھا کہ

ہاسل جا کر کھانا کھائے گی۔ مگر ہاسل کے بہائے یہاں آ پہنچی تھی۔

ڈر کے مارے اس سے سیدھا بھی کھڑا نہ ہوا گیا۔ بہت ہمت کر کے ہاسل تک آ پہنچی اس نے سوچ لیا تھا کہ اگر وہ اس ہل کمزور پڑ جائے گی تو اس کے ساتھ کچھ بھی ہو جائے گا۔ اسے خود کی حفاظت خود کرنی تھی۔ اگر وہ اس حفاظت میں ذرا کمزور پڑ گئی تو خود کو کھودینا لازمی امر تھا۔ اسی سوچ نے اس کے اندر توانائی بھری تھی وہ ہاسل کے گیٹ میں داخل ہو رہی تھی کہ ایک کارزنٹا نے کے ساتھ سڑک پر سے گزری۔ ماروی نے دہل کے پیچھے میز کر دیکھا۔

لال رنگ کی گاڑی بہت آگے جا چکی تھی۔ نہ جانے دل کو یقین سا ہو گیا کہ وہ بہادر خان کی گاڑی ہی تھی۔ کیا وہ لوگ ابھی تک اسے ڈھونڈ رہے تھے اور اب واپس گئے تھے۔ اگر وہ چند لمحوں کی بھی دیر کر دیتی تو اس کے آگے وہ سوچ بھی نہ سکی۔ باپھر ہاسل میں داخل ہوتے ہوئے اسے دیکھ لیتے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے بچا نہیں سکتی تھی۔ وہ بھاری قدموں سے اپنے کمرے میں داخل ہو گئی، انیتا نے اسے دیکھتے ہی چین کا سانس لیا۔

کہاں تھیں تم اس قدر دیر کر دی؟۔۔۔ انیتا اسے دیکھتے ہی بول اٹھی۔

ماروی خاموشی سے اپنے بند پر میٹھ گئی۔ اس کے چہرے پر اڑتی ہوئیاں اور اس کی غیر حالت دیکھ کر انیتا پانی کا گلاس بھر کر اس کے سامنے لے آئی۔ اسے پی لو، ماروی اور ٹھیک سے بیٹھو۔۔۔ انیتا ہمدردی سے بولی۔

ماروی غنا غٹ پانی کا گلاس پی گئی۔ چند لمحوں بعد اسے معاملے کی نزاکت کا احساس ہوا کہ اسے انیتا کو اپنی اس حالت کی وجہ بتانی تھی۔ وہ یہ ہرگز نہیں بتا سکتی تھی کہ گاؤں کا کوئی شخص اسے ڈھونڈ رہا تھا۔ اس لیے کہ انیتا اس کے کسی گاؤں والے کو نہیں جانتی تھی۔ انیتا ماروی کے کسی گاؤں یا گاؤں کے رشتے دار کو نہیں جانتی تھی۔ ماروی ذہن پر زور دینے لگی کہ وہ انیتا کو کیا بتائے۔

اب بولو ماروی اتنی پریشاں کیوں ہو۔۔۔ اور اتنی دیر کہاں لگا دی؟۔۔۔ میں تو بہت پریشان ہو گئی تھی۔ کئی چکر تو میں نے اسٹاپ تک لگائے تھے۔ مگر تمہارا کوئی پتہ ہی

نہیں تھا! انیتا ہمدردی سے پوچھنے لگی۔

ماروی نے سوچ سمجھ کر جواب دیا۔ وہ کچھ لوگ میرا پیچھا کر رہے تھے۔

کیا؟ کون لوگ تھے۔۔۔۔۔ انیتا آنکھیں پھاڑ کر بولی۔

میں نہیں جانتی۔۔۔۔۔ ہرگز بھی نہیں جانتی۔۔۔۔۔ پہلے انہوں نے مجھ سے بدتمیزی

کی پھر یہاں تک پیچھا کیا۔۔۔۔۔ ماروی کہانی گھڑنے میں کامیاب ہو گئی۔

کیا وہ ہاسٹل دیکھ گئے؟۔۔۔۔۔ انیتا بات کانٹے ہوئے بولی۔

نہیں۔۔۔۔۔ میں کچھلی سڑک پر چلی گئی تھی۔ وہاں میں جا کر چھپ گئی۔ وہ شاید

ڈھونڈ کر چلے گئے تو میں نکل آئی، ماروی نے بہت سارا چھوڑے سے جھوٹ کے ساتھ

بتا دیا۔

کیا!۔۔۔۔۔ تم پیچھے تھیں؟۔۔۔۔۔ انیتا حیرت سے بولی۔

ہاں۔۔۔۔۔ ماروی سنجیدہ لہجے میں بولی۔

مجھے پتہ ہوتا تو پولیس لے کر وہاں آ جاتی۔۔۔۔۔ انیتا غصے میں بولی۔

چھوڑو نا اب تو چلے گئے۔۔۔۔۔ ماروی پشت سے سرٹکا کر بولی۔

یہ تمہارا خیال ہے۔۔۔۔۔ یہ گھٹیا لوگ تھوڑے سے بھی اچھے نہیں ہوتے۔۔۔۔۔

انہوں نے تمہارا اسٹاپ دیکھ لیا ہے وہ پھر تمہیں تنگ کریں گے۔

تو۔۔۔۔۔ تو کیا کروں۔۔۔۔۔ ماروی کو یاد آیا کہ جس اسٹاپ پر اس نے بہادر

خان کو دیکھا تھا وہ ضرور دوبارہ ماروی کو وہیں ڈھونڈ لے گا۔ سردی کی ایک لہر ریزھ کی ہڈی

تک سرایت کرتی محسوس ہوئی۔

چند دن چھٹی کر لو۔۔۔۔۔ یا پھر انہیں ایسی کھری کھری سناؤ کہ وہ دوبارہ تمہارے

سامنے سے گزریں تو سر جھکا کر گزریں۔۔۔۔۔ انیتا تسلی آمیز لہجے میں بولی۔

ایسا ہی تو نہیں ہو سکتا۔۔۔۔۔ ماروی نے دل میں سوچا۔۔۔۔۔ پھر بولی "چند دن

چھٹی کر لیتی ہوں۔

ہاں چند دن میں بھول جائیں گے۔

بھول جائیں گے؟ ماروی نے اس کے الفاظ دہرائے اور سوچا کہ بہادر اسے نہیں

بھولے گا۔ اور روز وہاں آئے گا، نہ جانے کب مدد بھیجنے ہو جائے۔ اردو نے تھوک نکلنے ہوئے انتہا کو دیکھا۔

میں نے نوکری چھوڑ دوں گی، وہ ہولے سے بولی۔

دو بارہ پاس نہیں پھٹکیں گے۔۔۔ تم آرام سے چند دن کی چھٹی کر لو۔۔۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ورنہ مجھے ساتھ لے جانا میں ان کی کافی یاد دلاؤں گی۔۔۔ اگیتا مسکرا کر بولی۔

ماروی جبرامسکرائی۔

اچھا میں تمہارے لیے کھانا لاتی ہوں۔۔۔۔۔ انیتا اٹھ سی ہوئی بولی۔

ماروی اب اسے کیا بتاتی وہ اسے بھول ہی تو نہیں سکتے۔ اس نے دل ہی دل میں نوکری کو خدا حافظ کہا اور دیوار سے جھک لگائے اس خوف ناک سین کے بارے میں سوچنے لگی۔ اغیتا کے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر اسے وہی اخبار نظر آیا جس میں ایک اشتہار اغیتا کے کل ہی دکھایا تھا۔ ماروی کے ذہن میں بجلی سی کونہی اس نے اخبار اٹھا کر دوبارہ اس اشتہار پر نظر ڈالی جس کے گرد اغیتا نے سبز مار کر سے گول دائرہ بنا دیا تھا۔

انہی غزبنے لے کر کمرے میں داخل ہوئی، تو ماروکی نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

کس بات پر مسکرایا جا رہا ہے؟۔۔۔ وہ ٹرے اس کے ہاتھ میں رکھتی ہوئی بولی۔

ابن اشتہار پر۔۔۔۔۔ ماروی نے اخبار واپس ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

ارے ہاں۔۔۔۔ تو کیا ارادہ بن رہا ہے۔۔۔۔ اختیار دلچسپی سے برائی

ہاں۔۔۔ ہماروی نے لقمہ توڑتے ہوئے جواب دیا۔

ابھی بات ہے میں تو تمہارا دھیان دوبارہ اس کی طرف دلوانے والی تھی۔ اب دیکھو جنہیں خود ضرورت پڑ گئی نا۔۔۔ دیے بھی میں فی ٹیڈ انڈسٹریز کو تھوڑا بہت جانتی ہوں، کافی بڑے لوگ ہیں۔

مجھے بڑے چھوٹے سے کیا۔۔۔۔۔ ماروی لقمہ حلق سے اتارتے ہوئے بولی۔

میرے کہنے کا مطلب تھا کہ پتہ نہیں یہ نوکری تمہیں ملتی ہے یا نہیں ایسی نوکری

کے لیے تو بہت لوگ پیچھے ہوں گے۔

ثرائی کرنے میں کیا حرج ہے۔ میری قسمت اچھی ہوئی تو شاید مل جائے۔۔۔۔۔
اس طرح گھر سے نکلنے کا جھنجٹ ختم ہو جائے گا۔۔۔۔۔ ماروی پانی کا گلاس اٹھا کر بولی۔
میرے شوہران لوگوں کو جانتے ہیں۔ سبھی تو کل یہ اشتہار دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی،
کیونکہ ان کے گھر میں تو بے شمار نوکرائیاں ہیں بچی کے لیے ٹیچر کے اشتہار دینے کی کیا
ضرورت تھی پھر سوچا۔۔۔۔۔ مجھے کیا۔۔۔۔۔ جو مرضی کریں ویسے بھی یہ بہت بڑے لوگ
ہیں، بے شمار انڈسٹریز اور فیکٹریاں ہیں مگر سنا ہے کہ بہت مغرور لوگ ہیں ایک چھوٹی بچی
ہے شاید وہ بھی ٹی زید کی مالک ہی ہے میرا خیال ہے اسے ہی بچک کرنا ہوگا۔۔۔۔۔ انیتا شاید
تفصیل بتانے کے موڈ میں تھی۔

بچی کا ذکر سن کر ماروی کو اپنی اجالا، روشنی اور سرائی یاد آ گئیں۔ اس کے روشن
چہرے میں موجود روشن آنکھیں اس خیال سے ہی روشن ہو گئی تھیں۔
اسی رات اس نے ملک صاحب کو فون کر کے ساری حقیقت بتادی۔ تشویش انہیں
بھی تھی، مگر جب ماروی نے ٹی زید انڈسٹریز کے اس اشتہار کا ذکر کیا تو انہیں بھی یہ بات
مناسب لگی کیونکہ یہ اشتہار ملک صاحب کی نظر میں بھی تھا، ملک صاحب نے وعدہ کیا تھا
کہ اگر کسی وجہ سے اسے یہ نوکری نہ مل سکی تو وہ اسے اپنے گھر رکھ لیں گے۔ مگر ماروی نے
اس لیے دل و جان سے دعا مانگی کہ کاش اسے یہ نوکری مل جائے۔

رات کو سوستے وقت ماروی ایک نئے ذہن اور نئے دل کے ساتھ سوچ رہی تھی۔
زندگی کتنی بدل کر رہ گئی تھی، زندہ رہنا کس قدر مشکل ہو گیا تھا۔ اب نئے لوگوں کے ساتھ
نئے ماحول میں وہ کیسے رہ پائے گی، نہ جانے کیسے لوگ ہوں گے۔ بڑے لوگوں کے غرے
بھی بڑے ہوتے ہیں، ماروی پریشان تھی تو یہ سوچ کر کہ پتہ نہیں اسے یہ نوکری ملے گی بھی
یا نہیں اگر نہ مل سکی تو وہ کیا کرے گی ملک صاحب کے گھر رہنا نہ تو اسے گوارا تھا نہ ہی ٹھیک
تھا۔ اب یہ ضروری تھا کہ یہ نوکری اسے مل جاتی ماروی نے سوچ لیا تھا کہ اب چاہے جو بھی
ہو جیسے بھی حالات میں رہنا پڑے وہ رہ لے گی مگر اس گھر سے قدم باہر نہیں نکالے گی نہ
جانے بہادر خان پھر کب نکرا جائے۔ زندگی نے جیسی در بدری نصیب میں لکھ دی تھی اس

کے بعد کوئی شکوہ زبان پر لانا بھی حماقت لگتی تھی۔ قسمت ہی ایسی لے کر آئی تھی تو روتا کر
بات کا تھا۔

فیض کی یہ نظم اس نے کئی بار پڑھ ڈالی۔

میرے دل میرے مسافر
ہوا حکم پھر سے صادر
کہ وطن بدر ہوں ہم تم
دیں گلی گلی صدائیں
کریں رخ مگر مگر کا
کہ سراغ کوئی پائیں
ہر ایک اجنبی سے پوچھیں
جو پتہ تھا اپنے گھر کا
میرے کونے ناشناساں
ہمیں دن سے رات کرنا
کبھی اس سے بات کرنا
کبھی اس سے بات کرنا
ہمیں یہ بھی تھا سوادا
جو کوئی شمار ہوتا
ہمیں کیا برا تھا مرنا
اگر ایک بار ہوتا

یہ پل پل کی موت ہی تو تھی جسے وہ اپنے وجود پر برداشت کر رہی تھی بات یہ تو نہ
تھی کہ وہ کم ہمت یا کم حوصلہ تھی۔ پہاڑوں کی جلی تھی ارادوں کی مضبوط مگر چھیننے والے
نے جسم سے تھانک چھین لی تھی۔ اس قدر جی دامن ہوئی تھی کہ کوئی سنتا تو یقین کرنا مشکل
تھا۔ کسی کا اپنا چھٹتا ہے ماروی کا تو اپنوں کے ساتھ ہر نا تا، ہر خواہش، ہر محبت، ہر چاہ
چھوٹ گئی، اور اتنی بڑی دنیا میں وہ تنہا تھی۔ بالکل تنہا بالکل اکیلی تھی۔ مگر پھر بھی وہ ہمت کر

کے مسکراتی بھی تھی اور زندہ بھی رہ رہی تھی۔ شاید یہی اس کی کامیابی تھی۔

اور پھر ماروی اس اشتہار پر دیے گئے پتے پر ٹھیک وقت پر پہنچ گئی، وہ ٹی زیڈ ہاؤس کی عمارت کے سامنے موجود تھی اور یک ٹک اس عمارت کو دیکھے جا رہی تھی۔

یہ بات تو وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ جس دنیا میں رہتی ہے وہ دنیا افہام و تفہیم کا ایک بہت بڑا اڑدہا ہے نہ جانے کس لوگوں کو یہ دنیا اس آ جاتی ہے ماروی تو پورا پورا اس کے بلبوں میں جکڑنے کے باوجود اس کے سکھ نہ اٹھا سکی تھی۔ کون ہوتے ہیں وہ لوگ جو زندگی کے مزے اڑا لیتے ہیں، ماروی کی زبان نے تو ایسا تلخ ذائقہ چکھ لیا تھا کہ کسی مزے کے اڑانے کا حوصلہ ہی ہاتی نہیں بچا تھا۔

ٹی زیڈ ہاؤس کی عمارت کے آگے کھڑے ہو کر ماروی کو نہ جانے کیسا احساس ہوا رہا تھا اس احساس کو وہ کوئی بھی نام تو نہ دے سکی تھی۔ احساس سرچکے تھے، اسفند کے خطوط نے بیسے احساسات جگائے تو تھے، مگر ماروی ڈرتے ڈرتے مقدم اٹھاتی تھی۔ زندگی کی آنکھ پجولیوں کے آگے خود ہی چھپتی پھر رہی تھی۔ وہ خود بھی نہیں جانتی تھی کہ اس کی وجہ کیا ہے۔ مگر ج تھا تو بس یہ کہ وہ ڈر چکی تھی۔ اپنی کسی بھی خواہش کو عملی جامہ پہنے دیکھتی تو خوف زدہ ہو جاتی تھی۔ ڈر تو آخر قسمت میں لکھا تھا۔ بہت سارے اپنوں نے مل کر قسمت بنائی تھی۔ مگر کیسی عجیب کہ ماروی پل پل کرتی بچھاتی تھی۔

وہ یک ٹک اس عمارت کو دیکھے جا رہی تھی کہ کوئی خواب تھا یا سراب یہ کوئی افسانہ تھا یا طلسمی کہانی۔۔۔ کیا تھی اس کی زندگی لمحہ بہ لمحہ رنگ بدلتی۔۔۔ آخر اور کیا کیا دیکھنا ہوتی رہ گیا تھا۔

یہ جگہ شہر کی عجیب بھاڑ سے تھوڑی الگ تھی۔ مگر نہایت سرسبز اور خوب صورت علاقہ تھا۔ جتنے رقبے پر ٹی زیڈ انڈسٹریز کا گھر بنا تھا یقیناً اتنا تھا کہ ایک کنارے سے دوسرے کنارے پر پہنچنے میں بہت وقت لگ سکتا تھا۔ سفید رنگ کی وہ پر شکوہ عمارت جسے دیکھتے ہی ماروی اپنا آپ کھو بیٹھی تھی۔

یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کسی جن نے اپنے جادو سے تاج محل کو چھوٹا کر کے اس سرسبز وادی میں لا رکھ دیا ہو۔ اس عمارت کے سامنے کا نقشہ بالکل تاج محل جیسا تھا۔ بڑی سی

عمارت کے آگے دو بڑے بڑے ہانغ تھے۔ یہ سب دوسرے لوگوں کے لیے تو قابل ستائش تھا، مگر ماروی کے لیے کیا تھا یہ صرف ماروی کا دل جانتا تھا یا پھر وہ جانتے تھے جو ماروی کے حسن پسند دل سے واقف تھے۔ ماروی بے یقینی سے اس عمارت کو دیکھتی رہ گئی۔

واہ۔۔۔۔۔ ایسی چیزیں اس دنیا میں موجود ہیں۔۔۔۔۔ ماروی دل میں سوچ رہی تھی۔ اور ماروی جانتی ہی نہیں کہ ایسی چیزیں اس دنیا میں موجود ہیں جن کا یہ دل عرصے سے دیوانہ رہا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ کسی اور کو بھی تاج محل اسی شدت سے پسند ہے جس شدت سے مجھے پسند ہے۔۔۔۔۔ ماروی دھیرے سے مسکرائی۔

چوکیدار جو کافی دیر سے ماروی کی اس حرکت کو نوٹ کر رہا تھا اس کے قریب آ کر بولا۔ اے بی بی۔

ماروی نے چونک کر اس کو دیکھا پھر خود ہی شرمندہ ہو گئی۔ کیا دیکھتی ہو؟۔۔۔۔۔ جاؤ اپنا کام کرو۔۔۔۔۔ وہ غصے میں بولا۔ ماروی گیٹ کی طرف بڑھنے لگی۔

کیا ہے۔۔۔۔۔ کدھر جاتی ہو۔ وہ ماروی کے سامنے آ گیا۔ میں انٹرویو دینے کے لیے آئی ہوں۔ بجی کے لیے ٹیچر کی ضرورت ہے۔۔۔۔۔ ماروی عمارت کی طرف نظر ڈال کر بولی۔

اچھا اچھا تو یوں بولونا۔۔۔۔۔ اندر چلی جاؤ سائے وہ آدمی کھڑا ہے وہ تم کو آفس تک لے جائے گا۔۔۔۔۔ چوکیدار نے گیٹ کھولتے ہوئے کہا۔

ماروی نے ایک گہرا سانس لیا اور گیٹ میں داخل ہو گئی، گیٹ کے اندر کھڑے ہو کر اس نے نظر بھر کر اس عمارت کو پھر دیکھا چار دیواری کے اندر سے اس عمارت کا حسن بہت زیادہ نمایاں تھا۔ اور بہت زیادہ حسین، چاروں طرف کے وہ باغات تھے جو حسین پھولوں سے لدے ہوئے تھے۔ ایک طرف کے باغ میں سفید پتھروں کا بہت بڑا سا پل بنا تھا جس کے نیچے بہت خوب صورت تالاب چمک رہا تھا۔ ماروی نے ایک نظر میں ہی محسوس کر لیا تھا کہ اس تالاب کا رنگ نیلا تھا۔ گہرا نیلا، ماروی نظریں چراگنی اچانک ہی اسے اپنی سوچ پر شرمندگی ہو رہی تھی، وہ بھی بھلا کیا سوچ رہی تھی جس قدر ندیدے پن سے وہ اس

عمارت کو دیکھ رہی تھی وہ واقعی شرمندگی کی بات تھی۔

ماروی نے سر جھٹک کر سوچا تاج محل بنانے والے نے اس کے معماروں کے ہاتھ تو کٹوا دیے تھے بھلا اس عمارت کو بنانے والے ہاتھ ڈھونڈنے والے نے کہاں سے ڈھونڈے ہوں گے۔ خوش نصیب ہے وہ ممتاز محل جسے اس دنیا میں کوئی ایسا چاہنے والا نصیب ہو گیا جس نے اس کے لیے یہ محل کھڑا کر دیا تھا۔ میں ضرور جاننا چاہوں گی کہ وہ خوش قسمت عورت کون ہے جس کے نام پر اس محل کی سنگ بنیاد ڈالی گئی تھی اور وہ کون بادشاہ ہے جو آج کے زمانے میں بھی زندہ ہے مگر نہ میں تو سمجھتی تھی کہ بادشاہوں کے وجود اس دنیا سے اٹھ چکے ہیں۔ یقیناً یہ لوگ بہت بازدوق لوگ ہیں آہ مجھے یہ نوکری مل گئی تو میرا وقت اچھا گزرے گا۔ وہ مسکراتی ہوئی اس شخص تک جا پہنچی جس نے اسے اس آفس روم کے باہر پہنچا دیا، جس میں چند ایک اور خواتین بھی اس انٹرویو کے لیے آئی تھیں۔ سبھی کی باتوں سے پتہ چل رہا تھا کہ سبھی ضرورت مند ہیں۔ شاید ہر ایک کو اپنی ضرورت بڑی محسوس ہو رہی تھی۔ آفس کے باہر بیٹھی ہوئی لڑکی کی باتوں سے انہیں علم ہوا کہ جس بچی کو نیچر کی ضرورت ہے وہ ٹی زیڈ انڈسٹریز کے مالک کی بیوی بہن ہے اور اسے ایک نیچر سے کہیں زیادہ ایک ایسی عورت کی ضرورت ہے جو اس کی بہترین نگہداشت کر سکے۔ ایک اور اطلاع بھی تھی کہ اپنے لیے گورنس کے انٹرویو کے لیے وہ بچی خود انٹرویو سے رہی ہے بہت ممکن تھا کہ انٹرویو کے دوران وہ بچی بھی موجود ہو۔

ماروی کا نام پکارا گیا تو ماروی خاموشی اور غصے سے چلتی ہوئی کمرے میں داخل ہو گئی اس نے باہر کے کمرے میں بیٹھے ہوئے تمام عرصے میں سوچ لیا تھا کہ وہ کوشش ضرور کرے گی کہ اسے یہ نوکری مل جائے مگر وہ اسے اپنی امان کا مسئلہ نہیں بنائے گی۔ اس نے یہ بات بھی سوچ لی تھی کہ یہ شہر نہ سہی وہ کسی اور شہر میں چلی جائے گی۔ مگر کسی کام کے لیے کسی کے آگے گزرنا ایسی بھی چیز کے حاصل کرنے کی خواہش کرنا اسے بہت الگ کام لگے۔ وہ فیصلہ کر چکی تھی کیونکہ اسے کئی خواتین اپنے سے زیادہ تعلیم یافتہ اور بہت زیادہ تجربہ کار لگ رہی تھیں۔ ماروی سمجھ گئی تھی کہ یہ نوکری اسے نہیں مل سکتی مگر پھر بھی وہ قسمت آزمائے کے لیے اس آفس کے اس کمرے میں داخل ہو گئی۔ کمرہ اس عمارت

کی طرح ایک عالیشان حیثیت رکھتا تھا۔ بڑے بڑے پردوں اور دیواروں سے۔۔۔ نہایت نفیس فرنیچر کے دوسری جانب ایک ادھیز عمر شخص موجود تھا جس کے چہرے سے شفقت اور ملامت نمایاں تھی۔ جب کہ قریب ہی ایک صوفے پر بہت پیاری سی بچی بیٹھی تھی۔ ایک ادھیز عمر عورت اس کے بالکل قریب کھڑی تھی۔ اس بچی کی پیاری سی صورت دیکھ کر ماروی کو اچالا کا چہرہ یاد آ گیا۔ اس بچی نے گلابی فراک زیب تن کر رکھی تھی۔ عمر یہی کوئی بارہ سال تک ہوگی، جب کہ اس کے گہرے سیاہ بال اور گہری کالی شفاف آنکھیں ماروی کو پہلی ہی نظر میں بہت پسند آئیں سرخ و سفید رنگت کے ساتھ وہ بچی دھیمی مسکراہٹ سے بہت پیاری لگ رہی تھی۔

بیٹھے۔۔۔۔۔ وہ شخص گویا ہوا۔

ماروی اطمینان سے کرسی پر بیٹھ گئی اس کی پلکیں ہی نہیں بلکہ سر بھی بلند تھا اس کے چہرے پر زبردست اطمینان اور اعتماد چمک رہا تھا مگر ماروی کا اظہار اب بھی بچی کے چہرے میں گم تھا جہاں دنیا جہاں کا بھولا پن بیضا شرمارہا تھا۔ وہ جس ماں باپ کی اولاد ہوگی وہ بھی بہت خوب صورت ہوں گے۔ ماروی نے دل میں سوچا اور اپنا ہیجان سامنے شخص کی طرف کر دیا۔

س ماروی! مجھے محمود ہاشمی کہتے ہیں، اور میں ٹی زیڈ انڈسٹریز کے مالک طاؤس خان صاحب کا پرسنل سیکریٹری ہوں۔

جی۔۔۔۔۔ ماروی فرمانبرداری سے بولی۔

یہ کس ذوبارہ خان ہیں۔ طاؤس خان صاحب کی اکلوتی اور چھوٹی بہن انہی کی دیکھ بھال کے لیے ہمیں ایسی خاتون کی ضرورت ہے جو چوبیس گھنٹے ذوبارہ بی بی کے ساتھ رہے اور ہر طرح سے ان کی دیکھ بھال کرے۔ ہر طرح سے سیری مراد ہر طرح ہے۔ میرا خیال ہے آپ سمجھ گئی ہوں گی۔

جی یہ بات تو میں نے اشتہار دیکھ کر بھی سمجھ لی تھی۔۔۔۔۔ ماروی بے جواب دیا اور مسکرا کر بچی کی طرف دیکھا بچی نے بھی مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے دیا تھا۔

س ماروی آپ کی تعلیم بہت کم ہے۔ ہاشمی صاحب اس کی اسناد دیکھتے ہوئے

نہ لے۔

جی سر۔۔۔۔۔ بس حال یہ ہے ہو گئے تھے کہ تعلیم کا سلسلہ منقطع کرنا پڑا مگر میرا ارادہ مگر بچویشن کا ہے۔ انشاء اللہ میں تعلیم ضرور مکمل کروں گی۔۔۔۔۔ ماروی نے سادگی سے جواب دیا۔

ہنس۔۔۔۔۔ بچوں کو سنبھالنے کا کوئی تجربہ۔ انہوں نے پھر سوال کیا۔
جی۔۔۔۔۔ میری بہن کی بچیاں میرے ہاتھوں پٹی ہیں۔ میں اچھی طرح ہینڈل کر سکتی ہوں۔۔۔۔۔ وہ پھر فرمانبرداری سے بولی۔
گڈ۔۔۔۔۔ ویری گڈ۔۔۔۔۔ کتنی بچیاں تھیں؟
جی تین۔۔۔۔۔ ماروی نے پھر جواب دیا۔

یہ تو بہت اچھا ہے اس کا مطلب ہے کہ آپ کا تجربہ تو ہے آپ کی عمر دیکھ کر میرا خیال تھا کہ آپ کو صرف اس وجہ سے رجسٹرڈ کیا جائے گا کہ آپ کے پاس تجربہ نہیں ہوگا مگر میرا خیال ہے کہ اب سوچا جاسکتا ہے کیوں دوبارہ یہ بیٹا؟
جی انگل۔۔۔۔۔ وہ بچی معصومیت سے بولی اس کی نظریں ماروی کی جانب تھیں۔
وہ بہت دلچسپی سے ماروی کو دیکھ رہی تھی۔
تو پھر آپ کا کیا خیال ہے؟۔۔۔۔۔ کیا یہ سچا آپ کو پسند ہیں۔۔۔۔۔ ہاشمی صاحب نے شفقت سے سوال کیا۔

دوبارہ یہ سنے ماروی کی طرف گہری نظروں سے دیکھا۔ دراصل میڈم مجھ سے بہت ساری غلطیاں ہو جاتی ہیں آپ مجھے میری غلطیوں پر ڈانٹیں گی تو نہیں۔ وہ معصومیت سے سوال کر رہی تھی۔
نہیں دوبارہ یہ۔۔۔۔۔ میں کیوں ڈانٹنے لگی۔۔۔۔۔ میں آپ کی غلطی کی تصحیح کروں گی۔۔۔۔۔ اس طرح وہ غلطی غلطی نہیں رہے گی۔۔۔۔۔ تو پھر ڈانٹ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ماروی دھیمے لہجے میں بولی۔

تھینک یو میڈم۔ دوبارہ یہ خوش ہوتے ہوئے بولی۔ اور مڑ کر ہاشمی صاحب کی طرف دیکھا جو شاید دوبارہ یہ کی آنکھوں کا مطلب سمجھ گئے تھے۔

ٹھیک ہے ذوباریہ اب آپ اپنے کمرے میں جائیں۔ ہاشمی صاحب رسالت سے بولے۔

اوکے۔۔۔ انکل۔۔۔ اوکے۔۔۔ میڈم۔۔۔ ہائے۔۔۔۔۔ ذوباریہ نے پہلے ہاشمی صاحب اور پھر ماروی کو خدا حافظ کہا اور قریب کمزری خاتون کے ساتھ کمرے کے دوسرے دروازے سے باہر نکل گئی۔

ٹھیک ہے کس ماروی آپ باہر جنس ابھی آپ کو اطلاع دی جائے گی۔ جب انٹرویو مکمل ہو چکا تو چند منٹوں بعد ہی ماروی کو دوبارہ بلوایا گیا۔ کس ماروی۔۔۔۔۔ آپ جان چکی ہوں گی کہ یہ نوکری آپ کو مل چکی ہے۔۔۔۔۔ وہ آہستہ آہستہ بول رہے تھے۔

جی۔۔۔۔۔ ماروی نے خوش دلی سے جواب دیا۔ دورانِ اس گھر میں ذوباریہ کی دیکھ بھال کے لیے بہت سے لوگ موجود ہیں۔ مگر چونکہ نہ تو ذوباریہ کی والدہ زندہ ہیں اور نہ ہی کوئی بہن ہے بھالی بھی ناروباریہ صرفیت میں آئے دن گھر سے باہر رہتے ہیں۔ اس لیے ذوباریہ کو دیکھ بھال کرنے والی آہستہ سے زیادہ ایک دوست ایک ماں اور ایک بہن کی طرح محبت کرنے والی ہستی کی ضرورت ہے جسے ذوباریہ بھی دل سے پسند کرے۔ اور وہ بھی ذوباریہ کو ہر لحاظ سے اہلیت دے جو نہ صرف اس کی تنہائی میں اس کی باتیں اس کی پسندنا پسند کو شیر کرے بلکہ اس کی تربیت میں بھی اہم کام سرانجام دے۔ سو اسی لیے اس انٹرویو کے دوران ذوباریہ یہاں موجود تھی اور اسے تمام خواتین میں سے صرف آپ پسند آئی ہیں۔ اس کا خیال ہے کہ آپ ہر لحاظ سے اس کا خیال رکھیں گی کیا میں جان سکتا ہوں کہ ذوباریہ کا اعتبار درجہ ہے یا نہیں۔

سر میں دعوٰی نہیں کرتی مگر میں وعدہ ضرور کرتی ہوں کہ محض ذوباریہ کے اعتبار پر نہیں بلکہ میں ہر اعتبار پر پوری اترنے کی کوشش کروں گی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے بہن کی جن بچیوں کا ذکر میں نے کیا تھا انہیں بہت دور چھوڑ آتی ہوں میں ان تینوں کا پیار ذوباریہ کو دے سکتی ہوں اور وعدہ کرتی ہوں کہ ہر طرح سے

بہت اچھا۔۔۔۔۔ یہ سب میں نے اس لیے بھی کہا ہے کہ طاؤس خان جو ذوبار یہ کے معاملے میں بہت سخت ہیں، ان کے خیال میں ذوبار یہ کے قریب رہنے والی ہر شخصیت میں اعلیٰ اخلاق، بہترین تعلیم، تہذیب اور تجربہ ہونا لازمی امر ہے۔ آپ سے امید ہے کہ آپ ان اصولوں کو ملحوظ خاطر رکھیں گی۔

جی۔۔۔۔۔ ضرور۔۔۔ ماروی نے آپ سے جواب دیا۔

تو پھر آپ اپنا سامان آج ہی یہاں لے آئیں اور مجھے دقت بتا دیجئے کہ آپ کب تک یہاں پہنچیں گی؟ انہوں نے سوالیہ لہجے میں فرمایا۔

میرا خیال ہے میں دوپہر میں تین یا چار بجے کے درمیان یہاں پہنچ جاؤں گی، وہ کرسی چھوڑتی ہوئی بولی۔

ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ ہاشمی صاحب بھی اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے۔
اب میں چلتی ہوں۔

جی بہتر۔

ماروی وہاں سے آہستہ آہستہ چلتی ہوئی باہر نکل آئی۔ اس نوکری کے مل جانے پر وہ خوش تھی مگر اسے حیرت بھی تھی۔ وہ اتنی خوش قسمت تو کبھی نہ تھی کہ کسی چیز کی خواہش کرتی اور وہ اچھے مل جاتی۔ جانے کس خوش قسمت کا سایہ پڑ گیا تھا نہ جانے صبح کس خوش بخت کا چہرہ دیکھ آئی تھی جو اس کی مشکل حل ہونے کا سبب بن گئی تھی۔

بہادر خان سے بچنا اس قدر آسان تو نہ تھا آخر وہ کب تک ہاسٹل میں قید رہ سکتی تھی۔ اس کے لیے تو ہاسٹل کے قریب نظر آنا بھی مشکل ہو گیا تھا۔ جانے کب بہادر خان اسے ڈھونڈ لیتا۔ خوشی اس بات کی تھی کہ اسے زیادہ دن ہاسٹل میں نہیں بیٹھنا پڑا تھا۔ ورنہ کئی طرح کی ٹھیکریں اسے آگھیریں۔ ہاسٹل کے اخراجات کے لیے جو رقم ملک دار صاحب نے جمع کروائی تھی۔ وہ مزید چند ماہ چل سکتی تھی۔ مگر ماروی کو وارانہ تھا کہ اب وہ پارہ ملک دار اس کو اس طرح کی مدد کریں۔ وہ اپنے قدموں پر کھڑے ہو کر جینا چاہتی تھی۔

پارہ ایسا ہی دسیا۔ یہ تو تھی جس کے لیے اسے کسی سفارش کی ضرورت تھی تو نہیں

پڑی تھی۔

انیتا بہتر ہے کہ تم اپنے گھر چلی جاؤ۔۔۔۔۔ اب تھوڑا دیر یہ ضد۔۔۔۔۔ مارو گی جو ہاسٹل واپس آ چکی تھی اور کھانے سے فارغ ہو کر اپنے کپڑے پیک کر رہی تھی پہلی بار انیتا سے دل کی بات کہہ بیٹھی۔

لے آئیں دل کی بات زبان پر۔۔۔۔۔ انیتا ہولے سے رسالے کے صفحات اٹتے ہوئے بولی۔

آخر برائی کیا ہے، تمہارا اپنا گھر ہے۔۔۔۔۔ کچھ نہیں تو ای کے گھر چلی جاؤ۔۔۔۔۔ اس طرح سب کے ہوتے ہوئے ہاسٹل میں رہنا اچھا نہیں لگتا۔۔۔۔۔ وہ بیک کی زپ بند کرتی ہوئی بولی۔

برائی نہ سہی اچھائی بھی تو کوئی نہیں۔۔۔۔۔ وہ اسی انداز میں بولی۔
بیٹی یاد نہیں آئی؟۔۔۔۔۔ ماروی اس کے قریب بیٹھتی ہوئی بولی۔
بس وہی یاد آتی ہے۔۔۔۔۔ بہت چھوٹی ہے نا۔۔۔۔۔ اور اب تم بھی جا رہی ہو۔۔۔۔۔ یہاں اکیلے میرا دل کیسے لگے گا۔۔۔۔۔ سوچتی ہوں چلی جاؤں۔۔۔۔۔ وہ سادگی سے بول اٹھی۔

بہت اچھا سوچ رہی ہو۔۔۔۔۔ ماروی جلدی سے بولی۔

تمہارا تم اب واپس نہیں آؤ گی؟ انیتا نے سوال کیا۔

آؤ گی۔۔۔۔۔ آخر تو واپس آنا ہے۔ کون کہاں تک رہ سکتا ہے۔ اس بات کا جواب تو کوئی نہیں دے سکتا۔ یہاں آئی تھی تو سوچا تھا شاید مگر یہی یہ ہاسٹل چھوٹے گا۔ مگر دیکھو کتنی جلدی دانہ دکان اٹھ گیا۔ جہاں اب جا رہی ہوں جائے کب وہ بھی نکال کھڑا کریں؟ مگر اتنا ضرور ہے کہ اس وقت ایسی نوکری میری ضرورت ہے۔۔۔۔۔ ماروی کے ذہن میں بہادر خان کا خیال لہرا گیا۔

ارے ہاں مجھے یاد آیا۔۔۔۔۔ کل تمہارا رزلٹ بھی آ رہا ہے۔۔۔۔۔ انیتا نے خبر دی۔

کیا واقعی ماروی خوشی سے اچھل کر بولی۔

ہاں میں نے آج ہی اخبار میں پڑھا ہے۔ خدا کرے تم پاس ہو جاؤ۔۔۔۔۔ ہر۔

سیم اور تہذیب ہونا لازمی امر ہے۔ شاید اسی اصول کے تحت ماروی کو اتنی عزت دی جا رہی تھی مگر اب ماروی کو ان اصولوں پر پورا بھی اترنا تھا۔

اب تک ماروی نے اس گھر کا جتنا بھی حصہ دیکھا تھا اس سے صرف امارات کا رعب ہی ظاہر نہیں تھا بلکہ ایک ایک کونے سے کسی کے مخصوص لگاؤ کی سبک بھی آ رہی تھی لگتا تھا کہ چھوٹے سے چھوٹے گوشے پر بھی مخصوص دھیان دیا گیا ہو۔ مغلیہ طرز کی آرائش کو جدید سوچ نے جس فن کا ہملی جامہ پہنایا تھا اس سے یہ چھوٹا سا محل عجیب سی حکمت اور غرور کے ساتھ اپنی جگہ گڑا تھا اونچے اور وسیع برآمدوں سے گزرتے وقت اردی کو ایک بل میں ڈرنا بھی لگا۔ جاننے کیوں اس عالی شان عمارت میں تہہ شمار لوگوں کے ہوتے ہوئے اتنی رونق نہ تھی۔ پتہ نہیں یہ بات سرف ماروی نے محسوس کی تھی یا سچ تھی کہ اس درود یوار پر عجیب سی اداسی نے ڈیرہ ڈال رکھا تھا۔ نوکروں کی فوج سے لے کر ذرائعور تک خاصگی اور چپ تھے شاید کوئی ہنستا ہوگا تو ان درود یوار کو کچھ سکون آتا ہوگا ورنہ تو اس قدر خاموشی میں جانے سے یہ بچی کیسے رہ رہی تھی۔

ماروی کو غصہ بھی آتا کہ جانے کیوں لوگ اتنی دولت تو خرچ کر دیتے ہیں کہ دیکھنے والے پر اپنی امارات کا دبدبہ بھانگیں مگر سکھ، خوشی اور اطمینان کے لیے ان کی دولت کم پڑ جاتی ہے یا پھر انکاری ہو جاتی ہے سچ ہی تو ہے دولت سے اگر مسکراہٹ، مزیداری جانتی تو غریب انسان سے اس کا یہ ازلی سکھ ہی پھینک لیا گیا جتنا۔

ماروی نے نہانے کے بعد کپڑے تبدیل کیے سجدہ اور سبز سوٹ بڑا سا سفید و پتہ اوڑھے اس کا چاند سا چہرہ اس گھر کی عالی شان چیزوں کو اور اس محل کو بھی مات کر رہا تھا۔ آج پہلی بار ماروی نے اس غنڈے کی بیٹی کی ہوئی نیلم کی وہ انگوٹھی پہنی جو درحقیقت ماروی نے ہی پسند کی تھی۔ بس ایک وہی تو اس دنیا میں ماروی کا چاہنے والا تھا بھلا ماروی کے دل میں اس کی قدر کیوں نہ ہوتی۔ ماروی ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ باہر نکل کر ہاشمی صاحب کا پتہ کمرے اسنے میں دروازہ پر دستک ہوئی اور وہاں یہ کاجازت طلب کرتا ہوا چہرہ نظر آیا۔

”آؤ نا“ ماروی مسکراتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔

ذو باریہ کے ساتھ ہی ہاشمی صاحب اور ذو باریہ کی آیا بھی اندر داخل ہو گئیں۔
 ذو باریہ بلیک جمیز اور سفید ٹی شرٹ میں ملبوس تھی سیاہ چمک دار اور خوب صورت
 بال اس کی سیاہ آنکھوں کے ساتھ سرخ و سفید چہرے پر بڑے بھلے لگ رہے تھے۔
 دیکھ میڈم۔۔۔۔۔ ذو باریہ مسکراتے ہوئے بولی۔

تھینک یو۔۔۔۔۔ آیا آپ بھی جاؤ۔۔۔۔۔ ذو باریہ دھیمے لہجے میں بولی تو ہاشمی
 صاحب اور آیا واپس مڑ گئے۔ ذو باریہ اور ماروی اطمینان سے بیڈ پر بیٹھ گئیں۔
 آپ کہاں سے آئی ہیں؟ ذو باریہ نے بولنے میں پہل کی۔
 اسی شہر ہے۔۔۔۔۔ ماروی نے مسکرا کر جواب دیا۔

آپ مجھے بہت اچھی لگتی تھیں۔ ویسے بھی آکا میری پسند کو بہت اہمیت دیتے
 ہیں۔ میں نے فون پر انہیں بتا دیا کہ میں نے اپنی پسند کی ٹیچر ڈھونڈ لی ہے۔ آپ کو پتہ
 ہے انہیں مجھ سے ہمیشہ حکایت رہتی ہے کہ میں آیا اور ٹیچر کا کہنا نہیں مانتی۔۔۔۔۔ مگر اب
 میں نے آکا کو کہہ دیا ہے کہ اب میں اپنی ان ٹیچر کا کہنا ضرور مانوں گی۔
 ذو باریہ دلچسپی سے بول رہی تھی۔

یہ آکا کون ہیں؟۔۔۔۔۔ ماروی نے انہماں لہجے میں سوال کیا۔
 آکا۔۔۔۔۔ میرے آکا۔۔۔۔۔ ذو باریہ پھر بولی۔
 تمہارے کون ہیں وہ؟۔۔۔۔۔ ماروی نے پھر سوال کیا۔

میرے بھائی ہیں۔۔۔۔۔ طاؤس خان۔۔۔۔۔ کیا آپ ٹی ریڈ کے "ٹی" کو نہیں
 جانتیں؟۔۔۔۔۔ ذو باریہ نے پھر حیرت سے سوال کیا۔
 ٹی الحال تو میں ابھی آئی ہوں اس لئے نہیں جانتی۔۔۔۔۔ ماروی نے دھیمے لہجے
 میں جواب دیا۔

"اوہ ہو"۔۔۔۔۔ ذو باریہ نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا تو ماروی کو اس بل بہت
 اچھی لگی۔

ماروی نے مسکرا کر پوچھا "اب کیا ہوا؟"
 "آکا بالکل ٹھیک کہتے ہیں مجھے واقعی ایک اچھی ٹیچر کی ضرورت ہے۔۔۔۔۔"

آپ ابھی آئی ہیں اور مجھے خیال ہی نہیں رہا کہ آپ یہ سب نہیں جانتیں۔۔۔ دیسے میں
بتا رہی ہوں۔۔۔ ٹی زیڈ اینڈ سٹریز کے "ٹی" ہیں میرے بھائی جان طاؤس خان اور
"زیڈ" ہوں میں یعنی ذوبار یہ خان۔۔۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

اچھا اب آپ انھیں۔۔۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔
"کہاں؟"۔۔۔ ماروی نے سوال کیا۔

آپ کو اپنا گھر دکھاتی ہوں اور سب لوگوں سے ملواتی ہوں۔۔۔ یعنی ہیڈنگ
سے لے کر مالی بابا تک۔۔۔ آپ کو سب کو جانا چاہیے نا۔۔۔ وہ معصومیت سے بولی۔

اچھا۔۔۔ چلو۔۔۔ ماروی کھڑی ہو گئی۔ کمرے سے نکل کر وہ اسے گھر کا

ایک ایک گوشہ دکھانے میں مصروف تھی۔ جو جگہ باہر سے شہر کی طرز کی عمارت کا نمونہ

تھی۔ اندر سے وہ ایک جدید طرز کے حسین انتخاب سے کم نہ تھا۔ پچھلی طرف نوکروں کے

کو اڑھتے تھے۔ بے شمار لوگ اسے نظر آئے جو اس عمارت سے وابستہ تھے۔ مگر حیرت تھی

کہ محض دو افراد کے لیے اتنے لوگ سرگردان تھے۔ ماروی کو اس خوب صورت جگہ کو دیکھتے

ہوئے اب بھی محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی دیا نہیں بچھا ہوا ضرور تھا کوئی ادا اسی فریم سے ضرور

جھاٹک رہی تھی۔ ماروی کے ذہن میں یہ ادا اسی کھٹک رہی تھی اتنا سبب ہونے کے باوجود

زندگی کی جھنکار اسے کہیں سنائی نہ دی تھی۔ جو تھوڑی بہت معلومات ذوبار یہ نے اسے ابھی

بہم پہنچائی تھی وہ یہ تھی کہ ان کے والدین مرچکے ہیں اور ذوبار یہ طاؤس خان کی اکلوتی

بہن ہے دور یا قہر ہے کے بھی رشتے دار ملک سے باہر رہتے ہیں ذوبار یہ ماروی کو اپنے

کمرے میں لے آئی۔ جو اس کی Nature کے مطابق نہایت نفاست سے بنا ہوا تھا۔

ذوبار یہ۔۔۔۔۔ ماروی نے سوال کرنے کے لیے منہ کھولا۔

نہیں میڈم۔۔۔ وہ تیزی سے بول اٹھی۔

کیا ہوا۔۔۔۔۔ ماروی نے بھی اسی سرعت سے سوال کیا۔

ذوبار یہ نہیں بلکہ ذوبا۔۔۔ وہ ماروی کے برابر بیٹھتی ہوئی بولی۔

ذوبا۔۔۔ ماروی نے سمجھتے ہوئے نام دوبارہ دہرایا۔

آ کا بھائی اور اتا نے مجھے ذوبا ہی کہا ہے جب کہ آپ کو پتہ ہے میرا نام برادر

یہ اتا اور برادر کون ہیں؟۔۔۔۔۔ ماروی نے پھر سوال کیا۔

اتا۔۔۔۔۔ طہماس بھائی۔۔۔۔۔ ذوبار یہ نے نام لیا تو اس کے چہرے پر اداسی چھا گئی۔

وہ مجھے پیار کرتے تھے۔۔۔۔۔ بہت زیادہ۔۔۔۔۔ ذوبار یہ رک گئی۔

کہاں ہیں وہ۔۔۔۔۔ کیا کہیں چلے گئے ہیں۔۔۔۔۔ ماروی نے سوال کیا۔

ہاں۔۔۔۔۔ اللہ میاں کے پاس چلے گئے ہیں۔ پورا ایک سال ہو گیا ہے۔ پچھلے

ماہ ہی تو ان کی برسی تھی۔ وہ آکا سے وہ سال بڑے تھے۔ اس گھر کے سب سے بڑے

بیٹے وہ آہستہ آہستہ سر جھکا کر بول رہی تھی۔

ادہ۔۔۔۔۔ ویری سیٹ۔۔۔۔۔ ماروی کو اس گھر کے درود پوار سے جھاگتی ہوئی

اداسی کی وجہ پتہ چل گئی کون سا دیا بچھا ہوا تھا وہ جان گئی تھی جس گھر نے جوان موت کو

آنکھوں سے دیکھا وہ گھر بھلا زندگی کی جھنکار کیسے بنا سکتا تھا۔

کیسے ہوا یہ سب؟۔۔۔۔۔ ماروی نے دیکھے سے سوال کیا۔

زیادہ تو نہیں جانتی بس اتنا ہے کہ انہوں نے نیند کی بہت ساری گولیاں کھالی

تھیں پتہ نہیں کیوں؟۔۔۔۔۔ وہ تو بہت زندہ دل تھے ہر وقت ہنستے رہتے تھے۔ ان کی

شادی کو صرف تین ماہ تو ہوئے تھے۔ مگر آکا مجھے پوری بات نہیں بتاتے لیکن میں آپ کو

بتاؤں کہ مجھے ایک بات بہت اچھی طرح پتہ ہے۔۔۔۔۔ وہ تیزی سے ماروی کی طرف

دیکھ کر بولی۔

کیا؟ ماروی نے سوال کیا۔

وہ جواتا کی بیوی نہیں تا۔۔۔۔۔ بھلا بھائی۔۔۔۔۔ وہ اچھی بھابی نہیں تھیں۔۔۔۔۔

وہ معصومیت سے بولی اس کی آنکھوں کو گوشے نم ہو چکے تھے۔

نہیں ذوبا۔۔۔۔۔ رونا نہیں۔۔۔۔۔ اس طرح جانے والوں کو تکلیف ہوتی ہے

۔۔۔۔۔ ماروی نے یہ لفظ کہہ تو دیے مگر اسے آج احساس ہو رہا تھا کہ تسلی دینا جتنا آسان کام

ہوتا ہے اس پر عمل کرنا اتنا ہی مشکل ہوتا ہے۔

ذوبار یہ کی ان باتوں سے ماروی کو ایک بات کا احساس ہو گیا تھا اور وہ یہ تھا کہ یہ

ہاں اس اتنے بڑے گھر میں رہتے ہوئے ہی اور اتنے لڑکوں کی موجودگی میں بھی تنہائی کا
 حکار تھی۔ اسے ایک نیچر ایک گورنس یا آبا سے زیادہ ایک دوست ایک ایسے اپنے کی تلاش
 تھی جس سے وہ اپنے دل کی ہر معصوم خواہش اور بات کا ذکر کر سکے۔ جس بچی نے ماں کی
 ہکل نہ دیکھی ہو بہن کی پڑاوت کے پس کو نہ چھوا ہو جس کا اکلوتا بھائی اپنے کاروبار میں
 مصروف رہ کر اسے نظر انداز کر رہا ہو اسے ایک ایسے ساتھی کی ہی ضرورت تھی جو اسے اس
 کی ذات سے نکل کر اور اصولوں کی دنیا سے باہر لا کر ایک ملائم اور سبے ضرورت زندگی سے ملوا
 سکے۔ ان تھوڑے سے لمحوں میں جب سے وہ دوبارہ کے ساتھ تھی اس نے اس بہت
 بڑی بات کو محسوس کر لیا تھا کہ اسے ذوبا کی تربیت سے کیا وہ اس کی تنہائی دور کرنے کے
 لیے رکھا گیا ہے۔

میں روتی نہیں ہوں سیڈم۔۔۔ مجھے آکا اور بک برادر سے صدمہ دے رہی ہے کہ میں
 روؤں گی نہیں۔۔۔ ذوبائے اپنی ہم آنکھیں اپنے ہاتھوں سے رگڑ کر ماروئی کو تھاپ دیا۔
 اس لمحے ماروئی کو وہ چھوٹی سی لڑکی قد میں بہت بڑی لگی۔ جو اتنے عزم اور ہمت
 سے وعدے کو بھار رہی تھی۔ ماروئی نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

اور یہ برادر کون ہیں؟

ہوئی بھائی۔۔۔ آکا اور اتا کے بچپن کے اکلوتے اور سب سے اچھے دوست ہیں۔
 ذوبائے غلام اور پھر بولی، تھوڑا سا رہ گیا ہے اس طرف آکا کا کمرہ ہے اور اس
 طرف میرا پسندیدہ لانگ ہاؤس ہے۔۔۔۔۔ چلیں؟
 چلو۔۔۔ ماروئی نے ننھا کو خوشگوار بناتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

وہ دونوں کافی لمبی راہداری میں سے چلتی ہوئی ذوباد یہ کے پسندیدہ لانگ کی
 طرف جا رہی تھیں۔ شام پڑ چکی تھی۔ اندھیرے نے دھرتی پر راج کرنا شروع نہیں کیا
 تھا۔ سورج بھی نیند کی گہری وادیوں کی طرف اتر رہا تھا۔ موسم میں عجیب سی ٹھنڈک اور
 اس گھر میں پر اسرار سی خاموشی تھی۔ اس لمحے ماروئی نے اپنی وادی کو شہیت سے یاد کیا
 جہاں کوئی انسان نہ بھی نظر آئے مگر وہ ہمیشہ پر رونق اور ہری بھری رہتی ہے۔ لیکن اس گھر
 میں اسے بہت سے انسان نظر آئے مگر سکون کا موتی نہ تو ذوباد یہ کی آنکھوں میں چمک رہا

کی سیاہی کی طرح اپنی طرف کھینچتی ہوئی ماروی کو وقت رکھتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ
 ڈوبارہ کے ساتھ واپس پلٹنا چاہتی تھی مگر نہ جانے کس احساس کے تحت وہ وہیں کھڑی رہ
 گئی۔ زندگی نے جس کنول کے پھول کو دیکھنے کی خواہش کی تھی وہ اس کے سامنے موجود تھا
 جس کوہ نور کے لیے شاید وہ جنگل جنگل بھٹکتی مگر نہ مل سکتا۔ اس گھر کے اس کمرے کی ایک
 دیوار میں قید اسے مل گیا تھا۔ اس کے انداز میں بادشاہوں جیسی شان و شوکت تھی۔ روشن
 پیشانی اور کشادہ بازوؤں میں عجیب سا احساس تحفظ جھلک رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کی
 چمک ماروی کو اپنے دل کی گہرائیوں میں اترتی محسوس ہو رہی تھی جس کے بارے میں کہہ
 سکتے تھے کہ قدرت نے اسے اپنے ہاتھوں سے تراشا ہوا تو بے چارہ تھا۔ تبھی تو ماروی ایک
 نلک اسے دیکھتی چلی گئی وہ ماروی کے حسن دل پسند میں ایک سیلیم کے ہزارویں حصے میں
 اترتا چلا گیا۔ وہ کون تھا؟ کیا طہاس چومر چکا تھا؟ یا پھر طاؤ کر آیا کچھ کوئی اور؟۔۔۔ مگر وہ
 جو کوئی بھی تھا ماروی نے ایک مل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ چاہے وہ بادشاہ وقت کیوں نہ ہو وہ
 اس سے ایک بار ضرور ملے گی۔ اس حسین تصور کو چلتا پھرتا ضرور دیکھنے گی اور اگر وہ طہاس
 ہوا تو بال بکھیر کر ماتم بھی ضرور کر لے گی کہ اس کی ملاقات اس سے کیوں نہ ہو سکتی تھی۔
 ایسا نہیں تھا کہ آج سے پہلے ماروی نے ایسا حسن کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس کی وادی تو
 حسین چہرہ سے بھری پڑی تھی۔ مگر ماروی کو اپنی زندگی میں پہلی نظر میں کوئی اتنا نہیں
 بھایا تھا۔ اس کی آنکھیں دیکھ کر ماروی کو اپنی وادی کی وہ کالی، تیز باد آگئیں جن کا ہمیشہ
 ایک حسن ہوتا تھا جن راتوں سے ماروی کو عشق تھا۔
 وہ پہلی نظر میں اسے راجہ اندر جیسی شان والا بادشاہ لگا تھا شاید اسے کل بکاؤ کا نظر
 آ گیا تھا اس سے پہلے کہ وہ ہاتھ بڑھا کر اس پھول کو تھام لیتی۔ دل میں ہزار طرح کے
 دوسے جاگ اٹھے۔ کئی خیالات نے اس کی سوچ کی خدمت کی۔ وہ بھی بھلا آیا۔۔۔ پینے
 لگی تھی۔ راجہ اندر کی سبھا میں ماروی جیسی نوکرانوں کی جگہ ہمیشہ اس کے رنہ سے بہت
 رہی ہے۔ یہ احساس ماروی کو بہت اچھی طرح تھا۔

یاگل سوہنو

-- تحریر محمد شفیق -- سہ ماہیہ -- ضلع جہلم --

□ عقاب تیزی سے ایک طرف ہواڑ نے لگا سوہنو بھی تیزی سے ایک طرف اس کے پیچھے بھاگنے لگا تھا تھوڑی دیر میں وہ پہاڑی علاقے میں پہنچ گئے عقاب ایک بڑے پہاڑ کے سامنے رک گیا اور اس کی طرف اشارہ کر کے کہا سوہنو یہی ہے وہ پہاڑ جس میں اس بلانے آدی غائب کیے تھے سوہنو یہ سنتے ہی تیزی سے آگے بڑھا اس پہاڑ کے قریب جا کر اس نے تلوار نکالی اور پوری قوت سے پہاڑ پر دے ماری اس کی تلوار تیزی سے نکل گئی سوہنو نے محسوس کیا کہ اس کی تلوار کسی بھی پتھر سے نہیں ٹکرائی اچانک کچھ سوچ کر اس نے آنکھیں بند کی اور پہاڑ میں زور سے ٹکرائی سوہنو نے محسوس کیا جیسے وہ پہاڑ سے ٹکرانے کے بجائے کسی کھائی میں گر پڑا ہو تھوڑی دیر کے بعد وہ بے ہوش ہو گیا جب سوہنو کو ہوش آیا تو اس نے خود کو ایک سبز باغ میں پایا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح اس جگہ آ پہنچا ہے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد اس نے یہی فیصلہ کیا کہ وہ جادوگر کے ظلم میں تعلق رکھتا ہے یہ سوچ کر وہ ایک طرف کوچل پڑا تاکہ جادو کو کو تلاش کر سکے۔ اچانک اس کے سامنے ایک بہت بڑا جتن آ گیا اس کے ہاتھ میں تلوار بھی سوہنو نے بھی میان سے نکالی تلوار نکالی اور مقابلے کے لیے تیار ہو گیا جس نے زبردستی وار کیا سوہنو نے وار تلوار سے روکا اور دونوں نے خونی جنگ شروع کر دی آخر سوہنو نے ایک بھاری وار کر کے جس کی گردن تن سے جدا کر دی۔ ایک خوفناک کہانی۔

ایک جوان گلی میں بھاگا جا رہا تھا کہ اس کے پیچھے سے پھنپھنے ہوئے تھے پیروں میں بھی جوتی نہیں ٹھکی تھی یہ یہ پاگل لگ رہا تھا اس کے پیچھے بہت سے بچے لگے ہوئے تھے یہ واقعی پاگل تھا بچے اس کو پیچھے سوہنو پاگل سوہنو پاگل کی زور زور سے آوازیں لگا رہے تھے۔

گلی میں موجود لوگ اس پاگل کو اسی طرح بھاگتا دیکھ کر قہقہے لگا رہے تھے جبکہ وہ پاگل جواب نہیں گالیاں دے رہا تھا لوگ اس کی ان گالیوں کو سن کر اسے چیخڑ رہے تھے وہ معصوم اسی طرح ہی بھاگتا ہوا شہر سے دور نکل گیا یہ بچے اسے کافی دور تک چھوڑ کر واپس آ گئے یہ ہے آج کی دنیا جو مست معصوم لوگوں کو اس طرح تنگ کرتی ہے وہ یہ نہیں سوچتی کہ

ایک اور کہانی۔

کہ اچانک بارش شروع ہو گئی وہ ایک کھیتے درخت کے نیچے بارش سے بچنے کے لیے بیٹھ گیا۔
 مہاجانے اس کے دل میں کیا بات آئی اس نے اپنے ہاتھ ہاندھے اور خدا سے مخاطب ہو کر دعا کرنے لگا۔

اے میرے معبود کیا میں ہمیشہ اسی طرح ہی لوگوں کا مرکز بن رہا ہوں گا کیا مجھ سے محبت کرنے والا تیرے جہاں میں کوئی نہیں اے میرے خدا میں اب یہ ظلم اور برداشت نہیں کر سکتا یا تو تو مجھے اپنے پاس بلا لے اور یا ایسی طاقت دے دو کہ میں ہمیشہ کے لیے اس دنیا کی محبتوں کا مرکز بن جاؤں میرے خدا میری دعا قبول کر لے اگر دنیا ہے تو عزت کی زندگی دے میں اس ذلت کی زندگی سے تنگ آ گیا ہوں میرے خدا مجھ پر رحم کر۔

سوہنو پاگل اتنا کہ مگر خدا کے حضور سجدہ میں جھک گیا اور اس کو یاس دعا نے عرش کا ہلا کر رکھ دیا خدا کو اس پر رحم آگیا اور اس کی دعا قبول ہوئی اچانک زوردار بجلی گڑکی اور سوہنوں پاگل پر آگری اور سوہنوں پاگل کے جسم کو آگ لگ گئی وہ اس آگ کی وجہ سے پاگل بھی نہ رہا بلکہ اسی طرح ہی سجدے میں گر رہا اس آگ کی وجہ سے ہر طرف دھواں ہی دھواں ہو گیا جب یہ دھواں چھٹا تو بارش بھی بند ہو گئی تھی یوں لگ رہا تھا جیسے ہیرا چکا ہے کیونکہ وہ ابھی تک سجدے میں تھا۔

اچانک غیب سے آواز آئی سوہنو خدا نے تیری دعا قبول کر لی ہے اور تجھے ایسی طاقت سے نوازا ہے کہ تیرے مقابلے کا اس دنیا میں کوئی نہیں یہ طاقت خدا کی نعمت ہے تو اسے بھی اپنے لیے استعمال نہ کرنا بلکہ خدا کی مخلوق کا محافظ بننا سوہنو اپنے دونوں ہاتھ اوپر کر جیوانے سجدے سے اٹھ کر اس کی دونوں آنکھیں ابھی تک بند تھیں یونہی اس نے ہاتھ اوپر اٹھائے اس کے ہاتھ میں ایک چمکدار طلسمی کھوار آگئی جبکہ دوسرے ہاتھ پر ایک عقاب آبیضا تھا غیب

سے آواز آئی سوہنو یہ خدا کا تختہ ہے یہ طلسمی کھوار میری حفاظت کرے گی جبکہ عقاب تجھے دنیا سے باخبر رکھے گا آنکھیں کھول اور چل اس دنیا سے ظلم کا خاتمہ کر دے سوہنو نے یونہی آنکھیں کھولیں وہ حیران رہ گیا کیونکہ نہ صرف خدا نے اس کو یہ دو تحفے دیئے تھے بلکہ اسے ایک طاقت جسم کا مالک بھی بنا دیا تھا۔ اس کا پاگل پن بھی دور ہو چکا تھا وہ اب اس جنگل میں ہی رہنے لگا۔ ایک دن سوہنو نے سوچا کہ شہر جا کر حالات کا جائزہ لینا چاہئے دن رات سفر کرتے ہوئے سوہنو ایک شہر میں جا پہنچا جہاں دور دور تک کسی آدم زاد کا نام و نشان بھی نہ تھا شہر کی گلیاں اور سڑکیں اسی طرح ہی تھی جیسے یہاں ابھی کسی نے صاف کیا ہو مکان بھی باہر سے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ آباد ہی نہ ہوں لیکن ان میں کوئی بھی نہیں تھا۔

سوہنو یہ صورت حال دیکھ کر پریشان ہو ہو گیا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس خوبصورت شہر کے باسی کہاں گئے ہیں وہ ابھی اسی پریشانی میں ڈوبا ہوا تھا کہ اسے دور ایک بوڑھا آدمی دکھائی دیا وہ حیرتی سی اس کی طرف بڑھا اور پوچھا بابا جی اس شہر کے رہنے والے کہاں گئے ہیں۔

بیٹا اس شہر کو نہ جانے کسی کی نظر لگ گئی ہے ہم لوگ پہلے یہاں خوش رہتے تھے ایک دن ایک بلا اس شہر میں آئی اور بہت لوگوں کو اٹھا کر لے گئی وہ بلا ایسی ہے جو کسی کو نظر نہیں آتی پہلے تو ہمارے دلوں میں عجیب خیال تھے لیکن بعد میں یہ حقیقت کھل گئی وہ نظر نہ آنے والی بلا کسی جادوگر نے اس شہر میں بھیجی تھی اس جادوگر نے آہستہ آہستہ تمام شہر کے لوگوں کو اغوا کر لیا اور ان انوار ہونے والوں کا کچھ پتہ نہیں تھی کہ جادوگر انہیں کہاں لے گیا اور ان کا کیا حشر کیا معلوم نہیں وہ لوگ زندہ بھی ہیں یا نہیں اس جادوگر انہیں ہلاک کر دیا یا پھر پتہ نہیں۔

بوڑھے کی آنکھوں میں آنسو جاری ہو گئے سوہنو

پاکل نے جو یہ حقیقت سنی تو اس کے تمام جسم میں ایک عجیب سے سنسناہٹ ہوئی اس نے بوڑھے سے جادوگر کا پتہ جاننا چاہا لیکن اسے اور کچھ علم نہ تھا سوہنو نے دل میں عہد کیا کہ وہ اس جادوگر کا خاتمہ نہیں کر لیتا سکون سے نہیں بیٹھے گا اس نے عقاب کو جادوگر کی تلاش میں بھیج دیا اور خود بھی اسے تلاش کرنے نکل پڑا اس کی دن اسی طرح اس گزر گئے مگر اسے کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی عقاب روزانہ آکر اسے ملتا سوہنو کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح جادوگر تک پہنچے ایک دن عقاب جیوانے کو اطلاع دی کہ دوسرے شہر سے بھی کئی لوگ عائب ہیں جیوانے تیزی سے اس شہر کی جانب چل پڑا جہاں سے لوگ عائب ہو گئے تھے اس شہر میں پہنچ کر جیوانے لوگوں سے اس بلا کے متعلق پوچھا لیکن کسی کو کچھ پتہ نہ تھا تمام لوگ اس بلا کے خوف سے سنبے ہوئے تھے سوہنو نے اس شہر کی نگرانی شروع کر دی کیونکہ اسے یقین تھا کہ وہ بلا ضرور دوبارہ آئے گی۔

کئی دن گزر گئے لیکن وہ بلا نہ آئی نہ ہی کوئی آدمی عائب نہ ہوا تھا سوہنو کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اب کیا کرے کسی طرح اس بلا تک پہنچے ایک صبح اسے پتہ چلا کہ رات بھر وہ بلا آئی تھی بہت سے آدمیوں کو مار کر کے لے گئی ہے اسے اپنے آپ پر بہت غصہ آ رہا تھا کیونکہ اس نے پہرے دار میں سستی کر دی تھی عقاب صبح دیر بعد اس کے پاس پہنچ گیا سوہنو اسے دیکھتے ہی سمجھ گیا تھا کہ وہ ضرور کچھ خبر لائے گا کہ وہ دوست اس بلا کے متعلق کیا کچھ معلوم ہوا ہے مجھے اس بلا کا اس وقت علم ہوا جب وہ کئی آدمیوں کو مار کر لے جا رہی تھی میں نے بہتر یہی سمجھا کہ اسکا پیچھا کروں میں اس کا پیچھا کرتے ہوئے شہر سے دور پہاڑی علاقے میں پہنچ گیا اس بلا نے تمام آدمیوں کو ایک پہاڑ میں دے مارا اور یہ دیکھ کر میں حیران رہ گیا کہ تمام لوگ پہاڑ سے نکل کر گرنے کے بجائے اس

میں اندر ہی گئے ہیں عقاب نے اس بلا کے متعلق بتایا سوہنو نے جو یہ حقیقت سنی وہ بہت حیران پریشان ہوا اس نے عقاب سے کہا کہ وہ اسے اس جگہ لے چلے جہاں وہ طلسمی پہاڑ ہے۔

عقاب تیزی سے ایک طرف ہواڑ نے لگا سوہنو بھی تیزی سے ایک طرف اس کے پیچھے بھاگنے لگا تھا تھوڑی دیر میں وہ پہاڑی علاقے میں پہنچ گئے عقاب ایک بڑے پہاڑ کے سامنے رک گیا اور اس کی طرف اشارہ کر کے کہا سوہنو یہی ہے وہ پہاڑ جس میں اس بلا نے آدمی عائب کیے تھے سوہنو یہ سنتے ہی تیزی سے آگے بڑھا اس پہاڑ کے قریب جا کر اس نے تلوار نکالی اور پوری قوت سے پہاڑ پر دے ماری اس کی تلوار تیزی سے نکل گئی سوہنو نے محسوس کیا کہ اس کی تلوار کسی بھی پتھر سے نہیں نکلائی اچانک کچھ سوچ کر اس نے آنکھیں بند کر لی اور پہاڑ میں زور سے نگر ماری سوہنو نے محسوس کیا جیسے وہ پہاڑ سے نکلنے کے بجائے کسی کھائی میں گر پڑا ہو تھوڑی دیر کے بعد وہ بے ہوش ہو گیا جب سوہنو کو ہوش آیا تو اس نے خود کو ایک سرسبز باغ میں پایا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح اس جگہ آ پہنچا ہے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد اس نے یہی فیصلہ کیا کہ وہ جادوگر کے طلسم میں پھنس چکا ہے سوچ کر وہ ایک طرف کو ہٹ پڑا تا کہ جادوگر کو تلاش کر سکے۔ اچانک اس کے سامنے ایک بہت بڑا جن آ گیا اس کے ہاتھ میں تلوار تھی سوہنو نے بھی میان سے طلسمی تلوار نکالی اور مقابلے کے لیے تیار ہو گیا جن نے زبردستی وار کیا سوہنو نے وار تلوار سے روکا اور یوں دونوں نے خونی جنگ شروع کر دی آخر سوہنو نے ایک بھاری وار کر کے جن کی گردن تن سے جدا کر دی اور سامنے ایک دیوار تھی سوہنو نے تلوار وار دیوار پر کیا اور ایک شکاف ہو گیا اس نے سامنے دیکھا تو وہ ایک بڑے کمرے میں پہنچ گیا تھا اس کمرے میں ہر طرف ہی بہت آدمی بیٹھے ہوئے تھے لیکن سب کے

ہی اندھیرا پھیل گیا جب اندھیرا چھٹا تو سوہنو پہاڑی
علا تے میں اس جگہ کھڑا تھا جہاں وہ پہاڑ میں داخل
ہوا تھا اس کے علاوہ اور بھی بہت تعداد میں لوگ جمع
تھے سوہنو نے خدا کا شکر ادا کیا جو اس ظالم جادوگر کا
خاتمہ ہوا ان تمام لوگوں نے سوہنو کا شکر یہ ادا کیا یہ وہ
لوگ تھے جو جادوگر کے جادو سے پتھر بنے ہوئے تھے
وہ تمام اس جادوگر کی موت سے بہت خوش تھے سوہنو کا
عقاب بھی اس کے پاس پہنچ گیا تھا سوہنو نے سب
سے اجازت لی اور پھر سے انجانی منزل کی طرف چل
پڑا۔ (ختم)۔

میری ساری زندگی
مجھوں کی تلاش میں گزری
اس راہ گز پر ہاتھ لہو لہاں
اور دھوڑ رہ رہ رہ
یہ دکھ میں نہیں کر سہہ لینا
اگر سچی محبتیں
اجنی حکمتوں کے مقام پر ملتی
دکھ یہ پہنچیں کہ محبتیں نہیں
نہیں یہ ہمارے دشمنوں نے اپنا مان کھودیا
ناصر، سرگودھا

میں سوچتا ہوں
تیرا یہ محبت سے نہیں آتا
میرے غموں پاؤں اس ہوتا
میری خوشیوں میں شریک ہوتا
میں روٹھ جاؤں مجھے مٹاتا
نظر نہ آؤں بے سکون ہوتا
کہیں تیری عادت تو نہیں
میں ٹکی لڑکاف ایسا ہوں
کہ کہیں بھی تیری محبتوں میں
کبھی بھی کی ہوئی

سب پتھر کے تھے سوہنو تیزی سے کمرے سے نکلا اور
جادوگر کو تلاش کرنے لگا سوہنو نے اس جگہ موجود تمام
کمرے دیکھ لیے لیکن اسے جادوگر کہیں دیکھائی نہیں
دیا اچانک اس کے پیروں میں ایک زنجیر پڑ گئی اور
اسے زمین میں کھینچنے لگی اس نے اپنے آپ کو زنجیر
سے چھڑانے کی بہت کوشش کی لیکن ناکام رہا زمین
کے نیچے ایک قید خانہ تھا وہ اس میں قید ہو گیا اس قید
خانے میں ایک طرف سلاخیں لگی ہوئی تھیں سوہنو نے
جب سامنے دیکھا اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رو گئی
سامنے بہرام جادوگر آنکھیں بند کیے ہوئے بیٹھا تھا
اس کے سامنے چھوٹے چھوٹے کئی چراغ جل رہے
تھے ان چراغوں میں اوپر لٹکے ہوئے ایک آدمی کا
خون قطرہ قطرہ کر کے ٹپک رہا تھا یہ منظر دکھ کر سوہنو
غصے سے پاگل ہو گیا اس نے طلسمی تلوار کے ایک ہی
وار سے تمام سلاخوں کو کاٹ دیا اور قید سے باہر نکل آیا
اس کے وہ بہرام جادوگر تک پہنچا ایک زوردار گھونسلہ
اس کے منہ پر پڑا اس نے اپنے ارد گرد دیکھا لیکن
وہاں کوئی نہ تھا یہ صورت حال دیکھ کر وہ پریشان ہو گیا
اچانک ایک گھونسلہ اور اس کے منہ پر لڑکھڑاتا ہوا پرا
سوہنو مضبوطی سے اپنی تلوار کو تھام اس سے پہلے کہ وہ
نہیں بلا اس پر کوئی وار کرے سوہنو نے پوری قوت سے
چاروں طرف تلوار گھمائی اور ایک زوردار چیخ بلند ہوئی
اور پھر سناٹا چھا گیا کہ ہلاک ہلاک ہو گئی ہے اس بلا
کے ہلاک ہوتے ہی بہرام جادوگر کھڑا ہو گیا اس نے
جو پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا
اس نے غصے سے گرجتے ہوئے کہا اے بد بخت آدم
زاد تو نے میرے طلسم کو توڑنے کی کوشش کی ہے اب
میں تمہیں اس کی سزا دینے والا ہوں اسے دیکھ کر
تمہاری روح بھی کانپ اٹھے گی یہ کہہ کر وہ اس کی
طرف بڑھا اس سے پہلے کہ وہ سوہنو تک پہنچتا سوہنو
نے ایک زبردست وار کر کے اس کے سر تن سے جدا
کر دیا جادوگر کے ہلاک ہوتے ہی ہر طرف اندھیرا

محرم مجرم۔۔۔۔۔

”وہ صرف اپنے خدا سے مانگنا چاہتی تھی لیکن اس کے شوہر اور ساس نے اسے انسان سے مانگنے پر مجبور کر دیا۔۔۔۔۔ اور ایک دن۔۔۔۔۔“

ماں کی صرف ایک خواہش تھی کہ ان کے سونے آنگن میں بہو پھول کھلا دے اور یہ کوئی انوکھی بات نہ تھی لیکن بہو مجبور تھی۔ سب ٹھیک تھا لیکن اللہ کے ہاں سے دیر تھی۔

یہ کام صرف اس خوبصورت کائنات کے مالک کا تھا کہ وہ اپنی اس حسین دنیا کے ایک کونے میں بنے چھوٹے سے گھر میں بھی تھوڑی سی رنگینی پیدا کر دے۔ اس آنگن کی الٹنی چڑھنے کے لئے ننھی منی فرائیکیں، موزے اور کپڑے ہوں۔ برآمدے میں ٹوٹی چوڑیوں کے ٹکڑے ہوں۔ ہرے والے اور اوڑے پیلے رنگین کپڑے۔

بھی ان کی کو نظر کی کمزوری کے باعث کھلونوں پر سے پھسل کر ٹھوکر لگے وہ گرتے گرتے نہیں۔ اور کبھی ان کے پاک بستر پر گندے بیروں سمیت چڑھ جائے۔ کئی کوئی ننھا منا وجود ان کا چشمہ توڑ ڈالے اور وہ کئی روز نیا چشمہ آنے تک اپنے بیٹے سے پیار بھرا شکوہ کرتیں رہیں۔

”مارے شاہد! میرا چشمہ تو بنالاجینا کتنے ہی روز گزر گئے تیرے صاحبزادے نے توڑ ڈالا تھا۔ قرآن پاک پڑھنے میں مشکل پیش آتی ہے۔“

لیکن وہ لاکھ سوچتیں کوئی سراہا تھا ہی نہ آتا۔ بہو تھی تو اشی فرما نہ دار کہ اس سے ان کو کوئی شکایت ہی نہ تھی۔ وہ خواہ مخواہ اس کے خلاف بات کر کے اپنے ایمان کو کیسے قینچی لگائیں۔ اور بیٹا تھا تو اس قدر سعادت



مند کہ ضرورت کے اظہار کی نوبت ہی نہ آتی۔ پوچھ گچھ، دوا دارو، پھل فروٹ، کپڑا اور خدمت گزاری میں دونوں ایک دوسرے پر سہقت لے چکے تھے۔ لیکن کیا تھا کہ سونے آگن کو قلقاریوں کی ضرورت تھی۔

بھرپور اگھر تھا لیکن اتنا صاف ستھرا کہ کمرے سے صفائی کی مہک آتی تھی جو اماں جی کو ریڑھ کی ہڈی تک بخند کر دیتی تھی۔ اور اماں کو ہول اٹھتے تھے۔

بہو کو اور کون سے کام ہیں۔ گھر کی دیکھ بھال اور تفریح۔

نوکر تھے تو ان کے ہاتھ چیزوں کو سنوارنے میں لگے رہتے تھے اور ماں بی کا دل چاہتا تھا۔

اس سجاوٹ کو کوئی بگاڑنے والا بھی تو ہو۔ مہینوں چیزیں ایک حالت میں بیڑی رہتی تھیں۔ کوئی میزوں کے کپڑے کھینچ کر اوپر پڑی چیزیں توڑ ڈالنے والا نہ تھا۔ بہو کی سنگار میز۔ اپورنڈ خوشبوؤں سے اٹی رہتی لیکن وہی مخصوص خوشبو جو وہ تیار ہو کر نکلتی تو گھر میں پھیل جاتی۔ کبھی ایسا نہ ہوا کہ دن کے کسی حصے میں اچانک کوئی شیشی گری ہو تو خوشبو کے ساتھ تیز آوازوں اور بچے کے ساتھ ماں کے چیخنے چلانے کی آوازیں آتی ہوں۔ رات بھر کبھی کسی کے کان دور ہوتا نہ پیٹ میں۔ سب کچھ سونا تھا۔

اماں تو وہ داوی تھیں جن کو بچے کھلانے کا شوق شاہد کے گود میں آتے ہی شروع ہو چکا تھا۔ لیکن شاہد نے اس مسئلے پر سوچنا بند کر دیا تھا۔ وہ ایک ہی ایک تو بیٹا تھا۔ لیکن اس کی سوچیں ماں سے تو مختلف تھیں۔ ماں کا تو یہ عالم انہوں نے جب بھی فقیر کو خیرات دی۔ ایک جیسے جیلے پہ آمین کہا۔ ”بی بی! اللہ ایک سے شہر آباد ہو خیرا۔ سات پوتوں کا منہ دھلاؤ۔“ اور بی بی اللہ بے ہاں دن رات دعاؤں کا ذخیرہ کرتیں رہیں کہ امید پہ دنیا قائم ہے۔ وہ امیدیں باندھتی رہیں کبھی کسی کو خالی ہاتھ گھر سے نہ جانے دیا۔ مگر جب لونے

کا وقت آیا تو اس خزانے میں سے واپسی کی کوئی امید نہ نظر آئی۔

پورے تیرہ برس بیت گئے۔ ان کو بہو بیٹے سے کوئی شکایت ہی نہ تھی۔ حالانکہ لوگوں نے بہترے کان بھرے۔ لیکن وہ بیٹے سے مطالبہ نہ کر سکیں۔ ان کو معلوم تھا کہ ان کی بہو پڑھی لکھی ہے۔ وہ خود اپنے شوہر سے کہہ چکی ہے۔ کہ بے شک اسے اس کی دوسری شادی سے وہی دکھ ہوگا جو ایک عورت کو ہو سکتا ہے اور وہ اپنے شوہر کی دوسری شادی کے بعد اس کے پاس بھی نہیں رہے گی۔ کیونکہ وہ لاکھ بہادر ہو لیکن اتنی بھی نہیں کہ سو کن گوارا کر لے اس لئے کہ جب وہ خود یہ برداشت نہیں کر سکے گی کہ اس کا شوہر اس کی موجودگی میں کسی دوسری عورت کا ہو جائے تو دوسری عورت بھی سو کن کا وجود برداشت نہیں کر پائے گی۔ تو وہ جب اولاد کے لئے یہ قدم اٹھائے گا اس کا پہلا کام یہی ہوگا کہ وہ فوزیہ کو حلاق دے دے۔

لیکن شاہد فوزیہ کو طلاق نہیں دے سکتا تھا۔ یہ اس کے لئے ناممکن ترین تھا۔ سب سے پہلی وجہ تو یہ تھی کہ فوزیہ اسے بہت پسند تھی وہ دل و جان سے اسے چاہتا تھا۔ وہ مرد تھا بچے کیلئے اس کا دل بھی ہنسنا رہتا لیکن بچے کے عوض وہ فوزیہ کو چھوڑ دے۔ یہ ہرگز ممکن نہ تھا۔ لہذا اس نے فوزیہ کے علاوہ سوچنا چھوڑ دیا تھا۔

اس روز بہت شدید بارش ہوئی تھی۔ چھاجوں پانی برس رہا تھا۔ شاہد نہیں گیا ہوا تھا۔ اماں کے پیروں میں بہت درد تھا۔ ملازم اپنے بچوں کے ہمراہ کواٹروں میں رُکے ہوئے تھے۔

فوزیہ نے اپنی طویل و عریض بیدروم کے سامنے والی شیشے کی کھڑکیوں کے پردے ہٹا دیے۔ اس کا دل بے طرح اداس تھا۔ گرم بستر میں ننھے منے گلابی ہاتھوں والے بچے کی طلب اسے تڑپا رہی تھی۔ اس کا شوہر اس کی سوچ پڑھ لیتا تھا اور ایسی تڑپ کا زک اپنی مضبوط بانہوں کی طرف موڑ دیتا تھا۔ لیکن اس وقت وہ

گھر پر موجود نہ تھا۔

پچھلے کئی روز سے وہ اپنی ماں کی طرف بھی نہیں جا رہا تھا۔ حالانکہ وہ بیمار تھی اور بدن کے جوڑوں کا وردا نہیں بہت بے بس کر چکا تھا۔

”شاہد! تمہیں اماں کا خیال رکھنا چاہیے۔“ موقع پا کر اس نے صاف دلی سے کہا۔

”ہاں مگر میرا دل نہیں چاہتا۔ اماں مجھے کچھ نہ کچھ بھی رہتی ہیں۔ مثلاً یہی کہ ان۔۔ کو بچوں کی

ضرورت ہے۔

”تو؟“

”یہی کہ میں کسی کا بچہ گود لے لوں۔“

”تمہارا کیا خیال ہے؟“ فوزیہ اس پر نگاہ جما کر بولی۔

”میرا بچہ وہی ہوگا جو میری بیوی کی کوکھ سے جنم لے گا۔ مجھے وہ بچہ نہیں چاہیے جو مانگنے مانگے کا

کہلائے۔“ اس کے لمحے میں چھپی اعلیٰ حقیقت بڑی واضح تھی۔

”بے اولاد بچے گود لے ہی لیا کرتے ہیں۔“ اس کی بات نے اس کی دکھتی رنگ کو چھوڑا۔

پیشانی پر ان گنت شکنیں ڈال کر اس نے فوزیہ کی طرف دیکھا تو اس نے نگاہیں جھکا دیں۔

وقت دھیرے دھیرے گزر رہا تھا۔ اماں کے مطالعے میں شدت آچکی تھی۔ بے زاری کے سائے

اسنے گہرے ہو گئے کہ درود یوار سے لپٹنے لگے۔ آخر جب ضبط کا یا راندہا تو اماں خود ہی جوڑوں کا درد بھول

کر اس کے پاس آ گئیں۔

سیاہ اور پیلے پھولوں والا سوٹ پہنے۔ بالوں کو نئے انداز میں سنوارے ہاتھوں میں پرس اور گاڑی کی چابی تھامے وہ شاید کہیں جا رہی تھی۔ انہوں نے پہلی بار اس کو تنقیدی نظروں سے دیکھا رک رک کر بولیں۔

”بہو! تمہاری لاپرواہی دن بدن ہمارے درمیان اجنبیت کی دیوار کھڑی کر رہی ہے۔“ وہ اماں کے لہجے میں سٹھکی تلخی محسوس کئے بناندرہ سکی۔ اور نگاہیں جھکا کر رہ گئی۔ حالانکہ وہ کہنے کو بہت کچھ کہہ سکتی تھی۔

”شاید! کے دوسرے بھائی جو سگے نہ سہی لیکن آپ کی بہن کے بیٹے ہیں۔ ان کے گھر میں تو اولاد نہیں۔ لیکن وہ لوگ ہاتھ دھو کر نازیہ کے پیچھے نہیں پڑے ہوئے۔“

”بہو میرا کہنا مان لو۔ چھوڑو ان ڈاکٹروں کے چکر۔ کچھ اللہ رسول سے لو لگاؤ کچھ تعویذ دھاگا کراؤ۔ مجھے تو لگتا ہے کسی نے جادو کیا ہوا ہے۔“

”اماں! مجھے نہیں تعویذ گنڈوں کا اعتبار۔ کون میرا ایذا دشمن ہوگا جو یہ چاہے گا کہ بچہ نہ ہو۔“ اس نے اماں کی طرف دیکھے بغیر کہا تو وہ چپ چاپ باہر چلی گئیں۔

چند روز اور چپ چلتے گزر گئے۔ وہ اماں سے کھنٹی کھنٹی سی رہنے لگی لیکن شاید اماں نے اس کی بہتری کا حل ڈھونڈ نکالا تھا۔

”بہو میں تم پر اپنا حق سمجھتی ہوں۔ اسی وجہ سے تمہیں کہتی ہوں۔“

”آپ کیا چاہتی ہیں ماں جی جو میرے اختیار میں ہوگا میں ضرور کروں گی“ وہ سنجیدہ تھی۔

”ایک بابا ہیں تم میرے ساتھ کے پاس چلو۔ زرینہ کی اماں بتا رہی تھی کہ وہ کوئی ایسے ویسے بندے

نہیں بس ہمارے تمہارے جیسے ہیں اور کوئی لالچ وغیرہ نہیں رکھتے۔ فی سبیل اللہ جو کچھ بھی ہو کرتے ہیں اور کئی عورتوں کی مراد پوری ہوئی ہے۔ میں چاہتی ہوں تم میرے ساتھ ان کے پاس چلو۔“

”لیکن ماں جی آپ کو علم ہے مجھے ان باتوں وغیرہ پر یقین نہیں۔ اور پھر ان کی جو کہانیاں زمانہ سناتا ہے۔ اگر ان میں ذرا سی بھی صداقت ہو تو پھر عورت تو ماری گئی۔“

”ایک بار ہوا آنے میں حرج ہی کیا ہے۔ مگر ایک بات کا خیال رکھنا شاید کوئی الحال نہ بتانا۔“ اماں اس کے لہجے کی تلخی کو نظر انداز کر کے بولیں۔

”ٹھیک ہے ماں جی! ایک بار تو میں آپ کے کہنے پر جا رہی ہوں لیکن اگر وہ آدمی مجھے اچھا نہ لگا تو میں دوبارہ نہیں جاؤں گی۔ یہ جتن ابھی سے کہہ دیتی ہوں۔“

”تو ایک بار تو جا۔“ اماں پر امید تھی۔

دوسرے روز جب صبح شاہد آفس چلا گیا تو اماں اپنے پروگرام کے مطابق کام کرنے والی زرینہ کی ماں کے ساتھ فوزیہ کو لے کر چل دیں۔

”وہ بابا وغیرہ تو ہرگز نہ تھا۔ بلکہ اس نے صاف بتایا تھا کہ وہ ایک اچھی جاب پہ فائز ہے اور بائجھ عورتوں کے ڈکھ درد کرنے کے لئے تھوڑا سا ٹائم نکال کر وہ ان کو ضروری وظیفے بتاتا ہے۔ یا خود ان کے لئے چلہ کشی کرتا ہے اسے کوئی لالچ نہیں دھتئی انسانیت کے لئے اگر اس کے پاس کوئی آتا ہے تو وہ اس کی مدد کیلئے حاضر خدمت ہے۔“

فوزیہ بوکی کی سفید چادر اوڑھے نظریں جھکائے چپ چاپ وہاں بیٹھی رہی زرینہ کی ماں اور اماں

نے پوری کہانی سنائی اور بابا جی سر ہلاتے رہے انہوں نے آنکھ اٹھا کر بھی فوزیہ کو نہیں دیکھا۔ لیکن فوزیہ نے انہیں ضرور دیکھا۔ وہ ان سے خاصی متاثر ہوئی۔ بڑی کم عمری میں وہ بڑے اونچے منصب پر تھے۔ سرخ و سفید بڑی بڑی آنکھیں اور جلالی صورت والے بزرگ نما انسان جن کا نام تو معلوم نہیں تھا۔ لیکن بابا جی کہلاتے تھے جبکہ وہ بابا جی ہرگز نہ دکھائی دیتے تھے۔ فوزیہ نے صرف ایک بار نگاہ بھر کر بابا جی کو دیکھا اور ان کا ہر جواب دینے کیلئے ان کے قریب بیٹھ گئی۔

بابا جی منہ ہی منہ میں کچھ پڑھتے رہے اور پھر بولے۔

”گھبرانے یا فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ خاتون! آپ آئندہ اپنی ہو گون لائیں۔ بلکہ آپ خود آئیں اور مجھے آپ کو جو کچھ بھی دینا ہو گا دیتا رہوں گا۔ اگر آپ بھی نہ آسکیں تو اپنے صاحبزادے یعنی ان کے شوہر کو بھیج دیں۔ اللہ تعالیٰ کرم کرے گا۔“

فوزیہ نے گھبرا کر ساس کو دیکھا تو اماں نے فوراً کہہ دیا۔ ”میں خود ہی آ جایا کروں گی جی۔“

پھر فوزیہ چادر سنھالتی ہوئی ساس کے ساتھ باہر آ گئی اس کے بہت سارے شکوک اور خدشات بابا کو دیکھ کر ختم ہو گئے تھے اس کے ہاتھ میں وہ چند تعویذ تھے جو اسے صبح و شام پانی میں گھول کر پیتا تھے۔ کچھ دم کی ہوئیں الانچیاں تھیں۔ اور بس۔

پتہ نہیں یہ اس کا خیال تھا یا تعویذ کا اثر تھا کہ یہاں تعویذ حلق سے اترتے ہی اسے اپنے اندر خوشگوار سی تبدیلی کا احساس ہوا۔ دن بھر وہ ہلکی پھلکی سی رہی۔ نہ سستی تھی نہ پڑمردگی اور نہ ہی اداسی کا نام و نشان تھا۔ بلکہ وہ سارا دن سرور سرور اور شگفتہ رہی۔

دوسرے اور تیسرے دن تو اس کے پورے سراپے پر ایسا نکھارا اور دلکشی تھی کہ شاہد نے چونک کر اسے

دیکھا۔ ”کیا بات ہے فوزیہ! تم میں میں بہت نمایاں تبدیلی محسوس کر رہا ہوں۔“

”اچھا۔“ وہ شوخی سے بولی۔ آگے آگے دیکھے ہوتا ہے کہا۔“

”کیوں کیا مجھ سے کچھ چھپایا جا رہا ہے۔“ اس نے معنی خیز انداز میں فوزیہ کو دیکھا شاہد کے خیال

میں خوشخبری ہی ہو سکتی تھی۔ لیکن اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ آجکل ساس بہو کن چکروں میں پڑی ہیں۔

نوچندی کے پہلے ہفتے میں باباجی نے اماں کے ہاتھ کھلوا بیجھا کہ جو سے ضروری سوالات کرنے

ہیں لہذا اسے ایک بار لانا پڑے گا۔ فوزیہ پھر بگڑ بیٹھی۔ ماں جی۔ بے شک مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن ناچا

نے کیوں میرا اعتقاد نہیں ان باتوں پر میں صرف اور صرف اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھتی ہوں۔“

”تو تو وہم ہے تیرا فوزیہ! اور نہ میں دیکھ رہی ہوں۔ بڑا قائدہ ہوا ہے تجھے۔ دنوں میں تیرے چہرے

پر شادابی آگئی ہے۔ مجھے امید ہے۔ فوزیہ اگر تو نے مکمل علاج کروا لیا تو مولا پاک تیری گود ضرور بھر دے گا۔“

فوزیہ چپ کی چپ رہ گئی ساس کا اتنا بے پناہ اعتماد جھٹلانا اسے اچھا نہ لگا۔

جمعرات کو وہ اماں کے ہمراہ پھر گئی۔ باباجی نے ضروری سوالات پوچھ کر اسے کہا کہ وہ اگلی جمعرات

اس کے بت کے برابر دھماکے پر کچھ پڑھ کر دم کمرس گے۔ لہذا اگلی جمعرات اسے پھر تکلیف کرنی پڑے

گی۔

”تکلیف کیسی حضور۔ ہم آنکھوں کے بل چل کر آئیں گے۔ اماں نے فراغ دلی کا مظاہرہ کیا۔

لیکن اگلی جمعرات کو وہ جانے کے لئے وہ ہرگز تیار نہ تھی۔ وہ اماں! میں نے کہا نا۔ میں اللہ کے سوا کسی سے امیدیں وابستہ رکھنا سمجھتی ہوں۔

”بیٹی۔ پیر فقیر خدا تو نہیں ہوتے۔ مگر خدا سے خدا ابھی نہیں ہوتے اور کوئی نہ کوئی وسیلہ ہوتا ہے۔“
 ”دیکھو ناں۔ اگر کہیں مقدس پھنس گیا ہے تو وکیل کو کرنا ہی پڑتا ہے تاکہ وہ اپنی اس قابلیت اور علم کی بدولت مشکل آسان کر دے جو اس کے برسوں کی محنت کے بعد حاصل کی۔ کسی اچھی چیز کے حاصل کرنے کیلئے وسیلہ بنانا پڑتا ہے۔ یہ لوگ مدتوں کی عبادتوں اور ریاضتوں کے بعد خدا سے اتنے قریب ہوتے ہیں کہ ہمیں جو دعاؤں کا طریقہ سیکھ نہیں ہوتا۔ اس تک پہنچا کر فیض پہنچاتے ہیں اور ان سے عالم کو فیض ملے۔“

اس کا دل چاہا کہ اماں! خداوند تعالیٰ سے زیادہ اپنے بندوں کو پیار کرنے والا کون ہے۔ ماں سات دفعہ پیار کرتی ہے۔ وہ ذات پاک ستر دفعہ اپنی محبت کی برسات کرتا ہے اور پھر اس نے اپنے اور بندے کے درمیان رابطے کا وہ وسیلہ بنایا ہے کہ انسان کو کہیں نہیں جانا پڑتا۔ کسی کے گھٹنے نہیں چھونے پڑتے وہ تو شررگ کے قریب ہے۔ جب پکارو گے اپنے قریب پاؤ گے اور پھر جو دکھ مجھے ہے۔ جو دان میرے سینے پر ہے اس کی کک اور درد سے بلک کر میں اپنے لئے پوری سچائی سے مانگوں گی۔ یا میری خاطر کوئی اور مانگے گا۔ اس کو کیا پتہ میں کون ہوں؟ وہ تو اپنے پاس اس دکھ میں آنے والی سینکڑوں عورتوں میں سے ایک سمجھے گا۔ اس کیلئے تو میرے درد کی حقیقت ثانوی ہوگی۔ اسے کیا علم کہ اپنے اپنے ذکھوں کی صلیب اپنے اپنے کاغذوں پہ اٹھائے چلنے والوں کے راستوں کی دشواریاں کٹھنایان اور نشیب و فراز جدا ہوتے ہیں۔ کیوں

مجھے میرے اعتقاد سے ہٹانا چاہتی ہو، لیکن وہ کچھ نہ بولی سکی۔ لیکن اس نے یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ شاہد کو ضرور بتائے گی۔ وہ اس سے ہرگز نہیں چھپا سکی۔ ایسے لوگوں کی کہانیاں اس کو بے شک از بر تھیں۔ اور وہ جہالت کے ہاتھوں ماری جانے والی عورتوں کی داستانیں سن سن کر کانپ اٹھتی تھی جو ضمیر کے کٹھنوں میں ساری زندگی مجرم بن کر رہ جاتی تھیں۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ اب اگر شاہد اسے اجازت دے گا تو وہ جائے گی ورنہ نہیں۔

اس روز بدھ کی تیرہ اور نوچندی کا دوسرا ہفتہ تھا۔ اگلے روز جمعرات کا تھا اور اماں کے کہنے کے مطابق آج اس کے بت کے برابر اس شخص نے عمل کرنا تھا۔ جس کے بعد قدرت اسے گوہر مقصود عطا کرنے والا تھا۔ وہ سوچوں میں گم تھی۔ اور بہت دیر سے شاہد اس کے ڈانواں ڈول سوچوں میں گھولنے وجود کو محسوس کر رہا تھا۔

”فوزیہ!“

”جی وہ چوبک پڑی۔“

”خیریت؟“

”ہاں“

”پھر بھی؟“

”ایک الجھن ہے تو۔“

”تو بتاؤ کیا بات ہے؟“

”اماں مجھے ایک چر کے پاس لے کر جاتی ہیں۔“

”پھر؟“

”پھر یہ کہ مجھے پسند نہیں۔“

”تو نہ جاؤ۔“

”تمہیں برا نہیں لگا؟“

”اس میں برا لگنے والی کون سی بات ہے؟“ وہ ماں ہیں میری انہیں دادی کہلانے کا شوق ہے۔ اس

بے ضرر شوق کے ہاتھوں مجبور ہو کر آکر وہ کہل رہی ہیں تو کیا مضائقہ ہے؟“

”لیکن مجھے اچھا نہیں لگتا۔“

”کبھی کبھی انسان کو اپنی مرضی کے خلاف بھی کچھ کر لینا پڑتا ہے۔ اماں کی اگر یہ خواہش ہے تو تمہارا

کیا جاتا ہے۔ مان لو ان کی یہ معصوم خواہش۔“ وہ ہنس دیا۔

”ٹھیک ہے۔“ وہ سر جھکا کر رہ گئی۔ پھر اماں نے اسے آواز دی تو وہ بغیر کچھ کہے سے تیار ہو کر چل

دی۔

بابا نے اس سے کچھ سوالات کئے۔ لیکن اماں کی موجودگی میں وہ جواب نہ دے سکی۔

”ٹھیک ہے آپ اس کمرے میں آجائیں۔“ ایک عورت نے اسے پردہ ہٹا کر دوسرے کمرے

کا راستہ بتایا۔

بابا جی نے اسی عورت کو ایک شفاف پیالے میں تعویذ گھول کر دیا۔ جیسے تعویذ گھر میں بیٹی رہی

ہو۔ اس کے بعد بابا اس سے سوالات کرتے رہے اور جواب دیتی رہی۔

جانے کب بابا نے اس کے قد کے برابر دھاگہ ٹاپا۔ کب تک وہ ان کے سوالوں کے جواب دیتی رہی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا اس پر کسی اور ہی دنیا کے دروازے کھل چکے ہیں۔ دماغ میں حیرت انگیزی روشنی کے جھماکے ہو رہے تھے۔ اس کے ارد گرد جیسے حوریں فاخرانہ لباس میں گول مٹول ساہکتا ہوا بچے لئے کھڑی ہوں۔ اور وہ بچہ پا کر خوشی اور مسرت کے جذبات سے مغلوب ہو چکی ہو۔

وہ باہر آئی تو اماں نے ہو لے سے کہا۔ ”بہت دیر لگا دی۔“

”ہوں۔۔۔۔۔ دیر تو ہوگی۔“ وہ مخموری آواز میں بولی۔

بابا نے اماں کو بتایا۔ ”آج یہ بہت سوئیں گی گھبرانا نہیں مل کا اثر ہوگا۔“

اماں اسے لے کر سلام کر کے باہر آ گئیں۔ ان کی منہی میں دبے ہوئے تعویذ اور وہ رنگین دھاگے انہیں خواہشوں کے بر آنے کی تقویت میں سرشار کئے ہوئے تھے۔

نکلنے اس کے بعد نہ تعویذوں کی ضرورت رہی اور نہ دھاگوں کی۔ فوزیہ کے اندر ہونے والی تبدیلیوں نے خود ہی ظاہر کر دیا کہ اماں کی خواہش پوری ہونے میں جتنا عرصہ درکار تھا وہ انتہائی حسین تیاریوں میں گزارا جاسکتا تھا۔

فوزیہ نے یہ سارا وقت، بڑے آرام و سکون سے گزارا۔ اگرچہ اس کی مسلسل طبیعت گری گری سی رہی۔ اپنے اندر ہونے والی نئی اور انوکھی تبدیلیوں نے اسے ہراساں بھی کیا۔ لیکن جوں جوں وہ منزل کی طرف بڑھتی رہی اس کے اندر سکون کا اجالا پھیلتا گیا۔ اماں اور شاید اس کی ناز برداریاں کرتے تو وہ چڑسی

جاتی۔

”کمال ہے۔ میں کوئی نئی ماں تو نہیں بن رہی۔ دنیا کی ساری مائیں ان ہی مرحلوں سے گزرتی

ہیں۔“

وہ سارا کام کاج خود کرتی۔ بچے کے آنے کی تیاری میں یوں تو اس کی دادی نے زمین آسمان کے

قلا بے ملانے کی تیاریوں کے مترادف سب کچھ کیا لیکن فوزیہ نے بھی بھرپور تیاری کی۔

اللہ نے فوزیہ کو انتہائی خوبصورت چاند سا بیٹا عطا کیا تو اپنے پرائیوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ فوزیہ کی

آنکھوں میں فخر و انبساط سے ایک الگ طرح کا خمار تھا۔ ماں بن کر وہ کائنات کو جیسے پانچکی تھی۔ اس کے قد

موں تلے جنت سرک آئی تھی۔ ماں بنی اور شاہد نے اس کی کامیابی اور خوشی کے جشن کا اہتمام کرنا چاہا تو اس

بچے نے ہلک دیا۔ اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ جس کے فیض سے یہ بچہ حاصل ہوا اس کا شکر یہ ادا

کئے بغیر تو یہ جشن فاش ہے۔ اس کا جشن میں خود منا من کی مجھے ٹھیک ہونے دیں۔ کیونکہ اس کا مجھے پورا پورا

حق ہے۔ اس کے پورے سراپے پر لڑزہ طاری تھا۔ وہ چیخ چیخ کر رہی تھی۔

”یہ بچہ صرف اور صرف میرا بچہ ہے۔ سن لیا۔ اماں۔ صرف میرا بچہ اس لئے کہ اس بچے کو میں نے

نومادہ کوکھ میں رکھا۔ اس کی پیدائش کے مشکل مراحل سے گزری اور وہ مشکل تو کچھ ہی تھی اصل مشکل تو وہ

اذیت سے بھرا لمحہ تھا جو میں نے دعائیں مانگ مانگ کر گزارا۔ کہ یہ بچہ زندہ رہے۔ کیونکہ یہ میری ساس اور

شوہر کی مرضی سے دنیا میں آیا ہے۔ اس کو میرے انام کی پن سٹے ہاتھوں کوئی گزند نہ پہنچے۔ میں اسے زندہ

رکھنا چاہتی تھی تاکہ میں بھری عدالت میں اسے ثبوت کے طور پر پیش کر سکوں۔ اگر میری ساس اپنے بیٹے کی

چار شادیاں بھی کر لیتی تو اس کو یہ بچہ نہیں مل سکتا تھا۔ کیونکہ ہانجھ میں نہیں اس کا بیٹا تھا۔ یہ بچہ میرے شوہر کا نہیں۔ یہ صرف اور صرف میرا بچہ ہے۔ یہ بچہ اس غنڈے بد معاش کی کراہتوں کا ثمر ہے جس کے ہاتھوں بچے کی خواہشوں کی ماری وہ معصوم عورتیں اپنی عزت و حرمت کو بھینٹ چڑھاتی ہیں۔ جو میری طرح اپنے شوہروں اور ساس بندوں کی مرضی سے گناہ کی مرتکب ہوتی ہیں۔ لیکن میں ان بزدل عورتوں کی طرح ضمیر کی مجرم نہیں بن سکتی۔ میرے اندر اتنی جرات ہے کہ ایسے غنڈوں کو سر بازار کوڑے لگوا سکوں۔ شاہد دم بخود تھا۔ ایک نقطے کے الٹ پھرنے اسے اپنی بیوی اور خدا کے سامنے محرم سے مجرم بنا ڈالا تھا۔

اماں اور شاہد کا سر جھکا ہوا ضرور تھا لیکن اپنی ندامتوں کے سامنے نہیں فوزیہ کی جراتوں کے سامنے جو صرف اور صرف خدا سے مانگنا چاہتی تھی۔ لیکن انہوں نے اسے انسان سے مانگنے پر مجبور کر دیا تھا۔ 0000

ایس۔ اقبال (راحمہ) (کراچی)

راہِ رازِ الہی	چھپا کے دیکھ لیا	مگر نظر کیا وہ جھکا بھول گئے
دل جیتا کچھ جا کے دیکھ لیا	اور کیا دیکھنے کو ہائی ہے دلبر	لگا کر آگ میں بجھانا بھول گئے
آپ سے دل لگا کے دیکھ لیا	وہ میرے ہو کے بھی میرے نہ ہوئے	چلے گئے وہ دوستی کے ہم سے
ان کو اپنا بنا کے دیکھ لیا	آج ان کی نظرس کچھ ہم نے	بعد میں دوستی بھانا بھول گئے
سب کی نظر میں چپا کے دیکھ لیا	جس کی تکمیل غم بی ہو نہ سکی کاوش	دکھا کر راستہ پیار کا وہ ہم کو
☆..... سعید نواز خان کاوش - جنت النوال		ساتھ چلنا بڑی سادگی سے بھول گئے
		ہم انہماں تھے حسن والوں کے وعدوں سے
		پہ وہ وعدہ کر کے بھانا بھول گئے
		ہم کو تو وہ یاد آتے بہت ہیں مگر
		اک بار یاد کر کے ہم کو دوبارہ یاد کرنا بھول گئے
		☆..... ایم اکرام ساغر - خانوال

غزل

غزل بے خبر S کے نام

حیرتی یاد بن کے کانٹے جگر میں اتر گئے
جو یادوں کو سمیٹتا تو پھر خود بکھر گئے
دے کر ہمیں یادیں تم خود ہو گئے روپوش
اور دل کو درد دے کے تم جانے کدھر گئے
ہر جگہ ہے اذیت ہر سو ہے جدائی
کرتے ہیں تجھے یاد یہ نیناں بھر گئے
راتوں کو سناتی ہے حیرتی یاد کی پروا
حیرتی یاد کے سہارے وہ دن بھی گزر گئے
تم کو بھلانے کی کی تمہیں کوششیں ہزار
پر یادوں کے حبس پھول اور بھی نکھر گئے
کہنے کی کوئی بات دل میں ہی رہ گئی
لو کہتے ہیں یہی بات ہم تم پر ہی مر گئے
بس یادیں ہی کھاتی ہیں ان کے پیار میں اسے جان
رکنا انہیں سدا پھر تم تو چھوڑ گئے
نعیم جان۔ پشاور بورڈ

وزیر علی

غزل

غزل

نہ جانے کیوں دل توڑ گیا وہ
کھم سے کیوں موز گیا وہ
دل کی صورت دل میں رہ گئی
اتنی جلدی پھر گیا وہ
میں تو کھو گیا تھا پہنوں میں
اور مجھے بھنچوڑ گیا وہ
اپنا دل تو آئینہ تھا ایک
اور بے دردی توڑ گیا وہ
ان دیواروں اور یادوں سے
میرا ناخ جوڑ گیا وہ
میں نے تجھے چاہا تجھے چاہتا رہوں گا
تم سے پیار کیا ہے تجھ سے پیار کرتا رہوں گا
تم بھلانا چاہو تو بھلا نہ سکو گے صنم
میں ہر وقت تجھے یاد کرتا رہوں گا
دل تجھے دیا ہے اس دنیا میں
میرے دم تک تجھے پکارتا رہوں گا
رغم جتنے بھی لگے اس دل میں
سکرا سکرا کے سہتا رہوں گا
بچے بھی پرانے ہو جائیں مجھے فکر نہیں
مگر میں آپ کو اپنا بھاتا رہوں گا
توں شمع ہے میں پروانہ ہوں زلیخا
وزیر علی

یہ جھوٹ ہے کہ اس سے کچھ۔ مانتیں ہوت رز جاتے ہیں
 یاریں وہ اپنا بے حساب چھوڑ گیا زبان کچھ کہا جاتی ہے
 عماد شوکت۔ آزاد کشمیر مگر کچھ کہہ نہیں پاتی ہے
 ثمران جاوید۔ گوجرانوالہ

مزاہیہ غزل

غزل

ارے بیگم تو نے کیوں پنا اٹھا رکھا ہے
 پردیسیوں کیساتھ مرغا بنا رکھا ہے
 پہلے ہی برتن دھوئے ہیں میں نے بہت
 کام دشوار ہوتا جاتا ہے
 یہ طلوہ تم دیکھی میں کیوں بنا رکھا ہے
 کیا خبی ہوش ہے کہ ہوش
 ارے خدا کے لئے چپ ہو جاؤ بیگم
 کوئی دروازہ ہوتا جاتا ہے
 تمہاری آواز سے میرا سر پنا گا رہا ہے
 عقل کی مستقل خفالت سے
 خدا کی قسم اب حیرا نکم بجا لاؤں گا
 عشق پیار ہوتا جاتا ہے
 کیوں ہاتھوں میں ڈنڈا اٹھا رکھا ہے
 اب تو بلوائے طبیعوں کو
 ارے کپڑے پیچھے کیوں پھلا رہی ہو
 دل کا آزار ہوتا جاتا ہے
 اوپر چھت پر جو تار لگوا رکھا ہے
 کیا کریں موت کا علاج ثمران
 ارے بیگم کچھ تو خیال کر کپڑوں کا
 زیست بے پیار ہوتا جاتا ہے
 ثمران جاوید۔ گوجرانوالہ

غزل

ان ذرات ریت سے تیری تصویر بنا ڈالوں کہو نا
 خود کو خود سے بھلا ڈالوں کہو نا
 ہیں تصویریں بے جان رنگ بولتے ہیں
 تصویروں کے چھپے مجید کھولتے ہیں
 کاش کہ تصویر جاننا میرے پاس بھی ہو
 خود کو تجھ میں چھپا لوں کہو نا
 تصور تو تصویر بنا ہی لیتے ہیں
 نہ بھولے داسے پتروں کو چھپا ہی لیتے ہیں
 تصور تصور ہے تصور اس صنم
 تم کو اپنا خدا بنا لوں کہو نا
 ثمران جاوید۔ گوجرانوالہ

دھنوں سے بھرا ہے خیرا جزا
 نگ ہوں صابن رگڑ رگڑ کر
 سرف ہنس کہاں چھپا رکھا ہے
 محبت خان آفریدی۔ ہمدوالی

ہم کو تم سے پیار ہے

تیری آنکھوں کے سمندر میں ڈوبے ہیں ہم
 ہم کو تم سے پیار ہے کیسے یہ کہیں ہم
 ہونٹوں پہ بات آکر رک جاتی ہے
 دھڑکن دل کی تیز ہو جاتی ہے
 آنکھیں جھپکے گئی ہیں
 موسم بدل جاتا ہے
 کہاں کھل سی جاتی ہیں
 سانسیں بہک اٹھتی ہیں

غزلیات

غزل

غزل

دل دے کر کسی سے تو پیار نہ کرنا
مرمت جانے گا زندہ کسی سے اترار نہ کرنا
دنیا ہے اک جوگ اور تو اس کا اک جوگی
کسی زہریلی نامن کا تو اعتبار نہ کرنا
پھول تو ہوتے ہیں بہار کے اور تو اک مایہ
ایسے مہمان پھولوں کا تو پیار نہ کرنا
ظالم ہے اس بے وفا زمانے کی نظریں
کے کی نظر سے گر کر خود کو شرم سار نہ کرنا
مطلب کے لوگ اور مطلبی ہے زمانہ
ان کے جال میں چھپی کر پیار نہ کرنا
لاکھ آئیں گی بہاریں دل کو دیا دن چار
اپنے دل کو اشفاق کسی پھول کا طالب نگار نہ کرنا
رائو اشفاق علی غنٹو آدم
ایم وقاص علی۔ احمد پور سیال

میں کو چھوڑ کے جانے والے
تم نے لیا کیا میرا نام
کیوں یہ پلکیں بھیگیں آخر
کیوں چھٹکا یہ دل کا جام
چاہے مریں اور چاہے جنیں ہم
ہر دم دونوں ساتھ رہیں
کچھ بھی بیچے اس جیون میں
ہاتھ میں میرے تیرا ہاتھ رہے
کیسے چلے ہم چھوڑ کے آخر
یہ محفل یہ صبح شام
میرے دل کا ایک صنم
دنیا کے لاکھوں انعام

غزل

غزل

غزاں کے موسم میں گلاب چھوڑ گیا
زندگی بھر کا میرے لئے عذاب چھوڑ گیا
وہ میری قربتوں کا ہمسفر جب گیا تو
تجلیوں پہ لکھی ہوئی کتاب چھوڑ گیا
ضروری نہیں ہر کسی کو ملیں محبتیں
کیا تھا کیا سوال اور کیا جواب چھوڑ گیا
ساری زندگی وہ پڑھتا رہا دوسروں کے چہرے
جس میں تھا ذکر میرا وہ باب چھوڑ گیا
آس تھی جس شخص سے مجھے زندگی کی
وہی آنکھوں میں ٹوٹے ہوئے خواب چھوڑ گیا

یوں دل نے حوصلہ ہارا کب تھا
اچھی حالتوں میں ہمارا ستار کب تھا
لازم تھا زندگی سے
بن زہر چنے کو کب تھا
کچھ پل سے اور کچھ سکتے
انکھوں کو مگر مکارہ کب تھا
ہم خود بھی جدائی کا سبب تھے
اس کا ہی قصور سارا کب تھا
اک نام پر رخم کھل اٹھے تھے
تافل کی طرف اشارہ کب تھا
آئے ہو تو روٹنی ہوئی ہے

جیری جدائی کی آگ میں جلا رہوں گا
قیدی گل نواز - بلوچستان

مگر جانے تو عذاب ہے
ساجدہ یعقوب گھونگی سندھ

لوگ کہتے ہیں

لوگ کہتے ہیں
دیر سے دیر سے وقت
ہر زخم کو بھر دیتا ہے
تم بھی لوگوں کی کئی
باتوں میں آ جاتی ہو
ایک لمحے کیلئے
مستحکم ہو کے سوچتی ہوگی

ساجدہ یعقوب گھونگی سندھ

پیارا ہوں مگر دھوپ کی جاہت ہے
سفر میں

سائے میں چلوں تو مجھے دریا کیسے ملے
سب عکس اور عورے ہیں کہ سب آئیے مجھ سے
زخمی ہے بدن اور مسیحا نہیں ملے

ساجدہ یعقوب گھونگی سندھ

میں اور میری تنہائی

دو لوگوں کے اکٹھے کی

سہلیاں ہیں

جب درود سے نئے

کرا آکھوں سے

پہنے لگتا ہے

تو میری ساٹھی تنہائی

اپنی باتیں پہیلا کر مجھے

اپنی آغوش میں سیٹھ

لگتی ہے

ساجدہ یعقوب گھونگی سندھ

عکس ہو آپ سے تو بھلا دیجئے مجھے

چھرے ہوں لکیر بنا دیجئے مجھے

ہر روز مجھ سے تازہ شکایت آپ کو

شاید میرے بچپن کا وہ ساتھ
وہی پاگل لڑکا

وہ بھی اب بھول گیا ہوگا

مجھے لوگ کہتے ہیں کہ

دیر سے دیر سے وقت

ہر زخم کو بھر دیتا ہے

کے سب اپنی جھاڑوں پہ

پیشیاں بنے ہو

لوگ کہتے ہیں

مگر ایسا ہوتا تو نہیں

ساجدہ یعقوب گھونگی سندھ

غزل

ہے تو ریف ہے تو گرم
ہے تو آگ ہے تو چھڑے
ہے تو ایک غزل ہے تو بکے
ہے تو ایک ساز ہے تو بکے
ہے تو بس جنوں جنوں
ہے تو فقط جنوں
ہے تو خواب ہے تو سوچے

میں کیا ہوں اک بار بنا دیجئے مجھے
ساجدہ یعقوب گھونکی سندھ

غزل

یہ سوچ کر ہم حسرت بھری راہوں میں رہے
اے کاش کہ تو ہر وقت میری ہانپوں میں رہے
محبت بھی تو کسی جرم سے کم تو نہیں ہے
چمک چمکے تو ہر وقت میری نگاہوں میں رہے
ہر گزری گھٹکتے ہیں تیرے پیار کے نئے ایسے
بے درد تو ہر وقت میری آنکھوں میں رہے
یا کچھ نہیں کیا تیرے پیار کی خاطر
ہم ہر وقت تیرے پیار کے گناہوں میں رہے
آئینہ ہے تو اے غمگین نہ لگ جائے کہیں
ہر وقت وہ صدمہ دل کی پناہوں میں رہے
شکیل احمد کراچی

غزل

ہم بڑی دور سے آئے ہیں تمہاری خاطر
دل کے ارمان بھی لائے ہیں تمہاری خاطر
ہم نے دریا بھی بہائے ہیں تمہاری خاطر
ہم نے سحر جگائے ہیں تمہاری خاطر
ہم نے لالچ لائے ہیں تمہاری خاطر
دوست ہم لوگ آئے ہیں تمہاری خاطر
پیار محبت ہوتی ہے سدا پتہ نہ تھا ہمیں
ہاں دل دھڑکا ہے آج صرف تمہاری خاطر
شکیل احمد کراچی

چاہت

مجھے تجھ سے فقط چاہت ہے اتنی
صراحت سے جتنی

جیسے ساگر کلبروں سے
جیسے پھولوں کو خوشبو سے
مجھے تجھ سے فقط چاہت ہے اتنی
پراسی دھرتی کو بارش سے جتنی
جیسے آسمان کو ستاروں سے
انسان کو زندگی سے
مجھے تجھ سے فقط چاہت ہے اتنی
نیرو والوں کو راتوں سے جتنی
جیسے سورج کو روشنی سے
پیسے دریا کو پانی سے
مجھے تجھ سے فقط چاہت ہے اتنی
دل والوں کو دل لگی سے جتنی
جیسے آنکھوں کو نور سے
سہلے دل کو تم سے
بس مجھے تم سے فقط چاہت ہے اتنی
جیسے دنیا والوں کو پیسوں سے جتنی

شکیل احمد کراچی

اچھا لگتا ہے

تمہارے بارے میں ہر وقت سوچتا اچھا لگتا ہے
میرے دل میں صرف تم کو دیکھنا اچھا لگتا ہے
جب بات کی تاریکی بھیل جاتی ہے ہر سو
اکیلے میں تم سے صرف تم سے باتیں کرنا اچھا لگتا ہے
کھوئے رہے ہیں گزرے ہوئے لمحوں میں ہم
تمہاری یادوں میں ہم سم رہتا اچھا لگتا ہے
تمہارے آنے کی جب خبر نہیں ملتی مجھ کو
تمہارے بارے میں سب سے پوچھنا اچھا لگتا ہے
تمہیں پانا ناممکن ہے زندگی میں مگر
میرے بھی تمہارے سنے دیکھنا اچھا لگتا ہے
شکیل احمد کراچی

خیال

رات کے اس روجے پہر

سبب کیا ہے بے تابی کا

دل کی نظر سے دیکھوں شاید

یا پھر

اس نے نیند میں کر دت بدل کر

میرا نام لیا ہے تیری ا

شاہد محمود دانش۔ جھنگ صدر

نظم

ہم تم بن ایسے جیتے ہیں
جیسے زہر پیالہ پیتے ہیں
جیسے غم بادل سا چھایا ہو
آنسو کی صورت بادل ہو
ہم ہر وقت یہ آہیں بھرتے ہیں
تم بن مرنے رہتے ہیں
تیری یادوں کو جب بھیڑا ہو
پھر اس نے ڈالا گھبرا ہو
تیری یاد میں گھوم پھرتے ہیں
ہم تم بن مرنے رہتے ہیں
چاہے دنیا ساری اپنی ہو
پہ تم نہ ہو تو کچھ نہ ہو
ہر وقت صدا یہ کرتے ہیں
ہم تم بن مرنے رہتے ہیں
ہم تم بن ایسے جیتے ہیں
جیسے زہر پیالہ پیتے ہیں

ابن رفیق

غزل

کبھی ہم بھی خوفناک لیا کرتے تھے
ایک دن میں سارا پڑھا کرتے تھے
کبھی بھڑکتے تھے یا کہن کو تو
کبھی خوشبو سے لڑا کرتے تھے
دیکھ کر اپنے غم اور کہانیاں
بہت ہی خوش ہوا کرتے تھے
اپنا پسندیدہ رسالہ آنے کا دوستو ا
اورا مہینہ انتظار کیا کرتے تھے
تغییر کرنے والوں سے جلا کرتے تھے
کبھی غم کی قریشی کو سراہتے تھے
تو کبھی ابر حنین سے گلہ کرتے تھے
خوبصورت حسین عطر کی بجائے
ہم کو جن بھوت ملا کرتے تھے
شائع کروانے کی خاطر غم کی خاموش
شہزادہ بھائی کی فتنیں کیا کرتے تھے

سہیل احمد۔ جھنگ

غزل

راتوں کے پہر نیری آنکھوں کے پہنے نہیں دیتے
غیر دیتے ہیں پیارا تم کو اپنے نہیں دیتے
کچھ ایسے حالات سے بچا ہے واسطہ میرا
جو میرے خیالات کو پہنے نہیں دیتے
دنیا چاہتی مجھے دیکھنا نکلت غورہ مگر
تھک سے ملنے کے خواب مجھے جھٹکتے نہیں دیتے
جس بھی انتہائے اذیت پر پہنچتا ہوں کھینچ لیتے ہیں
دوست مجھے مزہ موت کا بھی جھٹکتے نہیں دیتے
میرا دل کا میری روح تک کو آزما لیتے ہیں مگر
اپنی ذات کے ایک پہلو کو بھی پرکھتے نہیں دیتے
وہ خود تو آرام سے چما لیتے ہیں میرا دل خاموش
مگر اپنی ایک تصویر بھی مجھے نہیں دیتے

اگر کبھی میری یاد آئے

اگر کبھی میری یاد آئے
تو چاند راتوں کی نرم دلگیر روشنی میں
کسی ستارے کو دیکھ لینا
اگر وہ تجھ فلک سے اڑ کر
تہارے قدموں میں آ کرے تو
یہ جان لینا 'وہ استعارہ تھا میرے دل کا
اگر نہ آئے
مگر یہ ممکن ہی کس طرح ہے
کہ تم کسی پر نگاہ ڈالو
تو اس کی دیوار جاں نہ نوٹے
وہ ایسی آواز نہ بھول جائے
گر یہ کہانی لہو کی لہروں پہ ہاتھ رکھنا
میں اس قطروں کے تہیوں میں تمہیں ملوں گا
مجھے گلابوں کی پتیوں میں غم کی کرنا
میں خوشبوؤں میں تمہیں ملوں گا
اگر ستاروں میں اس کے قطروں میں
خوشبوؤں میں نہ پاؤ مجھ کو
تو اپنے قدموں میں دیکھ لینا
میں گرد ہوتی مسافتوں میں ملوں گا
کتنی بے روشن چراغ دیکھو تو سمجھ لینا
کہ ہر پتے کے ساتھ میں کھڑے ہوں
تم اپنے ہاتھوں میں ان پتوں
کی راکھ دریا میں بہا دینا
میں خاک بن کر سمندروں میں سفر کروں گا
کسی آن دیکھی ہوئے جزیرے پہ
رک کر تم کو صداؤں میں یاد رکھوں گا
سمندر کے سفر پہ نگہوں تو
اس جزیرے پہ ضرور اترنا

زاہد اقبال سحر - سمندری

وہ بڑا رحیم و کریم ہے مجھے یہ نعمت بھی عطا کرے
تجھے بھولنے کی دعا کروں تو میری دعا میں اڑ نہ ہو
کبھی دن کی روشنی چوم کر کبھی چھو کر چاند کی روشنی
یونہی ساتھ ساتھ چلیں سدا کبھی ختم اپنا سفر نہ ہو
زاہد اقبال سحر - سمندری

تجھے معلوم کیا ہوگا

تجھے معلوم ہے افرات کی شب کیسے گزرتی ہے
تجھے معلوم ہے اقبالی روح میں کیسے اترتی ہے
تجھے معلوم ہے اخیرات آنکھیں آنسوؤں کی
کیسے کرتی ہیں!
تجھے معلوم ہے! خواہوں کی دنیا ٹوٹ کر کیسے بھرتی ہے
تجھے معلوم ہے! انسانوں میں مگر کیوں اترتی ہے
تجھے معلوم ہے! حقیقت و نالاب پر یکا یک کیوں ابھرتا
ہے
مگر جان و فنا تجھ کو خبر کیسے ہوتی
کہ اول روز سے دیران تیرے دلی بھرتی ہے
تیرے جذبات کی جس دل کے جذبات سے بھرتی
ہے
تجھی سوچیں محبت کے تصور سے ہی اترتی ہیں
ایسے میں تلا تجھے کیا معلوم ہوگا
تجھے معلوم ہوگا
فقط یادیں میری جان زخم دل کے کیسے بھرتی ہیں
فقط اک نام پر دل کی دھڑکن کیوں ٹھہرتی ہے
فقط اک یاد سے شامیں کسی کی یوں سنورتی ہیں
فقط اک نام کی رٹ ہونٹوں پر کیسے ابھرتی ہے
تجھے معلوم کیا ہوگا یہ سن پر کیوں گزرتی ہے
تجھے معلوم کیا ہوگا!
تجھے معلوم کیا ہوگا!

زاہد اقبال سحر - سمندری

گلاب

چلو پھر سے

سنو جاناں

محبت کرنے والے

آج کے دن ایک دو بے کو

گلابوں کے حسین چہرے تھاتے ہیں

میرے آئینے میں لیکن

پھول تو کوئی نہیں۔ جو تھک کو میں بھیجوں

مگر

سب سے حسین سوغات ہے جو پاس میرے

وہ تمہارے نام کرتی ہوں

سنو جاناں

میرے ہونو گئے یہ طے گلاب

آج سے.....

کبھی.....

تمہارے ہیں

زاہد اقبال سحر۔ سمندری

ماں

آج بھی روٹی تو بے انتہا روٹی

گمراہ چاک

میری مامت ہے ایک آواز گمراہی

کہ میں جتنا بھی روؤں

جتنی دیر بھی روؤں

مگر مجھے کوئی نہیں یہ کہے گا

کر چپ ہو جاؤں

کیونکہ اب میری

ماں نہیں ہے

میڈم فضا۔ آلہ آبادی

غزل

ہیں اب پتھر جانا چاہئے

خوابوں کو اب پتھر جانا چاہئے

شب بھراں کا آئینہ پہر ہے اب تو

وصل حج کو اب گم جانا چاہئے

آج تو اس نے بھی آئے کا وعدہ کیا ہے

ابھی ہوئی زلفوں کو اب سنو۔ جانا چاہئے

بن دروازہ دیکھ کر کہیں لوٹ نہ جائے وہ

شام اٹھنے اب گم جانا چاہئے

راستوں کے نشان تک مٹ گئے ہیں

یاد آئے اب گم جانا چاہئے

میڈم فضا۔ آلہ آبادی

غزل

میں کیا تھی اس نے مجھے کیا بنا دیا

دکھ میں بھی مجھے ہنسا سکھا دیا

دو جو عمر بھر ساتھ چلنے کا وعدہ کرتا تھا

اب نے تو چند لمحوں میں ہی بھلا دیا

لو دے کر لپٹا کیا۔ تھا جسے روشن میں نے

اسی چراغ نے میرے گم کو جلا دیا

کتنی شدت تھی میری محبت میں

غزل

غزل

نہایت اس سے انتہا کی رکھتے ہیں
خبر ہر دم اس لربا کی رکھتے ہیں
تازہ لپکتے ہیں پیار کو پروں کی آڑ میں
نظر تیرے شہر کے لوگ بلا کی رکھتے ہیں
اگر وہ رکھتا ہے دشت ٹھانی میں گھر
تو چاکیر ہم بھی صحرا کی رکھتے ہیں
ہوتے نہیں مایوں تیری بے رخی سے
اسی دم تیری رضا کی رکھتے ہیں
ہو گئے ہیں عشق میں اگرچہ نزعان
صفات مکرر خدا کی رکھتے ہیں
حضرت خاموش بھی پاگل ہیں پیار کے بنیر
خواہش صرف اور صرف فنا کی رکھتے ہیں
سمیل احمد۔ جھنگ

آس کے سورج کو ڈھلتے دیکھا ہے
ہر موڑ پر انہوں کو بدلتے دیکھا ہے
تجھے اپنی لذت کیا بتائیں ہم
گنی بار اپنے دم کو نکلتے دیکھا ہے
تیرے ساتھ تو دیکھی ہیں بہاریں مگر
تیرے ہجر میں زندگی کو جلتے دیکھا ہے
جب سے تم ملے ہو تب سے ہم نے
مرتے ہوئے خاموش کو سمیٹتے دیکھا ہے
سمیل احمد۔ جھنگ

غزل

اُتر گیا

شرع شرع میں میں نے سوچا تھا
کہ عشق کا بھوت بس
چند دلوں میں
اُتر جائے گا
اور واقعی ہی یہاں اُتر گیا
جانتے ہو کہاں اُترا..... کہاں روح میں
سمیل احمد۔ جھنگ

حرف بد نکلا من سے تو رہا ہوا
تو نے کہا تو جھوٹ بھی مذاق دے رہا ہوا
تیری نظر سے پڑی جان صحراؤں میں
حیرت ایک لواء سے موسم لربا ہوا
نہیں تھا تو کچھ بھی نہیں تھا ہمیں
ہجوم ہوا عشق تو پھر بے انتہا ہوا
سامنے میرے بڑے گئے اندھیرے اور
روشن میرے پیچھے چلے ایک دنیا ہوا
پھر ہنس دیے گل و لالہ پیار لے
لگتا ہے پھر کوئی کسی سے جدا ہوا
ڈرے بنا لئے پھر آہوں نے
پھر کسی دل کا حال برا ہوا
پھر کوئی کشتی بوند میں گھری خاموش
پھر کوئی شخص بے آسرا ہوا
سمیل احمد۔ جھنگ

غزل

تمہیں دل سے بھلاتی ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
کوئی سینا سجاتی ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
تمہاری یاد اب دل کو بہت بے چین کرتی ہے
مگر تم کو بھلاتی ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

نندیا روٹھ گئی

آئی جب بھی رات تو نندیا روٹھ گئی
پھائی جب برسات تو نندیا روٹھ گئی
چاند ہوا خاموش ستارے ڈوب گئے
تم نے تھا ہاتھ تو نندیا روٹھ گئی
دور ہوئے تم جب بھی سانسیں ڈول گئیں
بیاد کی جب کی بات تو نندیا روٹھ گئی
کیسا سندیس ان کو ہوا میں دے آئیں
جس سے ابھی بات تو نندیا روٹھ گئی
چاند بار سے آگئی راتیں بھاری ہیں
ہوئے ہیں یہ حالات تو نندیا روٹھ گئی
زاہد اقبال سحر۔ سمندری

خوشبو

کس خوشبو ہوں نکھرنے سے نہ روکے کوئی
اور نکھر جاؤں تو مجھ کو نہ سمیٹے کوئی
کانپ اٹھتی ہوں یہی سوچ کر تنہائی میں
میرے چہرے پہ حیرا نام نہ پڑھ لے کوئی
میں تو اس دن سے ہراساں ہوں کہ جب علم ملے
خنگ پھولوں کو کتابوں میں نہ رکھے کوئی
اب تو اس راہ سے وہ شخص گزرتا بھی نہیں
اب کس امید پہ دردِ دل سے جھانکے کوئی
کوئی آہٹ کوئی چاپ کوئی آواز نہیں
دل کی گلیاں بڑی سناں ہیں آئے کوئی
زاہد اقبال سحر۔ سمندری

غزل

کبھی یوں بھی آ میری آنکھ میں میری نظر کو خبر نہ ہو
مجھے ایک رات نواز دے مگر اس کے بعد سحر نہ ہو

آقا ہو رعدا میری دہا محام نے یہ ہم سے
لب بیکانہ تم کو پاتی ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
دن کیسے گزر رہے ہیں پوچھا تھا یہ خط میں اس نے
دن کیسے گزر رہے ہیں یونہی جب سوچے جاتی ہوں آنکھیں بھیگ جاتی
ہیں
میں جاتی آنکھوں سے ہنس ہنس کے پاگل ہو بھی جاؤ تو
ستم یہ خود پہ ڈھاتی ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
تہدار غم میں ہنس کے بھیل لوں لیکن میرے ہم
اسے دل میں چھپاتی ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
کبھی تو لوٹ ہی آؤ گے وہ مگر میں تم اک دن
رہے ہر شب جلاتی ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
وخسار مدحت۔ لاہور

محبت مر نہیں سکتی

ہزاروں دکھ پڑیں سہنا محبت مر نہیں سکتی
ہے تم سے بس یہی کہنا محبت مر نہیں سکتی
تیرا ہر بار میرے خط کو پڑھتا اور رو دیتا
میرا ہر بار لکھ دیتا محبت مر نہیں سکتی
کیا تھا ہم نے شب بھر میں اک حسین وعدہ
بھلے ہم کو پڑے رونا محبت مر نہیں سکتی
پانے عہد کو جب زندہ کرنے کا خیال آئے
مجھے بس اتنا لکھ دینا محبت مر نہیں سکتی
وہ حیرا ہجر کی شب بچوں دیکھنے سے ذرا پہلے
بہت دوتے ہوئے کہنا محبت مر نہیں سکتی
اگر ہم حسرتوں کی قبر میں دن کو جا سکیں
تو یہ کہیں پر لکھ دینا محبت مر نہیں سکتی
پرانے راتوں کو پھر سنے وعدوں کی خواہش ہے
ذرا اک بار تو کہنا محبت مر نہیں سکتی
مجھے لحاظ فرقت کے کہاں سے ڈھونڈ کر لاؤں
وہ پیروں ہاتھ پہ لکھتا محبت مر نہیں سکتی
زاہد اقبال سحر۔ سمندری

مرنے کے بعد یاد رکھیں ہماری دوستی کو زمانے واسطے
عصمت اس دوستی کو اپنی زندہ مثال بنانا تم
میڈم فضا۔ آلہ آبادی

غزل

یہ فخر تو حاصل ہے میرے ساتھ چلے ہیں
وہ بھی کسی کی یاد میں اب تک تو چلے ہیں
دل دے کر کسی کو تو جتنا ہے مقدر
سوچا تھا خزاؤں میں کبھی پھول کھلے ہیں
اس نے تو اپنی زیست کی روداد ہے کیا
کتنے خوشید تھے موتی میں ڈھلے ہیں
لیک کو بجھا کے تم پہ بکھتے ہو مجھ گئے
ہم گردش زمانے کی تھی پال چلے ہیں
ان کا دیدار دل ناداں پہ ہوجھ گئی
ان کو خبر نہ تھی وہ مدتوں بعد ملے ہیں
آگ میں رکھ کر کاغذ کا کھڑا اس نے بنایا
ہم بھی کسی کی یاد میں ایسے ہی چلے ہیں
ممتاز حسین بونٹو۔ سکرنو

غزل

کبھی یوں بھی آ میری آنکھ میں کہ میری نظر کو خبر نہ ہو
مجھے ایک رات نواز دے مگر اس کے بعد سحر نہ ہو
وہ بڑا رحیم و کریم ہے مجھے رنعت بھی عطا کرے
مجھے بھولنے کی دعا کرو مگر اس دعا میں اثر نہ ہو
کبھی دن کی دھوپ میں جھوم کر کبھی شب کے پھولوں کو چوم کر
جو کئی ساتھ ساتھ چلیں سبز سدا کبھی ختم اپنا سفر نہ ہو
میرے پاس آ میرے پاس آئے والا اور دل کے قریب آ
تجھے دھڑکنوں میں بسالوں میں کہ گھڑنے کا ڈر نہ ہو
یاسین خان۔ نور پور

وہ زمین تھی میں نے اسے آسمان بنا دیا
جنوں عشق میں کافر ہو گئی تھی فضا
اک انسان کو خدا سے ملا دیا
میڈم فضا۔ آلہ آبادی

غزل

ساتھ چلے ہوئے بھی جدا رہے
وفا کر کے بھی ہم بے وفا رہے
جھوم کیا ہوتا ہے کبھی دیکھا نہیں
تھا تھے ازل سے تھا رہے
کس کس کو بندہ کرتے ہم بھی بھلا
ہمارے قریب تو بہت سے خدا رہے
اس نے گھر چلا دیا تھا ہمارا
ہم تھے کہ ڈھونڈتے روشنی کے لئے دیا رہے
خود کو مار دیا اس کی خوشی کے لئے
یہ آرزو ہے کہ سدا اس کی بقا رہے
آج اگر اجنبی ہو گئے ہیں ایک دوسرے کیلئے تو کیا ہوا
فضا برون پہلے ہم بھی آخر آشنا رہے
میڈم فضا۔ آلہ آبادی

غزل

اپنی پیاری دوست عصمت ظاہر کے نام
میں رہوں تو مجھے بنانا تم
دندہ کر کے کبھی مجھ سے نہ کر جانا تم
دھوکے کھائے ہیں میں نے بہت
میرے غلوں کو کبھی نہ ٹھکراتا تم
اپنا لبو دے کر روشن کیا ہے اسے میں نے
اس دوستی کی شمع کو کبھی نہ بجھاؤ تم
منسوب کرتی ہوں میں تیرے نام اپنے جذبے
عصمت میرے جذبوں کی توقیر کر دکھانا تم

غزل

نہ بجا چراغ دیار دل
نہ پھرنے کا تو طال کر
تجھے دے گی جینے کا حوصلہ
میری یاد رکھ لے سنیاں کر
تجھے بھی کیا کہ ایکسبھی کو
سوجنا بھلائے
جو نہ تجھ سکے وہ دیا جلا
جو نہ ہو سکے وہ کمال کر
غم آرزو میری جستجو
میں سٹ کے آگیا روبرو
یہ سکوت مرگ ہے کس لیے
میں جواب ہوں تو سوال کر
تو پھرنے رہا ہے تو سوچ لے
تیرے ہاتھ ہے میری زندگی
تجھے روکنا میری موت ہے
میری بے بسی کا خیال کر

غزل

کہانی دردی میں زندگی سے کیا کہتا
یہ درد جس نے دیا میں اس سے کیا کہتا
تجھ تو مجھ کو بھی کرتا تھا پیاس کا لیکن
جو خود ہی سوکھ رہے اس ندی سے کیا کہتا۔
میرے عزیز ہی مجھ کو سمجھ نہ پائے بھی
میں اپنا حال کسی اجنبی سے کیا کہتا
زاہد۔ چٹوکی

غزل

بن نہیں رہنا
تم سے محبت ہے
میں ہے بس یہی کہنا
تم سے محبت ہے
تو کہہ نہیں سکتی
احساس تو ہوگا لینا
تم سے محبت ہے
نام کردی ہے
پوری زندگی اپنی

غزل

مکھن تھا لالہ زار ابھی کل کی بات تھی
ہر گل پہ تھا تمہارا ابھی کل کی بات تھی
اب تو غم حیات ابھی دیتا نہیں قرار
تھا حاصل قرار ابھی کل کی بات تھی
آنکھوں میں جن کی ٹھٹھنے لگا ہوں میں
ان کو تھا مجھ سے پیار ابھی کل کی بات تھی
چاروں طرف اداسیاں بکھری ہوئی ہیں آج
موسم تھا خوشگوار ابھی کل کی بات تھی
کانٹوں کو بھی گریز ہے مجھ سے یہ کیا ہوا
ہمدرد تھی بہار ابھی کل کی بات تھی
زاہد۔ چٹوکی

بھلے ہی دکھ پڑے سہنا
مجھے تم سے محبت ہے
ہمیں احساس ہے تم کو بھی
ہم سے پیار ہے لیکن
تجھے میرے سامنے کہنا
تم سے محبت ہے
مجھے سب کچھ قبول ہے فلک غم میں یار مجھ سے طلب
میں اسے کیسے دل سے جدا کروں جو میری عمر بھر کی
حلاش ہے
زاہد۔ چٹوکی

غزل

مجھ سے کترا کے گزر جا اسے جاں حیا
گل کی لودیکہ رہا ہوں تیرے رخساروں میں
حسن بیگانہ احساس برباد اچھا ہے
غٹے کھلتے ہیں تو کب جاتے ہیں بازاروں میں
ذکر کرتے ہیں تیرا مجھ سے بعنوان جفا
چارہ گر بھول پرو لائے ہیں گواروں میں
مجھ کو نفرت سے نہیں پیار سے مغلوب کرد
میں تو شامل ہوں محبت کے گنہگاروں میں
یسین خان۔ نور پور

غزل

بہت چاہا تھا سے وہ ملا ہی نہیں
لاکھ کوششیں کیں مگر یہ قاصلے مٹے ہی نہیں
بھولی پھیلا کر مانگا تھا خدا سے اسے
مگر خدا نے میری کسی دعا کو سنا ہی نہیں
ہر اک سے پوچھا سب تیرے دل ملنے کا
ہر اک نے بتایا وہ تیرے لئے بنا ہی نہیں
بڑی شدت سے چاہا تھا مگر تو کسی اور کا ہو گیا
شاید کہ اس جہاں میں وفا کا صلہ ہی نہیں
بلال ساغر۔ مانسہرہ

غزل

اے دیکھو ذرا آ کے اے بھن سے سونے والے
کیسے روتے ہیں تیری یاد میں رونے والے
نہیں آیا میری میت پہ کوئی اپنا
میرے قاتل تھے میری لاش پہ رونے والے
تھک کر آئے گی میرے لبو سے وفا کی خوشبو
میرے لبو سے چہرے کے نشان دھونے والے
مجھے فیروں سے نہیں کوئی شکوہ
میرے اپنے تھے میری کشتی ڈبلنے والے

تو مجھے چاہے ایسی قسمت کہاں تھی
کہاں میں کہاں تو یہ نسبت کہاں تھی
تیری بے رخی سے بہ دل مضرب تھا
میرا حال جانے یہ فرقت کہاں تھی
میری چاہوں کی تجھے خبر کیا ہو
تو سوچ مجھے تیری فطرت کہاں تھی
تجھے اپنے من سے نکالوں تو کیسے
میں پا لوں تجھے یہ سعادت کہاں تھی
جو مجھ سے جاتا میرا ہمسر کہیں تو
بھلا ایسی ایسی قسمت کہاں تھی
جو من کے تو نے نگاہیں جھکا لیں
یہ لود تھا میری شکست کہاں تھی
تو جو کچھ بھی تھا اک وہم تھا صبا کا
فریب نظر تھا حقیقت کہاں تھی
یسین خان۔ نور پور

نظم

یہ آنکھیں بھی تیری تو چہرہ ہیں
آئینہ بھی ہیں دریا بھی
زباں بھی قلم بھی
خوشی اور غم کی ہم زبان آنکھیں
بھار چپ اہل میں ہوئی آنکھیں
مگر دیا بھلا کب جانتی ہے آنکھوں کے دکھ کو
یسین خان۔ نور پور

غزل

گل حیرا رنگ چرا لائے ہیں گزاروں میں
بل رہا ہوں میری برسات کی پوچھاڑوں میں

انتقام

اگر مقدور تھیں شکست کی غم کو لگا دے
اور اگر تم لوٹ آؤ

تو میں تمہارے کزور جسم سے انتقام کی بجائے
تمہاری شکست پر اپنے نام کی مہر لگا دوں گا

اور ا

اپنی سچ کی مسکراہٹ تمہارے شکست خود
ہونٹوں پر سجادوں کا

اور سنو.....!

مابوس مت ہونا

میں تمہارے گرتے آنسوؤں کو

اپنے پوروں کے گھر میں سمیٹ لوں گا

اپنے برہنہ زخموں سے مسکراہٹ

میں تمہارے زخموں کو.....

اپنی چاتوں کی قبا میں لپیٹ لوں گا

بکھیرے طرف کا استعارہ لگا

اور سنو.....!

بکھیرے انتقام ہو گا

ذکاء اللہ فریسی۔ کندیاں

S کے نام

بڑی چاہت سے تجھے رجم نے بتایا ہو گا
وہ مٹی زمین سے نہیں آسمان سے لایا ہو گا
جب بنائے ہوں گے یہ خوبصورت ہونٹ اس نے
وہ رنگ توں تازہ سے لایا ہو گا
جب بنائی ہوں گیں یہ خوبصورت آنکھیں اس نے
تو کئی بار حوص کوڑ سے نہلایا ہو گا
جب جھلکی ہوں گیں یہ گھسی زانیں اس نے
وہ جنت کی جوروں سے لایا ہو گا

خونخاک ڈائجسٹ 190

پھولوں اور کلیوں سے زیادہ نازک بنایا اس نے
چاند اور تاروں سے زیادہ حسیں بنایا اس نے
جب بنا دیا تجھے اس نے حسن کا اک بھر
تو تجھے دکھانے کے لئے فرشتوں کو بلایا ہو گا
جب اتار دیا تجھے اس نے رش سے زمین پر
تب تو نے اپنے دیوانے کو بہت رلایا ہو گا
عمران اکرم۔ فیصل آباد

غزل پیار A کے نام

قسم کی قسم ، قسم سے منم
تجھ کو ہی چاہیں اور چاہیں گے ہم
کر کے یہ زمانہ چاہے کتنے بھی ست
باز آئے والے نہیں ہیں ہم
اس زمانے کی نہیں کچھ نہیں پرواہ
ہم کو تو ہے A حیرا ہی غم
حیرے لئے ہی بیچے چاہے ہیں
قسم کی قسم قسم سے منم
قسم کو الفت نہ سکا منم
چلو نفرت سے ہی کہہ دو آئی لو یہ منم
قسم کی قسم قسم سے منم
تجھ کو ہی چاہیں اور چاہیں گے ہم
علی اکبر۔ عارفوالا

غزل

علاش ہے مجھے ایسے دوست کی
کرے جو مجھ سے اپنے دل کی باتیں
جو رکھے مجھے اپنے حسین اربابوں کی طرح
جو میرے خیال میں گزار دیں راتیں ساری
مجھے جو میری ہے چینی کو میرے دکھ درد کو
جو کر دے مجھ پر پنہاں اپنی چاہیں ساری

میرے نام ہے والستہ ساری
 روٹھے نہ کبھی، مجھ سے میری خطا پر
 لا دے جو مجھ پر اپنی اقسیم ساری
 رکھوں گا اسے اپنی آنکھوں میں سیون کی طرح
 اس کے نام لکھ دوں گا میں اپنی زندگی ساری
محمد آصف - کنگن پور

تیرے نام

آج دودھت بعد آئی بھی
 بس یہ کہنے
 جاناں!

میرے سارے خطوط لکھنا
 سب تصویریں، قلم، کتابیں
 واپس کرو سارے حقے
 مجھ سے سب کچھ ہاتھ لگنے والی
 جاتے جاتے
 میرے کمرے کی پوکھٹ پر
 چوڑی ہے

شاہد محمود دانش - بائیانوالہ

اپنا آپ

کانٹے بہت تھے راسن فہرے میں تیری
 کچھ پھول اور کچھ میرے ارمان ہیں آج
محمد آصف - کنگن پور

معصوم

وہ مجھ سے اکثر پوچھتا ہے
 اچھی لڑکی
 اتنا زیادہ کیوں روتی ہو

اجڑی اجڑی کیوں رہتی ہو
 وہ کتنا معصوم ہے ناں؟

ستارا تبسم شیراز - پنڈی گجراں

وہ انجان سی لڑکی کچھ بھی نہیں لگتی شیراز
 پھر نہ جانے کیوں اسی کی یاد میں آنسو بہاتا ہے دل
 تم بھول بھی جاؤ یہ تم کو حق ہے ستارا
 میری بات اور ہے میں نے تو محبت کی ہے
 میں جس کے لئے پہروں اداں رہتا ہوں
 شیراز وہ بھی مجھے ہی بے وفا سمجھتا ہے
 کوئی پیار سے نہ دیکھے مجھ کو اب
 سارے آنسو تو میں سب کا ہا چکا ہوں
ریاست علی شیراز - پنڈی گجراں

فرمائش

آخر ایک دن
 اس نے مجھ سے کہہ دی ڈالا
 مجھ پر بھی ایک نظم کہو تم
 ایسی نظم
 کہ
 جس میں
 میرا نام نہ آئے
 میں خود آؤں

اجمل فریاد - میرپور

آزاد نظم

مجھے عشر کے روز سر پر کوئی بادل نہیں لینا
 مجھے اس دن اپنی کسی نیکی کا کوئی پھل نہیں لینا
 تو سن مولا
 سنا ہے تو اک محبت ہے

جو تجھے جھوٹ کر گزرتی ہے

وہ ہوا میں ہوتا

کاش!

میں تیرے دل کی دھڑکن ہوتا

این ایے جیے۔ بھاؤ سنگھ

اپنا سلام دوں گا

اے رات کے چاند میں تجھے اک پیغام دوں گا

تجھے کرنا بس صرف اتنا کام ہوگا

اک حسین سندر سی پری کوڑھوٹا ہوگا

اس کی آنکھوں میں ایک خواب کہانی ہو

اس کی ناک زلفوں میں ایک رات سہانی ہو

اس کے ہر عمل سے ظاہر ایک قربانی ہو

میں اسے تلاش نہیں کر پایا آج تک

لاکھ چہرے گزرا آٹکھوں کے راستے دل تک

پر وہ کون ہے جو آنکھوں کے راستے پہنچ پائے گی دل تک

مجھے وہ حسین پسند لاؤ

مجھے کوئی سندر اپنا لاؤ

مجھے میں پیار کر سکوں مجھے وہ سندر گزرا لاؤ

جس کے ہونٹوں پر لٹائی ہو

جس کا دل ہر کسی سے خالی ہو

اس میں صرف میرا ہی نام ہو وہ میری ہی ہم نیانی ہو

اب تو کچھ بول دے تو کب تک چپ رہے گا

اور آنکھوں میں میری دیکھتا رہے گا

میں تو کچھ عجیب نہیں مانتا تجھ سے جو نہیں دے گا

بس ایک پیغام دوں گا

ہر صدمہ یہاں ہے اس کا اپنا سلام دوں گا

عابد علی جعفری۔ کنڈیاں

تو بھی اک محبوب رکھتا ہے

چلو ہم دونوں میں کوئی اک قدر تو مشترک ٹھہری

اک پیار کرنے والا ہے

اک پیار کرنے والے کے دکھوں کو جان سکتا ہے

فراق و ہجر میں جلتے ہوئے بدنوں کو پہچان سکتا ہے

تو پھر ایسا کریں دونوں اک سودا کریں دونوں

زمین پہ تیرا اک بندہ ہے تو وہ مجھے دے دے

تو میری زندگی لے لے تو میری زندگی لے لے

مجھے اس آج کے بدلے تیرا کل نہیں لینا

مجھے اپنی کسی نیکی کا اس دن کوئی پھل نہیں لینا

شاہد کامران۔ سلاٹوالی

غزل

کسی کو ہم نہ ملے اور ہم کو تو نہ ملا

بنا چاہت کے وہ بھی اسے ہم نہ ملا

مجھے تھے ہم میکہ سے ہیں کہ خوب پہلی ملا

مگر اس کے ہاتھ سے ہمیں جام سپون نہ ملا

کسی آنکھوں سے تو ہر لمحہ پکا ہے خون

وہ کہتے ہیں سرے گھاؤں کو تو لیو نہ ملا

اس جہاں میں تو مستقل بلبل کو بھی میسر نہیں گل

پھر گلہ کیا کہ لیلیٰ کو بھنوں نہ ملا

سنا ہے ہر چیز کی جاتی ہے دانش دنا سے

ہم نے تمہیں بار بار مانگا تو پھر تو کیوں نہ ملا

شاہد محمود دانش۔ جانیوالہ

کاش

تیرے خوابوں کی تعبیر میں ہوتا

تیرے ہاتھوں کی ٹکیروں کا

مقدار میں ہوتا

جسے خیالوں میں تو قید رہتا

وہ خوش نصیب تصور میں ہوتا

خونفک ڈائجسٹ 192

مجھے یہ شعر پسند ہے

پتہ نہیں کیوں تیری وفا پہ اتنا یقین ہے اے ایم
ورنہ حس والے تو خود سے بھی وفا نہیں کرتے
وسیم اکرم۔ پانڈوال
ہزاروں منزلیں ہوں گی ہزاروں کارواں ہوں گے
لگا ہیں ہم کو ڈھونڈیں گی نجانے ہم کہاں ہوں گے
اقصد فراز۔ منڈی بہاؤ الدین۔
جس کو دیکھا بیمار میں روتے ہوئے دیکھا سانی
یہ محبت تو مجھے کسی فقیر کے بددعا لگتی ہے
سرفراز۔ کٹھ سنگھ مرال خوشاب
پرکاش کر اظہار محبت نہیں کرتا
لوٹتے ہیں تو اڑ جائیں کبوتر میری چست ہے
سرفراز۔ خوشاب
کیسے کرو گے تم میری چاہت کا اندازہ
میرے پیار کا سمندر تیری سوچ سے گہرا ہے
قرآن مجید۔ گو جبرہ
ساری دنیا کے ہیں وہ میرے سوا
میں نے دل کو روک لگایا جن کہیں کیسے
عاطقی انجم۔ لیکن پور
تو نے یونہی محسوس کیا ہے ورنہ دل میں کچھ بھی نہ تھا
بس ایک تیری چاہت تھی اور وہ بھی غیر شعوری تھی
عثمان دمچی لیکن پور
تیرے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
میری سدا کی دیکھ کیا چاہتا ہوں
محمد کنول لاہور
آج بازار میں پھول بیٹے دیکھے تو قدم رک ہے جسے
کر۔ نے آئینہ بار کہا تھا محبت پھول جیسی ہوتی ہے

مگر تیری دید میں آنکھیں جھکا نہیں سکتا
ایک طرف میری محبت ہے عباد
خود کو سزا سے بچا نہیں سکتا
عباد علی وہم تھیں
اگر ہوتی خون کے رشتوں میں وفا اے دوست
تویوں نہ بکلتا یوسف مصر کے بازاروں میں
تو یہ حسین کھوٹ
رکھا جب جہدے میں سر تو احساس ہوا
کہ دلوں میں خدا کو بسا یا نہیں جہدے میں کس کی تلاش ہے
تخزیلہ حنیف۔ تلہ جو گیاں
محبوب میرے محبوب میرے تو ہے تو دنیا حسین ہے
جو تو نہیں تو کچھ بھی نہیں ہے
محمد طفیل طونی۔ الکویت
مت بہاؤ آنسو ہے۔ قدروں کیلئے
جو لوگ قدر کرتے ہیں وہ رونے نہیں دیتے
مرزا عامر نوید۔ منڈی بہاؤ الدین
اسی کا شہر وہی مدی وہ حنیف
میں یقین تھا قصور ہمارا ہی تھے کا
تخزیلہ حنیف۔ تلہ جو گیاں
یوں تیری چاہتیں سنبھال رکھی ہیں
جیسے عیب ہو میرے بچپن کی
صدا حسین صدا کیلا سکے
دل کی دھڑکن تو قلم موش کا تقاضا ہے
یہ دنیا تو سانس لینے کی اجازت نہیں دیتی
رانا باجر علی ناز لاہور
دل سے جو بات نکلتی ہے اسے کہتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے
پرنس عبدالرحمن گجر۔ نین راجستھان
ساری زندگی تجھائیوں کی نظر ہو گئی
تمام عمر غموں میں بسر ہو گئی
کیا دیا ہمیں اس زندگی نے
نوشیاں، ہاں تو دکھوں کو خبر ہو گئی

عبادہ رانی۔ گوجرانوالہ
لذت گناہ کی خاطر ہار دی تھی جس نے جنت ہار لی
میری رنگوں میں بھی اس آدم کا خون ہے
ممریز بشیر گوندل گوجرہ
اس نے سمجھائی نہیں نہ سمجھنا چاہا
میں چاہتا بھی کیا تھا اس سے اسکے سوا
تخزیلہ حنیف۔ تلہ جو گیاں
کسی کے چلے جانے سے کوئی مر نہیں جاتا
جس زندگی کے انداز بدل جاتے ہیں
قمر اعجاز گوندل گوجرہ
میں جہدوں میں تیری عافیت کی دعا مانگوں گا
سنا ہے خدا پناہوں کو معاف نہیں کرتا
غلام فرید جاوید۔ حجرہ شاہ مقیم
ہوتی ہوگی میرے بوجھ کی طلب میں پاگل آکاش
جب بھی زلفوں میں کوئی پھول سجائی ہو گی
راے الطیر مسعود آکاش
اس پھول نے غنیمتیں بھی کر دیا
جسے ہم پانی کی جگہ خون دل پلائے
رانا نذر عباس۔ منڈی بہاؤ الدین
زندگی ایک قصہ ہے مگر عاشقی در بدر نہیں ہوتی
ہم سے کہو دوستی سکھادیں گے تم کو بادشاہی
محسن علی۔ ساہیوال
ہمیں ان سے امید ہے غالب
جو یہ بھی نہیں جانتے وفا کیا ہے
حماد ظفر ہادی۔ منڈی بہاؤ الدین
نہ دیکھو ظالم نگاہ سے ہم کو
ہم پہلے بھی شکار ہو چکے ہیں کسی ظالم شکاری سے
نبی شیر رحمان۔ سردار گڑھ
میں سوچتا کہ تم تھوڑی دیر تو ہم مر جائیں گے ندیم
دونوں کی رہے ہیں جن کو ہم نے تیری خاطر چھوڑا تھا
شاہد ندیم۔ ڈاہر انوالہ
دل میں کتنے زخم ہیں کسی کو کیا

یہ اور بات ہے کہ ہم مسکرا کے جیتے ہیں رولانے والوں کے سامنے

محمد عرفان۔ پانڈووال
مانا کہ محبت کا بروگ برا ہے ندیم اس کے سوا بھی ہزاروں غم ہیں اس جہاں میں ندیم عباس ڈھکو۔ ساہیوال
تجھ کو مانے کی تمنا تو مٹا دی ہم نے دل سے لیکن تیرے دیدار کی حسرت نہ گئی۔

فنکار شیر زمان پشاور
بہت سوچا بہت سمجھا بہت دیر تک پرکھا تنہا ہو کہ جی لینا محبت کرنے سے بہتر ہے تنزیلہ حنیف۔ ٹلہ بوگیوں
دل میں ہوتے ہم تو بھلا نہ پاتے وہ ذہن سے اکثر ہامیں نکل ہی جاتی ہیں تنزیلہ حنیف۔ ٹلہ بوگیوں
یہ کس وقت تجھے پیار کی سوچھی لپٹ گئے ہو جوازو بھی نہیں اٹھانے دیتی لقمان حسن۔ ڈیرہ اسماعیل خان

بہت رویا وہ جب احساس ہوا اسے اپنی غلطی کا پتہ چلا دیتے ہم اگر چہرے پر ہمارے گفن نہ ہوتا لقمان حسن۔ ڈیرہ اسماعیل خان
دل اب کسے بھر جائے کوئی اپنا بچھڑ جائے تو بنیے تو نہ آئے کسی لیے مجھے رونے نہ دینا رابعہ ارشد۔ ڈھوک سہارن
تیری آنکھ سے دل غمت کا سفر کرنا ہو گا مجھ کو پرکشی خوبصورت منزلوں کا سفر کرنا ہو گا اگر تم روٹھ جاؤ تو ہماری جان نکل جائے مگر یہ خود ہی سوچو تم میں اتنا حوصلہ ہو گا عائشہ رحمن۔ کبیر والا

میں شجر تھا شجر ہی رہا وہ بدلتے رہے موسموں کی طرح محمد اسحاق انجم۔ ننگن پور

محبت سوز ہوتی ہے محبت ساز ہوتی ہے محبت دو دلوں کا کھینچی راز ہوتی ہے محسن عزیز عظیم۔ کوٹھ کاواں

اپنی رحمت کے خزانوں سے عطا کر مالک خواب اوقات میں رہ کر نہیں دیکھے جاتے رابعہ ارشد۔ ڈھوک سہارن
روٹھ جانے کی ادا ہم کو بھی آتی ہے کاش کوئی ہوتا ہم کو بھی مٹانے والا عبادت علی۔ ڈی آئی خان

لکھا تو تھا کہ خوش ہوں دوستوں کے بغیر تنویر مرقلم سے پہلے ہی گر گیا عبادت علی۔ ڈی آئی خان
محبت کے اندھیروں میں پتھر بھی چھل جاتے ہیں غیروں سے کیا کہ اپنے بھی بدل جاتے ہیں افغان محمود۔ رکن سنی

تیرے بغیر نہ گزرے کی عمر اے دوست میں کیا کروں گا زمانے کی دھن لے کر افغان محمود۔ رکن سنی
تو نے دیکھا ہے کبھی صحرا میں جھلک ہوا پیڑ ایسے جیتے ہیں وفاؤں کو نبھانے والے تو کسی کو دیکھنا ان کی صبحوں کو عاشی کتنا روتے ہیں اوروں کو ہٹانے والے

عائشہ رحمن۔ کبیر والا
گرم گرم پہلی توڑی نہیں جاتی دوستی پھول ہوتی ہے چھوڑی نہیں جاتی افغان محمود۔ رکن سنی
لا سے ابتداء کی خدا چاہے انتہا اے محمد ﷺ آپ کا وسیلہ میرے کام آگیا عطا اللہ شاہ۔ جڑاٹا

میں کی یادوں نے شام تنہائی میں اس طرح گھیرا مجھ کو راستے تو پہلے بھی ویران تھے اب اندھیرے بھی ہیں رکنس ارشد۔ ان پبل

چاہے کی کرنوں سے میرے دل میں اجالا کر دو
 کڑی دھوپ میں مجھ پر اپنی زلفوں کا سایہ کر دو
 سید عارف شاہ۔ جہلم
 کیا بات ہے جو کھوئے کھوئے سے رہتے ہو اسد
 نکل لفظ محبت سے محبت تو نہیں کر بیٹھے
 اسد اشرف۔ گوجرانہ
 کہتا ہے میں تیرے جسم کا سایہ ہوں ایس
 لیے شاید اندھیروں میں ساتھ چھوڑ گیا
 رئیس ساجد۔ خان پلہ
 د چادر میں چھپا کر شب بھر جاگتی رہتی ہے
 گس کو یاد کرتی ہے سخت نیند کا بہانہ کر کے
 رابعہ ارشد۔ ڈہوک سہارن
 دس کی چاہوں نے دیئے اس قدر فریب
 ت کروتے رہے ہر آنکھ کے ساتھ
 رابعہ ارشد۔ ڈہوک سہارن
 دنی گھ نہیں تیرے بدل جانے کا
 تے میں کو تو پرندے بھی چھوڑ دیتے ہیں
 رابعہ ارشد۔ ڈہوک سہارن
 بری پلکوں کا اب نیند سے کوئی تعلق نہیں رہا
 نسکی اور کا ہے اسی کوئی میں رات گزر جاتی ہے
 رابعہ ارشد۔ ڈہوک سہارن
 کو خبر ہوئی نہ زمانہ سمجھ سکا
 اچکے چکے تجھ پر کئی بار مر گئے
 محمد اسحاق انجم۔ ٹنگن پور
 ہی نہ ٹوٹنے والا شمار بن جاؤں گا
 میری ذات میں رہنے کا فیصلہ نہیں کرے
 محمد اسحاق انجم۔ ٹنگن پور
 ارے ساتھ رہنا بھی مشکل ہے بہت
 بن تمہارے بھی ہم رہ نہیں پاتے
 محمد اسحاق انجم۔ ٹنگن پور
 ے کہہ دوں کہ مجھے چھوڑ دیا ہے اس نے
 ت ہے مگر بات ہے رسوائی کی

محمد اسحاق انجم۔ ٹنگن پور
 یاد آتے ہو تو کچھ بھی کرنے نہیں دیتے
 اچھے لوگوں کی یہ ہی بات بری لگتی ہے
 عدنان عاشق پریم۔ گوجرانہ
 رات پوری جاگ کر گزار دوں تیری خاطر دوست
 اک بار تو کہہ کر دیکھ مجھے تیرے بنا نیند نہیں آتی
 عدنان عاشق پریم۔ گوجرانہ
 مت ہونا مخلص کسی کے لیے اس دنیا میں اے پریم
 کسی کیلئے جان بھی گنوا دو تو کہتے ہیں زندگی ہی اتنی تھی
 عدنان عاشق پریم۔ گوجرانہ
 زندگی کا یہ رنگ بھی کتنا عجیب ہے
 برباد جتنا کیا ہمیں موت بھی اتنا ہے
 بابر علی سحر۔ سمندری
 نجانے کس درجن صنم کی تلاش میں تھا وہ
 کل شب لوٹ لیا جو قافلہ رہبروں نے
 بابر علی سحر۔ سمندری
 مجھ سے شکوہ تو کوئی نہ ہوا لیکن ابھی ابھی
 عمر بھر تپائش کی اسے کچھ یادیں ایسی چھوڑ آیا ہوں
 بابر علی سحر۔ سمندری
 اس کو یوں فاکہہ راہی ہی نظروں سے گر جاتے ہیں ہم
 وہ پیار بھی اپنا تھا وہ پسند بھی ہماری اپنی تھی
 پرویز علی شام۔ بیچہ وطنی
 ہمیں حسرت تو بہت تھی تجھے ہانے کی سحر
 بس ایک محبت ہی تھی ظالم جو ہمارا کر مہنی
 بابر علی سحر۔ سمندری
 پھلوں پہ سونے والے کانٹوں پر سو رہے ہیں
 عاشق رہنے والے بدنام ہو رہے ہیں
 محمد رضوان۔ ڈانوالہ
 تمہارا ہاتھ میرے ہاتھ سے یوں چھوٹ جائے گا
 اگر مجھ کو خبر ہوتی اسے زنجیر کڑی ہے
 عدیل ارشد عادی۔ بھٹوال
 وہ بھی ایک دن بنا دیکھے گزر جائیگا

کچھ سوچ کر ہم بھی اسے آواز نہ دیں گے
 ----- عبد المنان ۔ انگ
 کبھی نہ کبھی وہ میرے بارے میں سوچے گا تو روئے گا
 کہ کوئی خون کا رشتہ بھی نہ تھا پھر بھی وفا کرتا رہا
 ----- رئیس ساجد کاوش ۔ خان بیلہ
 کسی کو ہے جنت کی چاہ تو کوئی ہے دل کے غموں سے
 پریشان
 ضرورت سجدہ کرداتی ہے عبادت کون کرتا ہے
 ----- محمد سجاد زین ۔ کلاٹ اود
 لٹکائے ہوئے رکھا ہے سولی پر
 اس عشق سے بڑا کوئی جلاہ نہیں دیکھا
 ----- افضل عباسی ۔ راولپنڈی
 وفا وہ کھیل نہیں جو چھوئے دل والے کھیلیں
 روح تک کانپ جاتی ہے خفا جب یار ہوتا ہے
 ----- افضل عباسی ۔ راولپنڈی
 بگلے سے لپٹے ہیں بکلی کے ڈرے
 میرے مولا یہ گھٹا دہان تو برسے
 ----- غلام نبی نور ۔ کھڑیاں خاص
 آؤ اک سجدہ کریں عالم مدحوش میں
 لوگ کہتے ہیں کہ ساغر کو خدا یاد نہیں
 ----- عامر امتیاز نازی ۔ سوٹ
 دل گمراہ کو اسے کاش یہ پتا چل گیا ہوتا
 محبت دیکھ لی نہیں تب تک جب تک ہو نہیں جاتی
 ----- اسد شہزاد ۔ گوجرہ
 لفظوں کو زنجیر میں پروانا بہت مشکل ہے اگر
 ہم نے زمانے سے جو غم بھی سیکھ لیا ہے
 ----- محمد زبیر واصف ۔ واہ کینٹ
 چہرے اجنبی ہو چکی جائیں تو کوئی بات نہیں ہم
 رویے اجنبی ہو جائیں تو بہت تکلیف ہوتی ہے
 ----- عمر دراز آکاش ۔ جڑوالہ
 معصوم نظر بھولا کھڑا چہرے تبسم شوخ ادا
 تو یہ گناہ عام ہے وہ حسین تجسم کیا ہو گا

----- مسز زبیر صائم ۔ چوک ۔ سر شہید
 رات بھر کمرے کا دروازہ اور کھڑکی کٹی رہی
 ہوا ان کے آنے کا سندیسہ دیتی رہی
 ----- بشیر احمد بھٹی ۔ بہاولپور
 صرف چہرے کی اداسی سے بھر آئے آنکھوں میں آنسو
 دل کا عالم تو ابھی اس نے دیکھا ہی نہیں
 ----- اشتیاق احمد ۔ اردکانی پور
 جلو ڈھونڈتا ہوں کوئی ایسی وجہ کہ دل بہل جائے
 تم بن اگر پھر بھی نہ سنبھل پائے تو کیا لوٹ آؤ گے تم
 ----- اسد شہزاد ۔ گوجرہ
 بے نشان منزلوں کے سفر پر نکلے گئے تو جانو گے
 دھوکے کے مسافر رات کو سونا کیوں بھول جاتے ہیں
 ----- ابرار احمد ۔ مگھو منڈی
 جب جب اسے سوچا ہے دل تھام لیا میں نے
 انسان کے ہاتھوں سے انسان پہ کیا گزری
 ----- آرنیازی ۔ گوجرہ
 جب لیتی ہوں تیرا نام تو الجھ جاتی ہوں سانسوں سے
 سمجھ نہیں آتی زندگی سانسوں سے ہے یا تیرے نام
 سے
 ----- مسز زبیر صائم ۔ چوک ۔ سر شہید
 بہت عزیز ہیں آنکھیں میری اسے لیکن
 وہ جاتے جاتے انہیں کر گیا ہے پریم
 ----- محمد اسحاق انجم ۔ گلشن پور
 شام ہوتی ہے چراغ بجھاتا ہوں
 دل ہی کالی ہے خیر یاد میں جلنے کے لیے
 ----- محمد اسحاق انجم ۔ گلشن پور
 کاش کے اب کے برس میں کامیاب ہو جاؤں
 تجھ کو پانے میں یا تجھ کو کھونے میں
 ----- محمد اسحاق انجم ۔ گلشن پور
 کہو ان کالی گھٹاؤں سے جھوٹ کر
 کسی کے شانوں پر زلف حسین بکھرتی ہے
 ----- محمد اسحاق انجم ۔ گلشن پور

روز دیتے ہوئے وہ کہتی ہے زندگی مجھ سے
 صرف اک شخص کی خاطر مجھے برباد نہ کر
 اقبال حسن۔ ذریعہ اسماعیل خان
 البھاری ہے مجھ کو یہی کشمکش مسلسل
 وہ آہا ہے مجھ میں یا میں اس میں کھو گیا
 اقبال حسن۔ ذریعہ اسماعیل خان
 کفن کی گرہ کھول کے میرا دیدار تو کرلو
 بند ہو گئیں وہ آنکھیں جن کو تم رولایا کرتی تھی
 اقبال حسن۔ ذریعہ اسماعیل خان
 مثل شیشہ ہیں ہمیں تھام کے رکھنا ایس
 ہم تیرے ہاتھ سے چھوٹے تو بکھر جائیں گے
 ساجد انصاری۔ جلالپور بھٹیاں
 ہم تو پھول کی ان پتیوں کی طرح ہیں ایس
 جنہیں خوشی کی خاطر لوگ قدموں میں کھالیتے ہیں
 ساجد انصاری۔ جلالپور بھٹیاں
 سوکے پتوں کی طرح بکھرے ہیں ہم تو ایس
 سی نے سمیٹا بھی تو جلانے کیلئے
 ساجد انصاری۔ جلالپور بھٹیاں
 عارف رفتہ رفتہ تیری آنکھ جس سے لڑی ہے
 جس سے لڑی ہے وہ دور رہتی ہے
 سید عارف شاہ۔ جہلم
 توئی قبر پر پاں بکھیرے جب وہی زمین روئی ہے
 اکثر مجھے خیال آتا ہے موت بھی حسین ہوتی ہے
 سید عارف شاہ۔ جہلم
 فکر معاش۔ ماتم جاناں اور غم دل
 آج سب سے معذرت کہ موسم حسین ہے
 محمد وقاص احمد حیدری۔ سہگل آباد
 دل کا روگ تھا نہ یادیں تھیں نہ ہی یہ سحر تھا
 تیرے پیار سے پہلے نیندیں بڑی کمال کی تھیں
 محمد وقاص احمد حیدری۔ سہگل آباد
 عطر کی شیشی گلاب کا پھول
 شہزادہ کا خدا کا رسول ﷺ

افغان محمود۔ درگزر
 تاروں میں چمک پھلوں میں رنگت نہ رہے گی
 ارے کچھ بھی نہ رہے اگر محمد ﷺ کا میلاد نہ رہے گا
 افغان محمود۔ رکن
 ادھر آستم گر ہنر آزمائیں
 تو تیرا تما ہم جگر آزمائیں
 محمد علی چھترہ۔ آزاد کشمیر
 کچھ کیوں کوئی شکوہ یا شکایت نہیں مجھ سے
 تیرے پاس تو لفظوں کی جاگیر ہوا کرتی تھی
 محمد علی چھترہ۔ آزاد کشمیر
 کن لفظوں میں بیان کروں اپنے دل درد کو علی
 سننے والے تو بہت ہیں مجھے والا کوئی نہیں
 محمد علی چھترہ۔ آزاد کشمیر
 ہم جیسے برباد دلوں کا بیٹا کیا مرنا کیا
 آج تیرے دل سے نکلے ہیں کل دن کے نکل جائیں
 محمد علی چھترہ۔ آزاد کشمیر
 یہ شرط محبت بھی عجیب ہے
 کہ پورا اتروں تو وہ معیار بدل دیتے ہیں
 وقاص اینڈ شہزادہ۔ گوجرانہ
 آنکھوں میں حیا ہو تو پردہ دل کا ہی کافی ہے راجہ
 نہیں تو نقابوں سے بھی ہوتے ہیں اشارے محبت کے
 راجہ کا مران راجہ۔ کسوال
 اجالے اپنی یادوں کے بادل سے پاس رہنے دو
 نبھانے کس کھلی میں زندگی کی شام ہو جائے
 رخسار احمد۔ کوٹھا صوابی
 کبھی نہ ٹوٹنے والا حصار بن جاؤں
 تو میری ذات میں رہنے کا فیصلہ تو کر
 شکیل خان۔ کوٹھا صوابی
 خوش رہنا بھی چاہوں تو رہ نہیں سکتا
 کیونکہ غموں نے میرے گھر کا راستہ دیکھ لیا ہے
 محمد عدنان۔ بہاول
 میں کیا خود سے اسے پکاروں کہ لوٹ آ

کیا ہے خبر نہیں کہ میرا دل نہیں لگتا اس کے بغیر
 نسیم۔ گلن پور
 ہر روز ہم اداس ہوتے ہیں اور شام گزر جاتی ہے
 اک روز شام اداس ہوگی اور ہم گزر جائیں گے
 اختر علی۔ صوابی
 میں نے پوجا ہے تجھے تیری عبادت کی ہے
 تجھ کو چاہا ہے نظم تم سے محبت کی ہے
 عبادت علی۔ ڈی آلی خان
 تو اشک بن کر میری آنکھوں میں سکا جا
 میں آئینہ دیکھوں تو تیرا عکس بھی دیکھوں
 جو نیازی رہے خواب میں آنے سے بھی خائف
 آئینہ دل میں اسے موجود ہی دیکھوں
 اسد شہزاد۔ گوجرہ
 آنکھوں کی طرح حراز ہے کھلتا بھی نہیں
 وہ سیلاب بھی بن جاتا ہے دریا بھی نہیں
 اس شخص کے پہلو میں صواب لگتا ہے
 جب کہ گر جائیں مندر نہیں کعبہ بھی نہیں وہ
 عائشہ رحمن۔ میر والا
 تجھے حسن کا روپ چھایا پھولوں کی خوشبو میں
 چھپا اپنا چاند سا چہرہ اپنی کالی زلفوں میں
 سید عارف شاہ۔ جہلم
 زندگی کے حسین سفر میں انسان بدل جاتے ہیں
 ساتھی دامن چھوڑ کے کہیں دور نکل جاتے ہیں
 محسن عزیز۔ حلیم۔ کوئٹہ کھان
 کون کہتا ہے تیری چاہت سے بے خبر ہوں
 بستر کی ہر شکن سے پوچھو کیسے گزرتی ہے رات
 محسن عزیز۔ حلیم۔ کوئٹہ کھان
 مت بہاؤ آنسو بے قدروں کیلئے
 جو لوگ قدر کرتے ہیں وہ رونے نہیں دیتے
 مرزا عامر نوید۔ منڈی بہاؤ الدین
 اسی کا شہر دیں مدنی وہ منصف
 ہمیں یقین تھا قصور ہمارا ہی لکھے گا

..... تنزیلہ حنیف۔ ٹلہ جوگیاں
 یوں تیری چاہتیں سنبھال رکھی ہیں
 جیسے عیدی ہو میرے بچپن کی
 صدیق حسین۔ صدائے کیلا سکے
 دل کی دھڑکن توقف ہوٹ کا تقاضا ہے
 یہ دنیا تو سانس لینے کی اجازت نہیں دیتی
 رانا ہار علی ناز۔ لاہور
 دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
 پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے
 پرنس عبدالرحمن۔ گجر۔ نین راجنجا۔
 ہماری زندگی تنہائیوں کی نظر ہوگئی
 تمام غموں میں بسر ہوگئی
 کیا دنیا ہمیں اس زندگی نے
 خوشیاں دیں تو دکھوں کو خبر ہوگئی
 عابدہ رانی۔ گوجرانوالہ
 لذت گناہ کی خاطر باردی میں جس نے جنت ہادی
 میری رگوں میں بھی اس آئینے کا خون ہے
 مریم بابر۔ گوجرانوالہ
 اس نے سمجھائی نہیں نہ سمجھا چاہا
 میں چاہتا بھی کیا تھا اس سے اسے سوا
 تنزیلہ حنیف۔ ٹلہ جوگیاں
 کسی کے چلے جانے سے کوئی مرنے نہیں جاتا
 بس زندگی کے انداز بدل جاتے ہیں
 قمر اعجاز۔ گوندل گوجرہ
 میں مجدوں میں تیری عافیت کی دعا مانگوں گا
 سنا ہے خدا بیوقوفوں کو معاف نہیں کرتا
 غلام فرید جاوید۔ حجرہ شاہ مقیم
 ہوتی ہوگی میرے بوسے کی طلب میں پاگل آکاش
 جب بھی زلفوں میں پھول سجائی ہوگی
 رائے اطہر۔ مسعود آکاش
 میرے وعدوں کو اس نے مذاق سمجھا
 میرے پیار کو اس نے جذبات سمجھا

خطوط کو فناک

السلام علیکم امید ہے کہ خوفناک ڈائجسٹ کا پورا سٹاف ہی خیریت سے ہوگا اور فروری خوفناک میں میرا سلا لٹر ہے یہ بھی ایک دوست کی حوصلہ افزائی سے لکھ رہا ہوں اور امید ہے کہ بندہ ناچیز کو شمارے میں جگہ ضرور ملے گی فروری کے شمارے میں سب سے پہلے۔۔۔ خونی صحرانورد محمد عباس میواٹی چوکی دیری گڈ اچھی سنواری تھی پڑھ کر بہت مزہ آیا مجھے تو خوابوں میں بھی سکرام دیو دکھائی دے رہا ہے۔ بابا بابا۔ کہاں چلے گئے ہوندا میواٹی جی جلدی واپس آ جاؤ ورنہ اب انعم شہزادی کو کون بچائے گا انعم تلاش کر رہی ہے آپ پھولوں کے شہر سے ہو کر پھر بھی یہ پھولوں کا گلہ سہ قبول کر لیجئے۔۔۔ اسنی جی امتیاز کراچی۔ بس الفاظ کا کمال تھا۔۔۔ کوئی چاند رکھ میری شام پر بھی خوبصورت الفاظ کا کمال تھا۔۔۔ شیطان کی بیٹی عثمان غنی پشاور کد جا رہی ہے اس طرح ہی لکھتے جا میں بانی سنواریاں بھی پسند آئیں مگر اس بار خطوط غائب تھے پلیز پلیز خطوط ضرور شائع کیا کریں سارا مزہ ابی تو خطوط کی محفل میں ہوتا ہے جیسا کہ اسے شمارے میں میرا خط بھی مزہ دے رہا ہوگا انشاء اللہ قارئین مجھے دیکھ کر مات بھولیں گے کیونکہ میں اب خوفناک میں اپنے قدم جمارہا ہوں اور بہت جلد ایک سنواری کے کرہا ضرر خدمت ہوں گا میں نے لکھنا شروع کر دیا ہے اللہ تعالیٰ خوفناک کو دن و گنی رات چوکی ترتی دے آمین۔

محمد انیس بن نخر ہاولینڈی

السلام علیکم۔ اس بار خوفناک آپ کے وعدے کے باوجود تیرہ فروری کو ملا بہت انتظار کرتا ہے یہ ڈائجسٹ یہ واحد ہے جس میں میں لکھ رہا ہوں جبکہ یہ رسالہ لیٹ ہو جاتا ہے تو مجھے عجیب سی بے چینی ہونے لگتی ہے آپ کی بہت مہربانی ہوگی اس کو جلدی شائع کیا کریں تاکہ اس کو پڑھ کر انیم ایٹی رائے آپ تک پہنچا سکیں مجھے اس ماہنامہ سے اتنا پیار ہے کہ دل کرتا ہے ہر روز اس رسالے کے لیے کچھ نہ کچھ لکھ کر آپ تک پہنچاؤں اس کے علاوہ میں نے بہت سی کہانیاں لکھی ہیں ان میں کچھ مختصر بھی ہیں اور طویل بھی پلیز ایسا ان کو جلد از جلد شائع کریں بہت مہربانی ہوگی اس کے بعد میں نے ایک کہانی تیار کر رکھی ہے یہ اتنی بڑی تو نہیں مگر کچھ پرابلم ہوگی ہے جس کی وجہ سے مجھے مجبوراً اس کہانی کو دو حصوں میں تقسیم کرنا پڑا ایک حصہ میں بھیج رہا ہوں اور دوسرا بھی آپ کو مل جائے گا اب بات ہو جائے کچھ رسالہ کے بارے میں سرورق اس مرتبہ جاذب تھا فہرست میں دیکھا تو دل باغ باغ ہو گیا کیونکہ خوفناک واقعات میرا پسندیدہ سلسلہ ہے جب میں چھوٹا سا تھا تو یہ سلسلہ میں بہت شوق سے پڑھتا تھا پھر نا جانے کیوں بند ہو گیا اب جب اس سلسلے کو اپنے مبینوں بعد دیکھا تو بہت خوشی ہوئی مگر غم ایک بات کا ہوا کہ خطوط غائب تھے سر سے ہی پتہ نہیں کیوں مگر تھے ہیں خطوط کی محفل میں بغیر رسالہ پھینکا پھینکا سا لگتا ہے اگر آپ کے پاس کچھ کم ہیں تو دس پندرہ اور بڑھائیں آپ بھیاں بہت مہربانی ہوگی اس کو شائع کر دیا اس دفعہ صرف اتنا ہی کافی ہے اجازت دیں اللہ حافظ۔

عظیم عباس ڈوگر سودال

اسلام علیکم بھائی جان صدا خوش رہو آہ اور ہو آمین امی امی ماہ جنوری کا خوفناک ملا ہے پڑھا تو چند دنوں میں ہی رسالہ پورے کا پورا پڑھ لیا اس کی ایک وجہ ہے کہ جب میں یہ رسالہ پڑھنا شروع کرتا ہوں تو دل کرتا ہے کہ اس کو پڑھتا ہی چلا جاؤں ایک کہانی کے بعد دوسری کہانی اس میں اس قدر رکھو جاتا ہوں کہ پھر وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلتا اتنا پیارا رسالہ ہے کہ اس کی کیا تعریف کروں اس رسالے کو پڑھتے پڑھتے ہی مجھے نکتے کا جنون پیدا ہوا تھا اور میں نے لکھنا شروع کر دیا تھا اور میں نے کچھ کہانیاں بھی لکھ کر بھیجی ہیں ان کی بارش آئیں آپ کی مہربانی ہوگی مجھے پوری امید ہے کہ آپ ضرور ان کو شائع کریں گے۔

محمد حامد سرور۔ خانوالا

اسلام علیکم ریاض بھائی کیا حال ہے امید ہے کہ آپ کے مزاج گرامی ٹھیک ہی ہوں گے فروری کے شمارے کے لیے کافی انتظار کیا ایک دفعہ تو بالکل ہی مایوس ہو گئے تھے لیکن پھر کرشمہ قدرت اور دھڑکتے دل کے ساتھ فہرست دیکھی تو اس دفعہ بھی کہانی نہ پا کر سخت مایوس ہوئی انکل جی پلیز اب تو ہمارا نمبر لگا دیں کہیں اس کے انتظار میں ہم غلط نہ کر بیٹھیں اب نیو اسٹریز کو بھی آگے بڑھنے کا موقع ہے تو جی اب بات ہو جائے اس خوفناک میں شامل کہانیوں کی تو جناب سب سے پہلے افراناز کی سنوری سنیں اس کے بعد اپنے پیارے بھائی ندیم عباس میاوی کی کاوش خوفی صحرا پر بھی زبردست تھی اس کہانی میں محبت اور درپیلو ٹپک وقت میں پڑھنے کو ملے ہیں وہ بلیٹن بھائی چھانگے ہیں آپ اس طرح مزید کہانیاں لکھتے رہیں اس سے ملا وہ فطیل احمد کی تیرے طالب نے بھی کافی متاثر کیا آئیسی ملی کے رائٹرز کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں ان کی کہانی کی تعریف و سربس کو چراغ دیکھنا ہو گا ان کا اس ڈائجسٹ میں آنا خوش آئین بات ہے باقی مختصر کہانیوں میں کنویرس کے ہونے و نہ ہونے اور اتنا اچھی کہانی تھی اس دفعہ کہانیوں کا شامل چار پانچ سال پرانا تھا اور عجیب بھی ایک بات اور میں ندیم علی سندھیوانی۔ داؤد شاہ۔ مصباح کریم میاوی وغیرہ کے گروپ میں جو کہ شاہین گروپ کے نام سے مشہور ہے شامل ہونا چاہتا ہوں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کے گروپ کے تمام اصول و ضوابط پر عمل کروں گا امید ہے کہ مایوس نہیں ہوں گا کہیں آپ سے ملے گی اور بے عیب دوستی کرنا چاہتا ہوں انکل پلیز بہادری کہانی کو بھی جگہ دیں امید کرتا ہوں آپ اسے ضرور جگہ دیں گے آخر میں ابو ذر غفاری ابو طلحہ عبد اللہ۔ اور پروفیسر محمد اختر علی بلوچ برادر زکو سلام دعا ہے کہ رسالہ مزید ترقی کرے آمین اور سب خوش رہنے اپنے زندگی میں اللہ حافظ۔

ابو ہریرہ بلوچ بہاولنگر

اسلام علیکم۔ فروری کا شمارہ دس خردی کو ملا اور ملا بھی مغرب کے بعد اس کے اپنے سے خوشی میں نے جلدی جلدی کام سمیٹنے کی کوشش کی جس پر مایوس ڈانٹ بھی پڑی مگر پروا نہیں کی کیونکہ میری سن پسند کی سنوری جو آچکی تھی خیر رات دس بجے جا کر فارغ ہوئی جلدی سے اپنے کمرے میں چائے شہرہ نکالا جلدی سے سرفہرست دیکھی تو میری مطلوبہ سنوری صفحہ چودہ پر خوفی صحرا کے نام سے چمک رہی تھی جو کہ میرے پیارے بھیا ندیم عباس میاوی کی تھی خوفناک سگرام نے تو میری جان ہی نکال دی اتنا جیت ناک چہرہ اف اللہ میں تو کہیں میں ٹھس مٹی کچھ دیر بعد حوصلہ ہوا پھر سنوری پڑھنا شروع کی تو گلی کے ٹکڑے پر کئی بالوں والی گلاب کی پتلیوں جیسے ہونٹوں والی ایک سیڑ نظر آئی میں تو حسرت کو دیکھ کر حیران رہ گئی کیونکہ وہ تو میری آپنی انعم شہزادی نکلی واوا آپنی واو بڑی ترقی کر لی ہے واقعی آپ پرستان کی شہزادی لگ رہی تھی معرور مست ہونا میرے بھیا بھی کسی شہزادے سے کم نہیں ہیں میرے بھیا سے سگرام جیسے دیو بھی مات کھا جاتے ہیں او شہزادی زبردست تمہیں نہیں شیطان کے قدموں میں ذبح

ہونے دیتا آرہا ہے میرا بھائی۔ لو آگیا۔ ارے بھیا بھاگو بھاگو ورنہ مندر میں دب جاؤ گے شکر ہے نکل آئے تو اب صاف پانی سے نہا لو ورنہ فلک کو بھی رنگین بانی کی حسرت ہوگی چلو گھر چلو آئی بہت پریشان ہے لونجی ابھی تک لوگوں کا جھوم لگا ہوا ہے چلو اپنے اپنے گھر آگئی انعم جی ہو خود غرض انعم میرے بھیا کو چھوڑ کر بھاگ کر ماما کے پاس چلی آئی لو اب سزا کرنی پھر میرے بھیا کو تلاش وہ جی واہ مزا آگیا میں سونے لگی ہوں سارے گیارہ ہو چکے ہیں اگر بھیا ملے تو مجھے رابطہ کر لینا قارئین میرا پہلا خط ہے دیکھ کر نامت بھولے گئے گا بالخصوص بھائی ندیم میوانی۔ انعم شہزادی مصباح کریم۔ بھائی نادر شاہ اینڈ راشدہ فلک صاحبہ اگلے ماہ تک دب رکھا۔

ایمان فاطمہ منڈی بہاؤ الدین

اسلام علیکم میں خیریت سے ہوں امید ہے کہ آپ بھی خیریت سے ہوں گے میں خوفناک کا کافی عرصے سے خاموش قاری ہوں لیکن اب خاموشی تو زربا ہوں میرا آپ کسی بھی شمارے میں پہلا خط ہے ماہ فروری کا خوفناک پڑھا لیکن اس شمارے میں خطوط کو نہ پا کر دکھ ہوا پلیز خط ضرور شائع کیا کریں سنوریز میں سب سے پہلے بھائی ندیم عباس کی فونی پھر چچی لگی ہے چاچا کی آنکھوں سے یہ لگتا ہے کہ نگرام دیو بھاگا آرہا ہے اور کہہ رہا ہو کہیاں سے نہ پتا چلتا ہے یہ بانی ہیں اس کو چھوڑ دوں گا نہیں پایا ہا۔۔۔ اسی کے علاوہ شیطان کی مٹی بہت اچھی جارہی ہے لیکن سونی کے بھائی کی شائع ہونی سے اس کا باقی حصہ بھی پتا نہیں کہاں چلا گیا ہے اس کا بقیہ حصہ ہے تو ضرور شائع کر دینا ہر مذہب قرض ظاہر خالق تعالیٰ کی امتیاز احمد کراچی انجمی تحریریں تھیں آپ نے خطوط کے جواب دینا شروع کیا ہے میں ضرور بہ ضرور جواب دے کر دیکھیں گا اس کے علاوہ شعر بھیج رہا ہوں پلیز ضرور شائع کرنا۔

محمد بلال انجم ساہیوال

اسلام علیکم۔ فروری کا شمارہ اپنی تمام تر خوفناکیوں کے ساتھ میرے سامنے ہے میں اسے پڑھنے میں مصروف ہوں خط زیادہ لمبا لکھتے سے گریز کروں گا کیونکہ میں اس لکھاری ہوں خط میں غلطیاں ہو سکتی ہیں اور اگر وہوں کی تو میرے لیز کو بزم خطوط میں جگہ ہی نہیں ملے گی خیر وہ تو بعد کی بات ہے پہلے میں اپنے پسندیدہ رائٹرز کے نام لے لوں ان کے نام ہیں۔ آپنی تم تم نشاد۔ اور آپنی ساحل دعا بخاوی۔ یہ دونوں رائٹرز میری پسند کی ہیں اور ان کے پسندیدہ ہوں لیکن ان اشعار میں جو یہ کہانی میں لکھتی ہیں آپنی تم تم نشاد اور آپنی ساحل دعا آپ سے گزارش ہے کہ میری کہانیوں کو شائع کیا کریں بانی ریاضی انکل تو میرے ہمسائے ہیں ایک کھلے میں ہی وہ رہتے ہیں تو دوسرے ایک میں بھی ہیں خوفناک کے تمام رائٹرز جو اس مرتبہ اپنی کہانیوں کے ساتھ موجود ہیں ان کو میری طرف سے مبارکباد تو یہ کہ زیادہ تمام کہانیاں اچھی ہیں ارتج تمنا آپ کو ایک دوست کی اشعر ضرورت ہے تو دوسری طرف سخت محنت کی بھی اشد ضرورت ہے خط زیادہ لمبا ہوتا جا رہا ہے امید ہے کہ شائع ضرور ہو گا اب تمام دوستوں اور بزم خط سے ایک بیٹے کے لیے رخصت چاہوں گا۔

اسے ایم وقاص احمد گجر پورہ لاہور

اسلام علیکم۔ مارچ کا شمارہ ملا خوبصورت ناسخ کے ساتھ ہاتھوں کی زینت بڑھارہا ہے فروری کے شمارے میں میری سنوری فونی پھر اجن دوستوں نے پسند کی اور میری حوصلہ افزائی کی میں ان کا انتہائی مشکور ہوں بالخصوص۔۔۔ بھائی خالد شہباز بہت بہت شکر یہ مگر آپ کی سون کی مجید کیوں شائع نہیں ہو رہی ہے آخر کیا وجہ ہے میں بہت شوقی۔۔۔ شتاہوں پلیز جو بھی وجہ سے ضرور بتائیے۔۔۔ آر کے ریحان شکر یہ جی آپ کی سنوری بہت ہی خوبصورت اواز میں منزل کی طرف بڑھ رہی ہے لکھتے رہنا یاد۔۔۔ وارث آصف شکر یہ ہز موت گد

سنوری تھی۔۔۔ مصباح کریم میواتی جی شکر یہ آپ ہماری خطوط کی محفل کی جان ہو پلیز لوٹ آؤ۔۔۔ انعم شہزادی اینڈ آپلی ماہ نور اب تو خوش ہوا اچھا جی کو انکل جانج کے پاس بھیجتے رہتا اور آپ بھی اپنے وعدے پورے کریں۔۔۔ ابو ہریرہ بلوچ شکر یہ میں آپ کی سنوری کا انتظار کر رہا ہوں۔۔۔ لعل آپلی اقر اینڈ راشدہ پورے والا آپ کی بے چینی دیکھ کر مڑ آ گیا۔۔۔ میرے جانی نادر شاہ۔۔۔ طاہر عباس۔۔۔ ایم ظفر بہت بہت شکر۔۔۔ میری اسویہ سی آپلی ایم فاطمہ منڈی بہاؤ الدین دل کی اتھا گہرائیوں سے سلام سنوری پسند کرنے پر شکر یہ آپ اپنے مدد پورا کریں آپ لکھو یہ رسالہ آپ کا بنانا ضرور حوصلہ افزائی ہوگی۔۔۔ محمد عثمان مٹی اینڈ سید ہماز احمد کراچی اچھا شہرہ تھا۔۔۔ تنظیم ڈوگر مختصر طور پر انچھی تھیں گز لکھتے رہیں۔۔۔ سونیا اینڈ ابرار محکو منڈی ونگم ان خطوط کی محفل۔ اب ہر ماہ حاضر رہنا سارے لہو عادیہ ہر دن اب ہوگی حوصلہ افزائی گز سنوری تھی اب لکھتے رہنا میری سب سے پیاری آپلی سلمیٰ کریم میواتی جی بہت بہت شکر یہ میری حوصلہ افزائی کریتے کا اور سنوری کو پوند کیا آپلی جان میں آپ کے بھتیجے نعمان حنیف کی برکت ڈے پر ضرورتوں کا بشرطیکہ اس ان میرا پیپر نہ ہو ورنہ معذرت چاہوں گا مٹی۔ کوئی دن ایسا نہ ہوگا جس دن میں آپ کو اور آپ کی فیملی کی باتیں نہ ہوں بہت مس کرتے ہیں یقیناً آپ بھی مس کرتی ہوں گی فاروق کمانڈر چٹوکی بہت شکر یہ جی میری تمام پرانے لکھاریوں سے گزارش ہے کہ پلیز لوٹ آئیں خوفناک کی محفل ان کی راہیں تک رہی ہے۔

محمد ندیم میواتی چٹوکی

میری طرف سے خوفناک کی تمام ٹیم کو سلام میں نئی رائٹریوں کا لے جادو کا جنون میری دوسری بہانی ہے ضرور بتائیے گا کیسی لگی۔ ہے آپ کو خوفناک سایہ افرا ناں کی کہانی اچھی تھی اور غوثی صحرا ندیم عباس میواتی چٹوکی کی پڑھ کر اچھا لگا مصور عابد سعید آپ کی کہانی ایک دم الگ تھی ہے اچھی تھی خوفناک حقیقت سید رضا آپ کی کہانی بہت مزے کی تھی پڑھ کر بہت اچھا لگا سونے کی مورلی۔ علی نصیب آپ کی بھی کہانی اچھی ہے خوب۔۔۔ ظہیر عباس آپ کی کہانی بھی اچھی تھی آپلی بی امتیاز احمد یہ جو آپ نے کہانی لکھی ہے یہ تقریباً سب سچی ہی ہے ایسا ہوتا ہے میں یقین کرتی تو نہیں لیکن جو کچھ سننے کو ملتا ہے ماننا پڑتا ہے بے گناہ غلام کی ساغر ایلے ہوئے کیا سنوری ہے میں یہ سنوری پڑھ رہی تھی اور اس میں ایسا کھو گئی کہ پاس کھڑی بہن آواز میں دے رہی تھی اور میں سن ہی نہیں رہی بہت اچھی کہانی ہے شیطان کی بنی بنان مٹی ہائے کیا سنوری ہے الفاظ بھی کم ہیں آپ کی سنوری پڑھنے سے مجھے بے چینی سے انتظار رہتا ہے ریاض انکل آپ بھی کم نہ ہوا کریں پلیز پلیز اس ماہ اپنے سنوری ضرور لکھئے گا سو ری زیادہ لکھ دیا لیکن آئندہ لکھوں گی پلیز تنظیم عباس ڈوگر آپ مجھے ضرور بتائے گا میری سنوری کیسی ہے آپ سچ بولتے ہیں۔

کائنات عامرہ ذکریہ

اسلام علیکم انکل جی آپ کیسے ہیں امید ہے کہ خیریت ہے ہوں گے مارچ کا شمارہ بہت ہی لیٹ ملا لیکن شمارہ بہت زبردست تھا۔ اچھا لگا جتنی کہانیاں تھیں سب بہت خوفناک اور زبردست تھیں دل ہلا دینے والی تھیں کہانی پڑھنے کے دوران بھی ڈر لگتا ہے سب غزلیں اور نظمیں بہت زبردست تھیں اور سب غزلوں اور نظموں نے شمارے کا مزہ ہی دو بالا کر دیا ہے شاعری بھی اچھی تھی سب اشعار بھی اچھے تھے اپنا شعر دیکھ کر خوشی ہوئی اور بس شمارے میں پھول اور کلیاں کی کئی تھی باقی تمام شمارہ سپر ہٹ تھا اپنے دو خطا دیکھ کر خوشی انتہا دے پڑھ گئی انکل جی میں خوفناک ہر ماہ باقاعدگی سے پڑھتا ہوں یہ میرا پناہ سالہ ہے اور اسے بہت زیادہ محبت ہے مجھے۔

خطر حیات۔ رانا شاہ محمود۔ رانا سلیم۔ حسن رضا۔ روزہ تھل

اسلام علیکم امید کرنا ہوں کہ خوفناک کی پوری ٹیم بالکل خیریت سے ہوگی خوفناک ڈائجسٹ میں میرا پہلا بیج ہے اگر میری حوصلہ افزائی ہوئی تو ضرور بھر در لکھوں گا مجھے خوفناک میں متعارف کروانے والے میرے بھائی راشد لطیف صبرے والے، جو ملتان میں رہتے ہیں ان کا بہت شکر گزار ہوں اپنوں نے مجھے اتنے اچھے رسالے سے متعارف کروایا ہے اب انشاء اللہ ہر ماہ پڑھا کروں گا انشاء اللہ خوفناک ڈائجسٹ اس میں موجود بہترین عمدہ کہانیاں غزلیں نظمیں حاشیےں بہترین اچھی ہیں دل کو بہت ہی اچھی لگتی ہیں اور میری دعا ہے کہ یہ ہمیشہ ایسے ہی ترنی کرتا رہے اور خدا سے نظر بد سے بچائے آمین۔ ڈائجسٹ میں تمام رائٹرز اچھا لکھ رہے ہیں خاص کر کے انگل ریاض احمد ان کی تو کیا ہی بات ہے پڑھ کر مزہ آ جاتا ہے خدا نکل ریاض صاحب کی لمبی عمر کرے آمین آخر میں تمام رائٹرز اور سٹاف کو میری طرف سے سلام ملے انگل جان میرا خط ضرور شائع کریں میں نے دل سے لکھا ہے میری طرف سے سب سلام۔

کنول جی تنہا غفاری: سگھو سنڈی

میری طرف سے خوفناک کے سبھی قارئین اور رائٹرز کو سلام میں کافی عرصے سے خوفناک میں خط لکھ رہا ہوں اس کی دو وجہ ہیں پہلی وجہ یہ کہ ہر علاقہ میں خط بھیجنے کا ذریعہ نہیں ہوتا صرف میں ہی نہیں بہت سے ایسے لوگ ہو گئے جو خوفناک کو ریڈیو سے پڑھتے ہیں مگر خط بھیجنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہوگا اس مشکل کو حل کرنے کا میں نے سبھی قارئین کے لیے آسان ذریعہ نکالا ہے میں نے اس بارے میں ریاض انگل سے بات کی ہے جو بھی ایسے قارئین ہوں جو اپنا خط خوفناک میں شائع کر دانا چاہتے ہوں تو وہ اپنا خط ریاض انگل کے نمبر پر بھیج کر دیا کریں جس سے آپ کا خط جلد از جلد شائع ہو جائے گا اور میری بات یہ کہ خوفناک اکیلا پڑھ گیا ہے ابی رائٹرز اس سے چلے گئے ہیں اور دوسرے ڈائجسٹوں میں لکھ رہے ہیں میری افسوس کی بات ہے کہ جو رائٹرز مجھے ٹکرا رہے ہیں ان کی تنقید کی وجہ سے لکھنا چھوڑ چکے ہیں وہ جلد ہی سے خوفناک میں واپس آ جائیں اور کچھ قارئین کا کہنا ہے کہ وہ تنقید کی وجہ سے لکھنا چھوڑ گئے ہیں مگر اس بار ہم نے آصف کو سمجھا دیا ہے وہ کسی پر تنقید نہیں کریں گے اس لیے جو قارئین میرا خط پڑھ رہے ہیں ان سے گزارش ہے کہ وہ سب واپس آ جائیں اور خوفناک میں لگتا رہے ہیں اگر انھیں میرے ساتھ خوفناک کے کچھ رائٹرز کام کر رہے ہیں جن میں فلک زاہد عثمان غنی۔ کاشف عبید۔ ندیم میواہی۔ وارث آصف۔ ثلیل۔ نادر شاہ۔ اور مارون میرے یہ سبھی دوست انشاء اللہ خوفناک میں آپ لوگوں کے لیے بہتر سے بہتر کہانیاں لکھنے کی کوشش کریں گے اور باقی رائٹرز جو خوفناک میں لکھ رہے ہیں مگر ان کا نمبر نہیں تھا میرے پاس اس لیے ان سے رابطہ نہیں ہو سکا ان سے اپیل ہے کہ وہ بھی خوفناک میں لکھتے رہیں اور نئے رائٹرز جو خوفناک میں آنا چاہتے ہیں پلیز وہ بھی آئیں میں وعدہ کرتا ہوں خوفناک میں آپ سب کی حوصلہ افزائی ہوگی ریاض انگل میرا یہ خط ضرور پورا شائع کرنا تاکہ سب قارئین کو میری آواز پہنچ جائے اب اجازت چاہتا ہوں اس دعا کے ساتھ کہ سبھی رائٹرز اور قارئین میری باتوں پر ضرور غور کریں گے جو قارئین میری سلسلے دا کہانی ذر کے آگے جیت سے پسند کر رہے ہیں ان سب کا بہت بہت شکریہ اللہ حافظ

اسلام علیکم مجھے امید ہے کہ آپ سٹاف ریڈرائٹرز سب خیریت سے ہوں گے اور انہی کہتے ہوئے موتیوں کی مالا پر و خوفناک کی دنیا کو چار چاند لگا رہے ہیں سسٹرز اینڈ برادرز میں خوفناک میں کم ہی ہوتی ہوں اگر

لکھنا شروع کر دیا تو کوئی جیت نہیں پائے گا یہ بات یاد رکھنا میں بہت ضدی ہوں اگر مجھے غصہ آ گیا تو میں نے کسی کو آگے نہیں جانے دوں گی مجھے غصہ بھی بہت جلدی آ جاتا ہے۔ اور پھر ایک چڑیل ہے جس کو میں ماسی کہتی ہوں اس کی کہانی لے کر آؤنگی جو کہ بچپن میں میرے ساتھ ٹھیلنا کرتی تھی اب تو وہ بیچاری بوڑھی ہو گئی ہوگی یہ ایک حقیقت ہے اور اگر وہ آگئی تو میں سب سے آگے ہی جاؤں گی میں اس کو چڑیل نہیں کہتی ماسی کہتی ہوں کیونکہ وہ ہمارے گھروں میں ہی رہتی ہے اور سب کی حفاظت کرتی ہے خیر یہ تو اپنی باتیں ہیں خط لبا ہوتا جا رہا ہے باقی سب تحریریں اچھی ہیں میرے شہر کے بھائی ندیم کی کہانی پڑھی بہت اچھی لگی ویلڈن بھائی جی اور مصباح آج کل لگتا ہے کسی اچھی چڑیل کے چکروں میں سے کہیں کسی کے تھے تو نہیں چڑھ گئی ڈھونڈو اس کو کہیں کسی چڑیل کی کہانی بناتے بناتے وہ خود ہی بھیس بدل لے پلیز مصباح جی ایسا مت کرنا آ جاؤ اب کچھ باقی کہانیاں بھی پڑھی ہیں اور ان کی تعریف ہی مناسب سمجھتی ہوں کیونکہ آج کل لوگوں کے دماغ موسم بہاراں میں بھی فریض کلم اور خراب زیادہ ہیں جن کی کہانی کی تنقید کرو اس کو تڑکا لگتا ہے اور دو سال ہی چھوڑ دیتا ہے حالانکہ اس کو خوش ہونا چاہئے کہ شکر یہ میری کہانی پر کسی نے تنقید بھی کی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ خوش کرے کہ اچھا لکھ سکے مگر نہیں الٹا ہی ہو جاتا ہے خیر راسخ زعفرات کو ایسا نہیں کرنا چاہئے اگر اس نے کہانی لکھی ہے تو اگر اس کی تعریف میں لوگوں نے کی ہے تو میں لوگ اس کی تنقید بھی کریں گے وہ تعریف سن کو خوش ہوتا ہے مگر تنقید سن کو بھی برداشت کیوں نہیں کرتے خیر اگر کچھ بننا چاہے ہو تو سب کچھ برداشت کرو۔ پہلے پہل میری کہانیوں پر بہت تنقید ہوتی تھی مجھے بھی غصہ آتا تھا مگر میں نے نہ تو رسالہ چھوڑا ہے اور نہ ہی لکھنا چھوڑا بھائی مظفر شاہ نے میری کہانیاں پر بہت تنقید تھی مگر میں ہمت نہیں ہائی لکھتی ہی گئی اب وہ ہی بھائی مظفر شاہ ہیں کہ میری کہانیوں کی تعریف کرتے ہیں تو قدر میں کوئی اگر کسی کہ تحریروں میں سے کوئی کی پیشکش ہے تو غصہ مت کرو اپنے دلبر رسالے کو مت چھوڑو بعد میں پھر اسی رسالے نے ہی تمہیں پناہ دی ہے۔ خیر دعا بھادی کہاں چلی گئی ہے وہ نظر نہیں آتی اور یا ضیہ سے رہیں گے کہ اپنی کہانی تلاش عشق کی قسط میں پڑھنے کو دیکھو ہم دعدہ کرتے ہیں پڑھ کر واپس کر دیں گے نہیں رکھتے اگر آپ کو ڈر ہے تو اور ہمارے تمام لیفرز کے جواب ضرور دیا کریں مہربانی ورنہ میں بھی مصباح کریم کے دھڑنے میں شامل ہو جاؤں گی افراتو آزاد کشمیر سے ایک راسخ ابھری ہیں سیکرٹری ان کو ابھی بہت محنت کی ضرورت ہے امید ہے کہ وہ اپنی کہانیوں میں ڈر خوف ڈالیں گی اور ایسا کچھ لکھیں گی جو قارئین چاہتے ہیں ان کے لکھنے کا انداز عام ساتھیوں میں یہ ہی محسوس کر سکتی ہوں کہ ان کو ابھی بہت ہی زیادہ محنت کرنا ہونی چاہئے جب جا کر ان کو خوفناک اور جواب عرض میں ایک مقام سے گام میں حیران ہوں کہ جواب مرض اور خوفناک ڈانچہ میں اس کی کہانیوں کے نمبر شائع ہو گئے ہیں حیرت کی بات ہے حالانکہ کہانیاں اس قابل نہیں تھیں کہ ان کے نام کے نمبر شائع کئے جاتے بحر حال یہ تو ادارہ کی مرضی ہوئی ہے کہ وہ کیا کرتے لیکن پھر بھی کہانی اچھی ہو تو اس کے نام کا نمبر شائع ہونا چاہیے یہ میری اپنی سوچ بھی جو میں نے لکھ دی ہے۔ باقی آخر میں سب قارئین خوفناک کو سلام اور ہزاروں دعاؤں کے ساتھ اگلے صفحہ تک اجازت دیں اللہ حافظ

کشتور کرن چوکی

اسلام علیکم۔ کہا گیا ہے چچا خوفناک ڈانچہ میں نہیں ہے پناہ دو تین دن بعد آئے گا یہ الفاظ جو میں یکم مارچ سے سنتا آرہا تھا آخر کار رسول مارچ کو ڈانچہ میں ہی گیا اتنا انتظار کرنا پڑتا ہے اسی وجہ سے مجھے ایک کہانی یاد آگئی جس کا نام تھا تیرے انتظار میں۔ ایسا ہی حال میرا بھی تھا تاہم ایک منٹ کا بھی نہیں مصروف ہی اتنا ہوں اور اوپر

سے ایڑام کا بھی بوجھ بہت مشکل ہو جاتا ہے لکھنا مگر پھر بھی میں کچھ نہ کچھ لکھ رہا ہوں اب اگر آپ شائع نہ کریں تو یہ زیادتی ہے ہمارے ساتھ رسالہ نظروں کے سامنے خوفناک سرورق لڑکی کے سر پر کیپ بھی لگے بھی منہ سر نکالے ہوئے سبز موتی نمبر اندر گئے تو سب سے پہلے اسلامی سٹج پڑھا غلیل احمد ملک اور عافیہ گوئندل نے خوب لکھا کہانیوں میں سب سے پہلے سنسنی خیز سسپنسن سے بھر پور آخری حصہ جناب عثمان غنی کی تحریر شیطان کی بیٹی پڑھی کافی مزہ دیا سر دلو ایک اچھی کہانی تھی سبز موتی یہ بھی مزے کی تھی مہارانی کا انتظار رہے گا ڈر کے آگے جیت قسط پانچ آراے ریحان خان ہر قسط خوفناک اور سسپنسن سے بھر پور یہ کہانی روں دواں ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہ پڑھ سکا ایک اور کہانی بھیج رہا ہوں اسے جلد شائع کر دینا مہربانی ہوگی ایک اور بات آپ خط کو پورا شائع کیا کریں میری کہانیاں شائع کرنے کا شکر یہ سائل دعا سائڈ قادی سسٹرز اور ریاض احمد کی سنور یوں کا انتظار رہے گا سید ہمران کی نصیحت مجھے یاد رہے گی اور گوشش کروں گا کہ کہانی کا اینڈ اچھا کروں اور مزید ارد کروں عظیم لوگوں کی روشن باتیں بھی شائع کیا کریں آخر میں میری دعا ہے کہ یہ سالہ اتنی ترقی کرتے کہ آسمان پر ستارہ بن کر چمکے آمین۔

عظیم عباس۔ کسوال

اسلام علیکم۔ فروری کا شمارہ اپنی تمام تر خوفناکیوں کے ساتھ میرے سامنے ہے میں اسے پڑھنے میں مصروف ہوں خط زیادہ لمبا لکھنے سے گریز کروں گا کیونکہ میں نیا لکھاری ہوں خط میں غلطیاں ہو سکتی ہیں اور اگر ہوں گی تو میرے لیٹر کو بزم خطوط میں جگہ ہی نہیں ملے گی خیر دو تو بعد کی بات ہے پہلے میں اپنے پسندیدہ رائٹرز کے نام تو لے لوں ان کے نام ہیں۔ آئی ٹی تم نشاد۔ اور آئی مہا مل دعا بخاری۔ یہ دونوں لکھنؤ سے ہیں پسند کی ہیں اور ان کے پسندیدہ ہونے کی وجہ ان اشعار ہیں جو یہ کہانی میں لکھتی ہیں آئی ٹی تم نشاد اور آئی مہا مل دعا آپ سے گزارش ہے کہ میری کہانیوں کی اصلاح کیا کریں بانی میں خوفناک کے تمام رائٹرز جو اس مرتبہ اپنی کہانیوں کے ساتھ موجود ہیں ان کو میری طرف سے مبارک بادیں کہیں کہیں تمام کہانیاں اچھی نہیں خط زیادہ لمبا ہوتا جا رہا ہے امید ہے کہ شائع ضرور ہو گا اب تمام دوستوں اور بزم خط سے ایک مہینے کے لیے رخصت چاہوں گا۔

طالب حسین شکی

اسلام علیکم۔ اس بار خوفناک آپ کے وعدے کے باوجود میری فروری کو ملا بہت انتظار کرتا ہے یہ ڈائجسٹ کا واحد ہے جس میں میں لکھ رہا ہوں جبکہ یہ رسالہ لیٹ ہو جاتا ہے تو مجھے عجیب سی بے چینی ہونے لگتی ہے آپ کی بہت مہربانی ہوں اس کو جلدی شائع کیا کریں تاکہ اس کو پڑھ کر ہم اپنی رائے آپ تک پہنچا سکیں مجھے اس ماہنامہ سے اتنا پیار ہے کہ دل کرتا ہے ہر روز اس رسالے کے لیے کچھ نہ کچھ لکھ کر آپ تک پہنچاؤں اس کے علاوہ میں نے بہت سی کہانیاں لکھی ہیں ان میں کچھ مختصر بھی ہیں اور طویل بھی پلیز بھیا ان کو جلد از جلد شائع کریں بہت مہربانی ہوگی اس کے بعد میں نے ایک کہانی تیار کر رکھی ہے اب بات ہو جائے کچھ رسالہ کے بارے میں سرورق اس مرتبہ جاذب تھا فہرست میں دیکھا تو دل باغ باغ ہو گیا کیونکہ خوفناک واقعات میرا پسندیدہ سلسلہ ہے جب میں چھوٹا سا تھا تو یہ سلسلہ میں بہت شوق سے پڑھتا تھا پھر نا جانے کیوں بند ہو گیا اب جب اس سلسلے کو اسنے مہینوں بعد دیکھا تو بہت خوشی ہوئی مگر غم ایک بات کا ہوا کہ خطوط غائب تھے سر سے ہی پتہ نہیں کیوں مگر تھے نہیں خطوط کی محفل میں بغیر رسالہ پچکا پچکا سا لگتا ہے اگر آپ کے پاس صفحے کم ہیں تو دس پندرہ اور پڑھالیں آپ بھیا کی بہت مہربانی ہوگی اس کو شائع کر دینا اس دفعہ صرف اتنا کافی ہے اجازت دیں اللہ حافظ۔

عبد الشکور۔ لاہور

اسلام علیکم۔ فروری کا شمار اپنی تمام تر خوفناکیوں کے ساتھ میرے سامنے ہے میں اسے پڑھنے میں مصروف ہوں خط زیادہ لمبا لکھنے سے گریز کروں گا کیونکہ میں نیا لکھاری ہوں خط میں غلطیاں ہو سکتی ہیں اور اگر ہوں گی تو میرے لیٹر کو بزم خطوط میں جگہ ہی نہیں ملے گی خیر وہ تو بعد کی بات ہے پہلے میں اپنے پسندیدہ رائٹرز کے نام تو لے لوں ان کے نام ہیں۔ آپ کی تم نشاد۔ اور آپ کی ساحل دعا بخاری۔ یہ دونوں رائٹرز میری پسند کی ہیں اور ان کے پسندیدہ ہونے کی وجہ ان اشعار ہیں جو یہ کہانی میں لکھتی ہیں آپ کی تم نشاد اور آپ کی ساحل دعا آپ سے گزارش ہے کہ میری کہانیوں کی اصلاح کیا کریں باقی میں خوفناک کے تمام رائٹرز جو اس مرتبہ اپنی کہانیوں کے ساتھ موجود ہیں ان کو میری طرف سے مبارک باد قبول ہو کیونکہ تمام کہانیاں ابھی نہیں خط زیادہ لمبا ہوتا جا رہا ہے امید ہے کہ شائع ضرور ہوگا اب تمام دوستوں اور بزم خط سے ایک مہینے کے لیے رخصت چاہوں گا۔

دعا وکیل لاہور

اسلام علیکم امید کرتا ہوں کہ خوفناک کی پوری ٹیم بالکل حموریت سے ہوگی خوفناک ڈائجسٹ میں میرا پہلا ٹچ ہے اگر میری حوصلہ افزائی ہوئی تو ضرور بعض ور لکھوں گا اب انتظار اللہ ہر ماہ پڑھا کروں گا ماشاء اللہ خوفناک ڈائجسٹ اس میں موجود بہترین عمدہ کہانیاں غریب نظمیں حدیثیں مختصری اچھی ہیں دل کو بہت ہی اچھی لگتی ہیں اور میری دعا ہے کہ یہ ہمیشہ ایسے ہی ترن کر تارے اور خدا سے نظریہ سے بجائے آمین۔ ڈائجسٹ میں تمام رائٹرز اچھا لکھ رہے ہیں ان کی تم لکھا ہی بات ہے پڑھ کر مزہ آ جاتا ہے خدا ان سب کی لمبی عمر کرے آمین آخر میں تمام رائٹرز اور سٹاف کو میری طرف سے سلام پلیر انگل جان میرا خط ضرور شائع کریں میں نے دل سے لکھا ہے میری طرف سے سب سام۔

زمین ظفر پتوکی

اسلام علیکم۔ فروری کا شمار اپنی تمام تر خوفناکیوں کے ساتھ میرے سامنے ہے میں اسے پڑھنے میں مصروف ہوں خط زیادہ لمبا لکھنے سے گریز کروں گا کیونکہ میں نیا لکھاری ہوں خط میں غلطیاں ہو سکتی ہیں اور اگر ہوں گی تو میرے لیٹر کو بزم خطوط میں جگہ ہی نہیں ملے گی خیر وہ تو بعد کی بات ہے پہلے میں اپنے پسندیدہ رائٹرز کے نام تو لے لوں ان کے نام ہیں۔ آپ کی کشور کرن۔ اور آپ کی ساحل دعا بخاری۔ یہ دونوں رائٹرز میری پسند کی ہیں اور ان کے پسندیدہ ہونے کی وجہ ان اشعار ہیں جو یہ کہانی میں لکھتی ہیں آپ کی تم نشاد اور آپ کی ساحل دعا آپ سے گزارش ہے کہ میری کہانیوں کی اصلاح کیا کریں باقی ریاض انگل تو میرے بھائی ہیں ایک محلے میں ہی رہتے ہیں تو دوسرے محلے میں میں میں خوفناک کے تمام رائٹرز جو اس مرتبہ اپنی کہانیوں کے ساتھ موجود ہیں ان کو میری طرف سے مبارک باد قبول ہو کیونکہ تمام کہانیاں ابھی نہیں اسٹیج تمنا آپ کو ایک دوست کی اشد ضرورت ہے تو دوسری طرف سخت محنت کی بھی اشد ضرورت ہے خط زیادہ لمبا ہوتا جا رہا ہے امید ہے کہ شائع ضرور ہوگا اب تمام دوستوں اور بزم خط سے ایک مہینے کے لیے رخصت چاہوں گا۔ سفیان علی شان۔ لاہور۔

مارچ کا شمار سرگوبہ سے خیرید بہت اچھا ناسل صاحب سے پہلے اسلامی صفحہ پڑھا ایمان تازہ ہو گیا کہانیوں میں شیطان کی بیٹی عثمان غنی پشاور سرانے لہو معاویہ خبر دو بزم موت وارث آصف کوئی چاند رکھ میری شام پر خوب عاصم سرگوبہ باراستہ فلک زائد لاہور دوستی کا نکات عامر ڈاسک۔ آیت الکرسی مجید احمد جانی سب رائٹرز نے خوب محنت کی ہے میری دعا ہے کہ خوفناک دن دگنی رات ترقی کرے۔ مہر اللہ رکھا جو یہ۔ کبیر والا۔



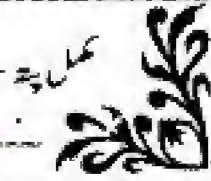
یہ شعر مجھے کیوں پسند ہے



یہ کہانی گات کر سیں ارسال کریں ہم آپ کا شعر "خونناک" ڈائجسٹ "میں شائع کریں گے۔
اس کوئی سنا اپنا پسند و شعر لکھ کر بھی ارسال کریں۔ شعر سہاری ہو طیر سہاری شعر شائع نہیں کیا جائے گا۔

نام _____ شہر _____ فون بر _____

ہوا بھرتی شہر _____



لسانِ گیس



اپنے پسند سے شائع کروانے کے لیے کوئی شعر ارسال کریں

نام _____ شہر _____
